گلہائے رنگا رنگ

Bouquet of Flowers

منتخب مضامین

مصنف: زکریا ورک، کینیڈا

تہذیب و تزئین: عمار یاسر بنارس

نام کتاب	گلہائے رنگا رنگ
مصنف	زکریا ورک ٹورنٹو کینیڈا بی اے ایل ایل بی (کراچی) zakaria.virk@gmail.com
پبلشر	عمار یاسر بنارس (وارانا سی) انڈیا
سن اشاعت	2022
تعداد	ایک ہزار
ملنے کا پتہ	Varanasi, India al-Izza Universal alizzah.universal@yahoo.com
ISBN Number	----------------

محمد زکریا ورک

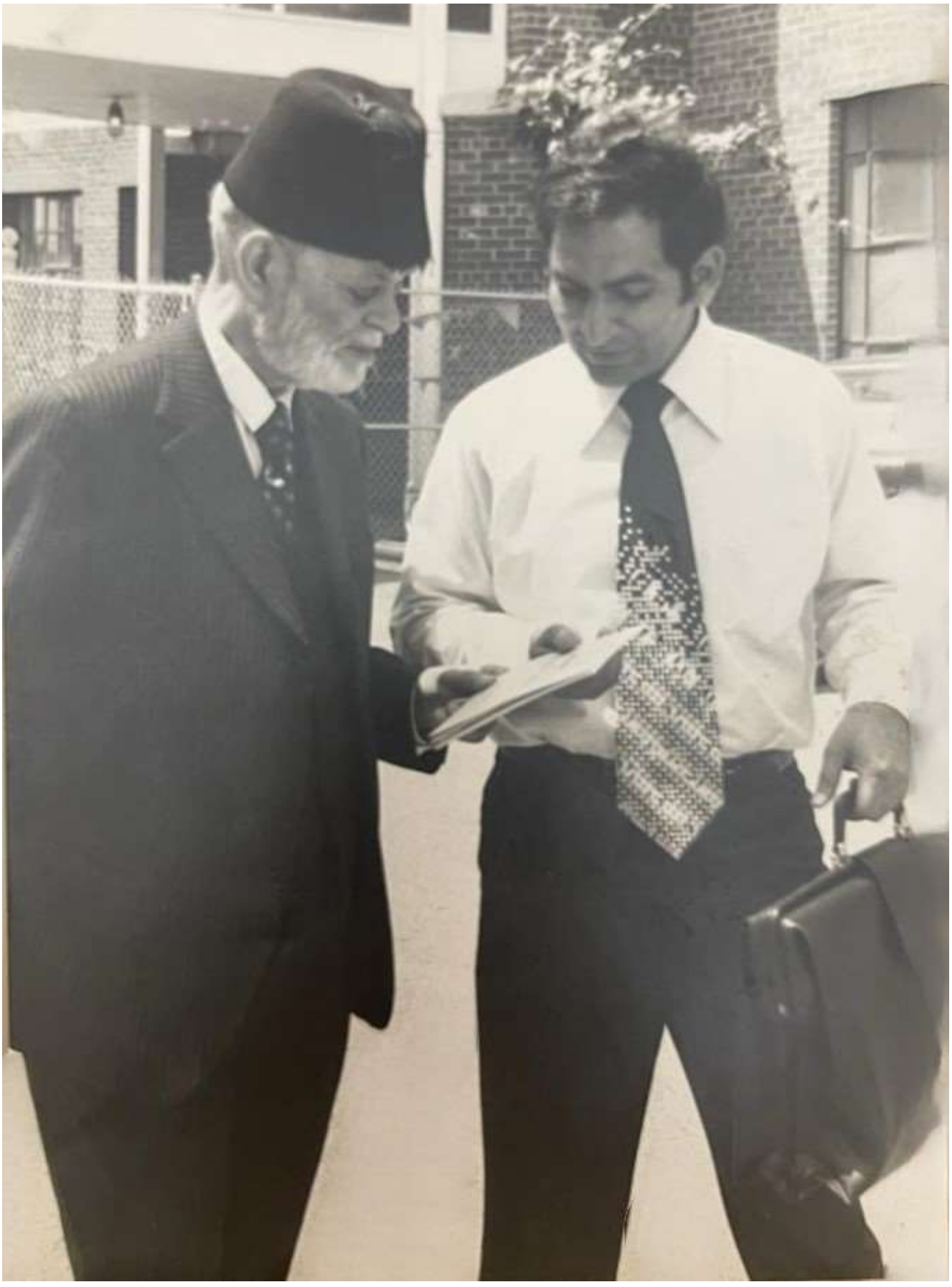

محترم حضرت چوہدری ظفر اللہ خاں صاحبؓ کی خدمت میں 1978 کے جلسہ سالانہ کینیڈا کے موقع پر زکریا ورک کتاب پیش کرتے ہوئے

On July 7th 1978, Hazrat Chaudhry Muhammad Zafarullah Khan ra autographed this photograph for Zakaria Khan

Zafrulla Khan

2.7.1978.

گلہائے رنگارنگ سے ہے زینت چمن

اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

گلہائے رنگارنگ

کسی بھی گلستاں اور پھلواری میں جس قدر پھول دار درخت ہوتے ہیں اور مختلف رنگت کے پھول کھلتے ہیں ۔ اسی قدر وہ پھلواری خوبصورت اور حسین تصور کی جاتی ہے۔ ایسے گلستان میں لوگ بڑے ذوق شوق سے تفریح کے لئے جاتے ہیں۔ جس قدر گلستاں میں پھول اور درخت ہوں گے اسی قدر وہ لوگوں کو پسند آتا ہے۔ اس سے ان کے دماغ اور روح کو راحت پہنچتی ہے۔ لوگ ایک ایک پھول اور درخت کو پسندیدہ نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ خوش ہوتے اور تعریف کرتے ہیں۔ اگر کثیر انواع کے پھول زیادہ ہیں تو ادھر توجہ اور رجحان زیادہ ہوتا ہے۔ جس باغیچہ میں آم اور امرود اور مختلف انواع کے لذتوں کے پھل ہوتے ہیں اسی قدر اس کی مدح سرائی ہوتی ہے۔ ایک کسان اگر اپنے مزرعہ میں مختلف قسم کی سبزیاں اور پھل اگاتا ہے تو اس کو چالاک اور اپنے کام کا ماہر مانا جاتا ہے۔ (انٹرنیٹ سے)

فہرست مضامین

1۔ 2019 کی "اول ترین" ریکارڈ والی خواتین

2۔ انوکھی مگر سچی باتیں

3۔ نامور سائنسدانوں کی ادبی خدمات

4۔ سعودی عرب مستقبل کا گلوبل سپورٹس کا مرکز

5۔ عالمی کھیلوں میں حجابی کھلاڑیوں کا مستقبل

6۔ ابراھام لنکن اور صدر جوزف بائیڈن کا مشکلات بھرا سفر

7۔ کیا فرانس کا نیا قانون ریڈیکل اسلام کو ختم کر دے گا؟

8۔ پہلی جنگ عظیم کے 100 سال بعد

9۔ جوتوں کی انہونی کہانی

10۔ چائے چین سے چوری کر کے ہندوستان کیسے لائی گئی؟

11۔ لندن، لندنستان کیوں بنتا جا رہا ہے؟

12۔ انٹرنیشنل سپیس سٹیشن کے شب و روز

13۔ سائنسدانوں کی ناقابل یقین دھوکے بازیاں

14۔ سائنسدانوں کی عجیب باتیں

15۔ ایجادات جن کا جنم حادثاتی طور پر ہوا۔

16۔ عالم اسلام کی 25 انسپائرنگ خواتین

17۔ عورتوں پر ظلم: ماضی اور حال

18۔ کوئین وکٹوریہ اور منشی عبدالکریم کی پاک محبت کی کہانی

19۔ نارتھ پول میں پہلی مسجد کا روح پرور احوال

20۔ سفر نامہ: چلتے ہو تو بہاماز کو چلو

21۔ خوشبو کا سفر

22۔ عہد وسطیٰ کے مسلمانوں کے جنگی ہتھیار

23۔ مسلمانوں نے امریکہ کو کیا دیا؟

24۔ امریکہ میں مسلمانوں کا روز افزوں اثر و رسوخ

25۔ مسلمان برطانیہ کب آئے؟

26- امریکی صدر ٹافٹ، جو کھڑے کھڑے سو جاتا تھا

(1) 2019 کی-"اول ترین" ریکارڈ والی 10 خواتین

دنیا کے تمام ممالک نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ وہ اپنے اپنے ملک میں سال 2030 تک جنڈر ایکولٹی (مردوں عورتوں میں مساوات) قائم کر دیں گے۔ لیکن 2019 میں شائع ہونیوالے ایک انڈیکس کے مطابق ممالک کی اکثریت نے اس مقصد کو حاصل کرنے کیلئے کچھ بھی نہیں کیا ہے۔ اقوام متحدہ کے ادارے انٹرنیشنل لیبر ارگنائزیشن کے مطابق عورتوں کو بیس فی صد تنخواہ کم دی جاتی ہے۔ دنیا کی اکثر ممالک کی پارلیامنٹس میں نمائندہ عورتیں مردوں کی نسبت کم ہیں۔

حالیہ سالوں میں اگرچہ عورتوں نے لیبر فورس میں آنا شروع کیا ہے بلکہ ٹاپ مینجمنٹ میں بھی عورتیں نظر آتی ہیں لیکن کارپوریٹ دنیا میں عورتیں کم تعداد میں ہیں۔ اس کے باوجود دنیا کے کچھ ممالک میں عورتوں نے نام پیدا کر کے گلاس سیلنگ توڑی ہے۔ درج ذیل میں ہم ان دس عورتوں کا ذکر کرتے ہیں جنہوں نے ۲۰۱۹ میں اپنی قابلیت کی بناء پر اول ترین پوزیشن حاصل کی ہے۔

(1) عورتوں کی فرسٹ سپیس واک:

اکتوبر 2019 میں امریکہ کی خلائی ایجنسی ناسا کی دو خاتون اسٹرانوٹس کرسٹین کوک اور جیسیکا میر Christine Koch & Jessica Meir نے تاریخ میں پہلی بار سپیس واک کی۔ اگرچہ اس سے پہلے مرد اسٹرونٹ سپیس واک کر چکے ہیں مگر یہ پہلی بار تھی کہ دو عورتوں کی ٹیم نے سپیس واک کی۔ اس کے بعد کرسٹین کوک (پیدائش 1979) چار دفعہ سپیس واک کر چکی ہے اور لمبا عرصہ انٹرنشینل سپیس سٹیشن میں موجود رہی۔ جیسیکا میر (پیدائش 1977) پیشہ کے طور پر میرین بیالوجسٹ اور فزیالوجسٹ ہے۔ کرسٹینا کوک نے 28 دسمبر 2019 کو ایک اور ریکارڈ قائم کیا جب اس نے سپیس میں 289 دن مکمل کر لئے۔ یوں وہ پہلی خاتون اسٹرونٹ ہے جس نے سب سے لمبا عرصہ خلاء میں گزارا ہے۔

(2) فرسٹ ہندوستانی خاتون پائلٹ :

انڈین نیوی کی سب لیفٹننٹ شیوانجی Shivangi پہلی عورت ہے جس نے جہاز اڑایا۔ یہ سنگ میل تین سال بعد وقوع پذیر ہؤا جب نیوی نے خاتون پائلٹ بھرتی کرنے شروع کئے تھے۔ چوبیس سالہ شیوانجی جس کا ایک ہی نام ہے اس نے اپنی ٹریننگ انڈین نیول اکیڈیمی میں 2018 میں مکمل کی تھی۔

(3) امریکی کانگریس میں پہلی ریڈ انڈین عورت :

جنوری 2019 میں دو نیٹو امریکن عورتوں یعنی Deb Haaland and Sharice Davids نے کانگریس میں

حلف اٹھایا۔ امریکہ کی تاریخ میں ایسا پہلی بار ہؤا ہے کہ کسی Native ریڈ انڈین نے امریکی کانگریس کا انتخاب جیتا ہے۔

(4) سوڈان کی پہلی خاتون سپریم کورٹ جج :

سوڈان کی سپریم کورٹ کی جج نعمت عبد اللہ خیر کسی افریقن مسلم ملک کی پہلی جج ہے جس کو ملک کی اعلیٰ عدالت میں نامزد کیا گیا ہے۔

(5) سلوواکیہ کی پہلی خاتون صدر:

بطور پیشہ کے وکیل، ایکٹیوسٹ، انٹی کرپشن کی مہم کی سربراہ چھتالیس سالہ Zuzana Caputova سلوواکیہ کی سب سے پہلی کم عمر والی صدر جون 2019 میں منتخب ہوئی تھی۔ اس کی دو بیٹیاں ہیں شوہر سے وہ طلاق لے چکی ہے۔

(6) ویٹی کین کی پہلی خاتون آفیسر:

ویٹی کن جو کیتھولک مذہب کا راج دھانی ہے اس کے office of synods میں پوپ فرانسس نے چار عورتیں (تین راہبات اور ایک عام عورت) کو نسلر نامزد کی تھیں۔ آفس آف سیناڈ، دنیا بھر کے اسقفوں (Bishop) کی عالمی میٹنگ کی تیاریاں کرتی جو ہر چند سال بعد منعقد ہوتی ہے۔

(7) حجاب پہننے والی پہلی برٹش جاکی Jockey :

خدیجہ میلا Khadijah Mellah حجاب میں ملبوس پہلی مسلمان خاتون تھی جس نے برٹش جاکی (ہارس ریس) کے مقابلے میں حصہ لیا تھا۔ نہ صرف یہ بلکہ اس نے یہ مقابلہ (میگنولیا کپ) بھی جیت لیا جس کو اس نے فیئری ٹیل FairytaleVictory فتح کا نام دیا تھا۔ اس کی زندگی پر بنائی گئی ڈاکو منٹری Riding the Dream نومبر 2019 میں براڈکاسٹ کی گئی تھی۔ خدیجہ اس وقت برائیٹن یونیورسٹی میں انجنیئرنگ کی تعلیم حاصل کر رہی ہے۔

(8) پہلی سیاہ فام خاتون جس نے ماؤنٹ ایورسٹ کو فتح کیا :

متعدد کوششوں کے بعد ساؤتھ افریقہ کی خاتون Saray N'kusi Khumalo پہلی سیاہ فام عورت تھی جس نے مئی 2019 میں دنیا کی سب سے اونچی چوٹی ماؤنٹ ایورسٹ کو چوتھی کوشش پر فتح کیا تھا۔ اب وہ دنیا کی سات دوسری چوٹیوں کو فتح کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔

(9) میکسیکو کی پہلی مقامی عورت کیلئے آسکر ایوارڈ :

میکسیکو کی 26 سالہ Yalitza Aparicio پہلی مقامی عورت ہے جس کو آسکر ایوارڈ کے لئے نامزد کیا گیا تھا۔ اس نے فلم Roma میں ڈومیسٹک ورکر کا کردار ادا کیا جبکہ اس نے اس سے پہلے کبھی ایکٹنگ نہیں کی تھی۔ اس کی

شہرت اور ناموری کو ورکرز کی حالت سدھارنے کے لئے استعمال کیا ہے۔ اس کو اکیڈیمی ایوارڈ کے لئے بیسٹ ایکٹریس کے طور پر نامزد کیا گیا تھا۔ ٹائم میگزین نے اس کو 2019 کی 100 انفلوئینشل عورتوں کی فہرست میں شامل کیا ہے۔

(10) فنانشل ٹائمز کی پہلی خاتون ایڈیٹر :

راوؤلا خلاف Roula Khallaf کو برطانیہ کے پنک نیوز پیپر فنانشل ٹائمز کا ایڈیٹر مقرر کیا گیا ہے۔ اخبار کا آغاز 1888 میں ہؤا تھا اور یہ پہلی بار ایسا ہؤا ہے۔ خلاف جس کی پیدائش لبنان میں ہوئی تھی اخبار میں چوبیس سال سے ملازمت کر رہی ہے۔ عراق کی جنگ اور عرب سپرنگ کے دوران وہ اخبار کی مشرقی وسطیٰ میں نمائندہ تھی۔

عالمی بساط پر معمر خواتین

دنیا میں اس وقت چند ایک ایسی خواتین بھی ہیں جو معمر ہونے کے باوجود اپنے اپنے شعبے میں سنہری کارنامے سر انجام دے رہی ہیں۔ ان میں سے سب سے اول امریکہ کی کانگریس کی سپیکر نینسی پیلوسی ہے جس کی عمر 79 سال ہے۔ اس نے امریکی صدر ڈانلڈ ٹرمپ کا ناک میں دم کر رکھا ہے۔ وہ پہلی عورت ہے جو سپیکر کے عہدہ پر فائز ہوئی ہے۔ اسی طرح امریکہ کی راک آئی کان ٹینا ٹرنر Tina Turner کی عمر 80 سال ہے۔ دنیا میں عورتیں، نوجوان لڑکیاں ان معمر خواتین سے بہت کچھ سیکھ رہی ہیں بلکہ آنیوالی نسلوں کے لئے مشعل راہ ہیں۔ 2019 میں فوربز میگزین نے جو دنیا کی 100 موسٹ پاور فل ویمن کی فہرست شائع کی ہے اس میں اول جرمن چانسلر انجیلا مرکل ہے جو 65 سال کی ہے۔ G20 ترقی یافتہ اقوام میں سے جرمن چانسلر واحد عورت ہے جو کمانڈر ان چیف ہے۔ اس فہرست میں اوپر کی دس عورتوں میں سے چھ کی عمر 61 سے زیادہ ہے۔ اس فہرست میں سب سے زیادہ لمبی عمر والی خاتون برطانیہ کی ملکہ ایلزبیتھ ہے جو 93 سال کی ہے۔ یورپین بنک کی صدر کرسٹین لاگارڈ 64 سال کی ہے۔ یورپین کمیشن کی صدر ارسولا وان ڈرلی این کی عمر 61 سال ہے مگر وہ پورے جوش و خروش کے ساتھ کلائی میٹ چینج کو روکنے کے لئے تگ و دو کر رہی ہے۔ کینیڈا کی شہرہ آفاق رائٹر اور فیمی نسٹ ادیب Atwood مارگریٹ ایٹ ووڈ 80 سال کی ہے اور حال ہی میں اس کو 2019 کا بوکر پرائز دوسری دفعہ دیا گیا ہے۔

کہاوت ہے کہ مرد گھوڑے کی طرح کبھی بوڑھا نہیں ہوتا مگر ایسا لگتا ہے کہ زمانہ بدل گیا ہے اور اب عورتیں بھی ورلڈ سٹیج پر شیرنیوں کی طرح دھاڑتی ہیں۔

()()()

(2)انوکھی باتیں

1. مگرمچھ اپنی زبان باہر نہیں نکال سکتا۔
2. کسی دو زیبرا کی دھاریاں ایک جیسی نہیں ہوتیں۔
3. شہد کی مکھیوں کی ملکہ گرمیوں کے موسم میں ایک دن میں دو ہزار انڈے دیتی ہے اور یہ سلسلہ کئی سال جاری رہتا ہے۔
4. امریکہ ریاست میساچوسٹس کے شہر ووسٹر میں آج سے سو سال قبل ایک شخص ELIHU BURRITT ہو گزرا جو چالیس زبانیں بول سکتا تھا۔اس نے مشہور انگریز شاعر لانگ فیلو کی نظمیں سنسکرت میں ترجمہ کی تھیں۔
5. بلیو وھیل دنیا کا سب بڑا جانور ہے اس کے منہ میں ہاتھی آسانی سے گزر سکتا ہے۔اس کی لمبائی ۱۰۰ فٹ اور وزن ۱۵۰ ٹن ہوتا ہے۔اس کے تیرنے کی رفتار ۲۳ میل فی
6. گھنٹہ ہوتی اور عمر عموماً بیس سے تیس سال۔
7. ۱۹۰۰ میں نیویارک کی سٹیٹ ایکسپریس ٹرین نے ۱۱۲ میل گھنٹہ سفر کے ریکارڈ قائم کیا تھا جبکہ ۱۹۶۹ میں چاند کی طرف جانے والے جہاز میں ایسٹرونائٹس نے ۶۷۹،۲۴ فی گھنٹہ کی رفتار سے سفر کیا تھا۔آرم سٹرانگ جس نے چاند پر پہلا قدم ۲۰ جولائی ۱۹۶۹ کو رکھا اس نے زمین پر X-15 جہاز میں ۴۵۰۰ فی گھنٹہ سفر کیا تھا۔
8. *ڈریگن فلائی Dragon Fly کی زندگی ۲۴ گھنٹے ہوتی ہے۔گولڈ فشن کی یادداشت صرف تین سیکنڈ کی اور شارک واحد مچھلی جو دونوں آنکھوں سے جھپک سکتی ہے۔
9. *گھونگھا (سنیل snail) تین گھنٹے کیلئے سو سکتا ہے۔
10. امریکہ کے پانچ ڈالر کے نوٹ پر تمام پچاس ریاستیں دی گئیں ہیں۔
11. شتر مرغ کی آنکھ اس کے دماغ سے بڑی ہوتی ہے۔انسانی بچے kneecap کے بغیر پیدا ہوتے،جب وہ 2-6 کے ہو جاتے تو یہ نظر آتیں۔
12. تتلی اپنے پاؤں سے چکھتی ہے۔
13. بلیوں کے vocal sound ایک سو کے قریب ہوتے جبکہ کتوں کے صرف دس ہوتے ہیں۔
14. تاریخ میں فروری ۱۸۶۵ء واحد مہینہ تھا جب پورا چاند طلوع نہیں ہوا تھا۔ No full Moon

15. انسانی آنکھیں ساری عمر ایک ہی سائز کی رہتیں مگر ناک اور کان بڑھتے رہتے ہیں۔

16. انسان کا بایاں ہاتھ 56٪ ٹائپنگ کرتا ہے۔

17. ۱۹۳۲ء کا موسم سرما اس قدر ٹھنڈا تھا کہ نیاگرا فالز کا پانی جم گیا تھا۔

18. دنیا میں انسانوں سے زیادہ مرغیاں پائی جاتی ہیں۔

19. عورتیں مردوں سے زیادہ آنکھیں جھپکتی ہیں۔

20. ربر بینڈز کو اگر فرج میں رکھ دیا جائے تو وہ زیادہ دیر کام آسکتے ہیں۔

21. آپ کے جوتے وہ پہلی چیز ہوتے ہیں جو لوگ غیر ارادی طور پر دیکھتے ہیں اسلئے عمدہ اور اچھے جوتے پہنیں۔

22. اگر آپ دن میں گیارہ گھنٹے بیٹھے رہیں تو پچاس فی صد چانس ہے کہ آپ اگلے تین سال میں داغ مفارقت دے جائیں گے۔

23. دنیا میں چھ فی صد لوگ ایسے ہیں جو آپ سے مشابہ ہیں، نو فی صد چانس ہے کہ آپ ان میں ایک کو زندگی میں ملیں گے۔

24. بغیر تکیے کے سونے سے کمر درد کم ہو جاتی اور آپ کی ریڑھ کی ہڈی کو مضبوط رکھتی ہے۔

25. انسان کے قد کا فیصلہ اس کے باپ سے ہوتا، اور وزن ماں سے۔

26. تین چیزیں انسانی دماغ دیکھنے سے نہیں رہ سکتا: فوڈ، خطرہ اور خوبصورت شخص۔

27. دائیں ہاتھ والے لوگ منہ کے دائیں طرف غذا کو چباتے ہیں۔

28. بدبودار جوتوں میں چائے کی پتی Tea Bags رکھنے سے بدبو دور ہو جاتی ہے۔

29. آئین سٹائین کے بقول اگر کرہ ارض سے شہد کی مکھیاں ختم ہو جائیں تو نسل انسانی چار سال میں عدم ہو جائیگی

30. دنیا میں سیب کی اتنی لاتعداد قسمیں پائی جاتی ہیں کہ اگر آپ ہر روز ایک قسم کھائیں تو تمام اقسام کھانے میں بیس سال لگیں گے

31. غذا کے بغیر انسان کئی ہفتے زندہ رہ سکتا ہے مگر نیند کے بغیر گیارہ دن سے زیادہ زندہ نہیں رہ سکتا۔

32. جو لوگ زیادہ مسکراتے اور ہنستے ہیں وہ دوسروں کی نسبت زیادہ عمر پاتے ہیں۔

33. ہمارا دماغ دس واٹ کے بلب کے برابر بجلی خرچ کرتا ہے۔

34. ہمارے معدے کا تیزاب اتنا طاقتور ہوتا ہے کہ اس میں ریزر بلیڈ گھل سکتے ہیں۔

35. گرین ٹی کا زیادہ استعمال کریں، پانی پئیں، بلیو بیریز، براکلی اور بادام زیادہ کھائیں۔

36. ناشتہ بادشاہ کی طرح کریں، دوپہر کا کھانا شہزادے اور رات کا کھانا طالبعلم کی طرح جس کا کریڈٹ کارڈ استعمال ہو چکا ہو۔

37. اپنی زندگی کا مقابلہ دوسروں کی طرح مت کرو کیونکہ تمہیں علم نہیں کہ وہ کس حالت میں ہیں۔

38. لوگ تمہارے بارے میں کیا سوچتے ہیں، اس کی پرواہ مت کرو۔

39. ہر رات سونے سے قبل خدا کا شکر ادا کرو اِس بات پر جو کچھ تمہارے پاس ہے۔

40. Remember you are too blessed to be stressed

41. آپ کی علالت میں آپ کا جاب آپ کا خیال نہیں رکھے گا بلکہ آپ کے اعزہ اور دوست احباب، اسلئے ان سے تعلق برقرار رکھو۔

()()()

محترم ڈاکٹر عبد السلام کیساتھ زکریا ورک کی تاریخی تصویر۔ یہ تصویر جولائی 1982 میں۔ میڈیسن۔ وسکانسن امریکہ میں لی گئی تھی۔ محترم ڈاکٹر صاحب وہاں یونیورسٹی میں لیکچر دینے آئے تھے

نقد و نظر (3) نامور سائنسدانوں کی ادبی خدمات

نام کتاب	پاکستان کے نامور سائنسدانوں کی ادبی خدمات
مصنف	عمران اختر
پبلشر	ادارہ فروغ قومی زبان، اسلام آباد
سال اشاعت، قیمت	2012، 350روپے
آئی ایس بی این	ISBN: 978-969-474-3295
طابع	الممتاز گرافکس، اسلام آباد

.....

ادارہ فروغ قومی زبان اسلام آباد نے عمران اختر کے بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی ملتان کے ایم فل کے پر مغز مقالے کو کتابی صورت میں شائع کیا تھا۔ مجھے یہ کتاب ارض پاکستان کے ممتاز ماہر و قادر بین الا قوامی شہرت یافتہ جینیات دان ڈاکٹر انور نسیم، صدر پاکستان اکیڈیمی آف سائنسز نے کینیڈا کے دورہ کے دوران مرحمت فرمائی تھی کیونکہ راقم نے عمران اختر کی ڈاکٹر عبد السلام پر مقالہ لکھنے، مواد اور حقائق جمع کرنے، حوالہ جات، کتب ورسائل کے حصول، ایڈٹنگ، اور پروف ریڈنگ میں ان کے ساتھ تعاون کیا تھا جس کا اظہار تشکر انہوں نے انتساب اور تیسرے باب میں ڈاکٹر سلام پر میری کتب و مضامین کے حوالے سے احسن رنگ میں کیا ہے۔ ڈاکٹر انور نسیم، ستارہ امتیاز کے ساتھ عاجز کی شناسائی پچھلے 35 سال پر ممتد ہے جب وہ کینیڈا میں فیڈریشن آف پاکستانی سوسائیٹیز کے صدر تھے۔ اس کے علاوہ وہ ڈاکٹر سلام کے مداح اور قدر دان بھی ہیں۔ اگست 2016ء میں انہوں نے اسلام آباد میں ڈاکٹر سلام کے 90 سالہ یوم پیدائش پر وسیع پیمانے پر سلام سیمینار منعقد کروایا تھا۔

اس انوکھی، اچھوتی، اور خرد افروز 268 صفحے کی کتاب میں پاکستان کے تین نامور سائنسدانوں ڈاکٹر سلیم الزماں صدیقی، ڈاکٹر عبد السلام، ڈاکٹر انور نسیم کی ادب میں خدمات کو تفصیل سے 199 صفحات میں بیان کیا گیا ہے۔ جبکہ پانچویں باب میں اختصار کے ساتھ 8 ادیب سائنسدانوں کے احوال صفحات 200-248 پر دیئے گئے ہیں: ڈاکٹر نذیر احمد، ڈاکٹر رضی الدین، میجر آفتاب حسن، عظیم قدوائی، ڈاکٹر صلاح الدین، حکیم محمد سعید، ڈاکٹر محمد افضل غوری، ڈاکٹر

خان محمد ساجد۔

پہلے باب "سائنس اور ادب کے روابط و اشتراکات" میں مصنف سائنس کے مقصد اور ادب کے مقصد میں فرق کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ سائنس کا مقصد کائنات کو طبعی قوانین کی روشنی میں دیکھنا، انسانی زندگی کے مسائل، ان کا حل اور پیش آنیوالے حالات کا سائنسی طرز فکر کی روشنی میں اندازہ لگانا ہے جبکہ کائنات اور فکر کی تسخیر کا نام ادب ہے۔ ادب منظم طریقہ کار ہے جس کی مدد سے انسانی ذہن علم وادراک کی وسعتوں کو ایک نقطہ تک محدود نہیں کرتا بلکہ پوری کائنات کو موضوع بنا کر مرکزی نقطہ فکر کے شعوری حوالوں کو پیش کرتا ہے۔ ادب سائنسی طرز فکر کے دباؤ سے آزاد ہو کر تخلیقی عمل کا نام ہے۔ خیالات جب فکری سطح سے بلند ہو کر سائنسی فکر کے تابع ہو جاتے ہیں تو سائنسی طریقہ کار ایک شخص کو سائنسدان بناتا، جبکہ یہی خیالات ادراک کی جہتوں سے گزر کر عملی صورت میں اظہار پاتے تو ادب تخلیق ہو جاتا ہے۔(صفحہ 11)

دوسرا باب رابندرا ناتھ ٹیگور کے شاگرد رشید ڈاکٹر سلیم الزماں صدیقی 1897-1994 کی ادبی خدمات پر ہے۔ ڈاکٹر صدیقی بین الاقوامی شہرت کے حامل سائنسدان، بیک وقت چابک دست مصور، فلسفی ہونے کے علاوہ شعر و ادب پر بھی دسترس رکھتے تھے۔ علی گڑھ سے گریجوایشن کے بعد انہوں نے یونیورسٹی کالج لندن میں میڈیسن کی تعلیم حاصل کی۔ اور ڈاکٹریٹ یونیورسٹی آف فرینکفرٹ سے 1927 میں حاصل کی۔ 1931 میں انہوں نے آیورویڈک اینڈ یونانی میڈیسن انسٹی ٹیوٹ کی بنیاد حکیم اجمل خاں کے زیر نگرانی رکھی۔

وہ موسیقی کے دلدادہ، شطرنج ڈوب کر کھیلتے، اور کرکٹ سے بھی شغف رکھتے تھے۔ ضخیم سے ضخیم کتاب چند گھنٹوں کے مطالعے کیلئے کافی ہوتی تھی۔ آپ ادب کے قدردان تھے، خود مقتدر شاعر اور فارسی شاعری بہت پسند تھی۔ ان کی مصوری کی نمائش امریکہ، پاکستان، ہندوستان اور جرمنی میں ہوئی تھی۔ حالانکہ کیمسٹری میں FRS تھے مگر فنون لطیفہ اور مصوری میں اپنی مثال آپ۔ آپ کو رائیل سوسائٹی کا فیلو نوبیل انعام یافتہ ڈاکٹر سلام کی سفارش پر بنایا گیا تھا۔ ڈاکٹر صدیقی پہلے سائنسدان تھے جس نے نیم کے درخت میں اینٹی فنگل، اینٹی بیکٹیریل، اینٹی وائرل اجزاء 1942ء میں حاصل کئے جس کی بناء پر آپ کو آرڈر آف برٹش ایمپائر OBE کا ایوارڈ دیا گیا۔ زندگی میں 300 ریسرچ پیپرز اور 40 پیٹنٹ درج کروائے۔ آخر پر آپ کی زندگی کے اہم واقعات سن وار دینے کے بعد 55 حوالہ جات دیئے گئے ہیں جس سے ثابت ہوتا کہ یہ ایک مستند اور باوثوق کتاب ہے۔

تیسرے باب کا تعلق پاکستان کے بابائے سائنس نوبیل انعام یافتہ ڈاکٹر عبد السلام (1926-96) کی ادبی خدمات سے ہے۔ پروفیسر عبد السلام تیسری دنیا کے انسانوں کے واحد نمائندے کے طور پر پہچانے جاتے ہیں۔ وہ نوع انسانی کو دائمی زندگی بہم پہنچانے میں علم، فکر، کردار قربانی اور خلوص نیت جیسے اوصاف کریمانہ سے متصف تھے۔ نہ صرف یہ کہ وہ طبیعات دان تھے بلکہ وہ ایسے ادارے کی حیثیت رکھتے تھے جس نے مشرقی اقوام کو مغرب کی سائنسی

ترقیات اور سائنسی منظر نامے سے متعارف کیا۔ نیز انہوں نے بر صغیر پاک و ہند کے سائنسدانوں اور مفکروں کو نئے سائنسی ماحول میں سانس لینے کا جواز فراہم کیا۔ تعلیمی میدان میں ان کی پے در پے کامیابیوں، سائنس میں ان کے شغف کو بیان کرتے ہوئے ان کی ادبی زندگی کی جھلک پیش کی گئی ہے۔ ڈاکٹر سلام نے پہلا سائنسی مضمون ہندوستانی ریاضیداں راما نوجن کی مساوات کے حل پر 1943 میں سپرد قلم کیا اور 1993 میں آخری مقالہ زیب قرطاس کیا تھا۔ ان کی تحریروں کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا پہلی وہ جن کا تعلق تھیورٹیکل فزکس سے ہے اور دوسری جن کا تعلق پاکستان میں سائنس کی ترقی و فروغ اور تیسری دنیا میں سائنس کے احیاء سے ہے۔

ڈاکٹر عبد السلام سائنسدان ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اعلیٰ پایہ کے فلسفیانہ ذہن رکھنے والے انسان تھے۔ ان کی باتوں سے فلسفیانہ افکار و روایات کی خوشبو آتی تھی۔ وہ ایک حساس اور درد مند دل رکھنے والے انسان تھے جس کا دل تیسری دنیا کی پسماندگی کو دیکھ پریشان ہوتا تھا۔ اکثر سائنسدان خود کو کسی ایک فیلڈ تک محدود کر لیتے ہیں مگر وہ ایک ایسی شخصیت کے مالک تھے جنہوں نے نہ صرف سیاسی طور پر بلکہ سائنسی طور پر بھی پاکستان جیسے ترقی پذیر ملک کے ساتھ اپنی وابستگی ہمیشہ برقرار رکھی۔ ان کی بھرپور کوشش رہی کہ تیسری دنیا کے ممالک آپس میں مل بیٹھ کر ٹیکنالوجی کی ٹرانسفر کی بجائے خود سائنسی تعلیم اور فکر کو اپنے ملکوں میں روشناس کرائیں۔ انہوں نے بارہا سائنس کے حوالے سے پاکستان میں ٹیکنالوجی کی منتقلی کی بجائے سائنس کے رواج پر زور دیا۔

ڈاکٹر عبد السلام صاحب کو بچپن ہی سے ادب سے لگاؤ تھا۔ نہ صرف آپ تحریر کے میدان کے شہسوار تھے بلکہ ایک قادر الکلام انشاء پرداز بھی۔ ان کی ژرف نگاہی، بصالت فکر اور وسیع النظری کا ایک عالم معترف تھا۔ گورنمنٹ کالج لاہور میں آپ کالج کے میگزین کے ایڈیٹر تھے۔ سائنس کے میدان میں آپ 250 تحقیقی مقالہ جات صفحہ قرطاس پر اتارے، اور ایک درجن سے زیادہ کتابیں۔ آپ کی شاہکار کتاب Ideals & Realities کا ترجمہ دنیا کی متعدد زبانوں میں ہو چکا ہے۔

ڈاکٹر عبد السلام سائنس میں اپنی دماغ سوز مصروفیات اور تناؤ کو کم کرنے کیلئے اکثر اوقات شاعری اور ادب کو اپنے لیکچرز میں شامل کر لیتے تھے۔ آپ فطرت کے نادر نمونوں کو سائنسی آنکھ سے دیکھنے اور ان کے حقائق کو ادب کی زبان میں بیان کرنے کا ہنر جانتے تھے۔ ان کی تحریر کا سٹائیل دلفریب تھا۔ مضامین میں ادبی چاشنی اور دل کشی پیدا کرنے کی طرف خصوصی توجہ دیتے تھے۔ ان کی مکتوب نگاری میں غالب کا سا انداز تحریر تھا۔ مکتوب الیہ سے گفتگو کا آغاز کرتے اور ظرافت کی چاشنی کا بھی اضافہ کر دیتے تھے۔ تاریخ نگاری میں بھی کمال حاصل تھا۔

چوتھے باب کا عنوان ڈاکٹر انور نسیم کی ادبی خدمات ہے۔ اس علم دوست، ادب دوست، انسان دوست کا شمار عالمی سطح پر جانے پہچانے سائنسدانوں میں ہوتا ہے۔ سائنس میں مصروفیات کے باوجود اردو ادب ادیبوں سے رابطہ استوار رکھا۔ آپ بین الاقوامی شہرت یافتہ جینیات دان ہیں۔ ڈاکٹر سلیم الزماں صدیقی کا کہنا تھا کہ ادب اور سائنس میں حس

حسن، قدر مشترک ہے۔ ادب اور سائنس کی اس قدر مشترک پر انور نسیم پورے اترتے ہیں۔ بہ حیثیت افسانہ نگار آپ نے جو لکھا وہ حقیقت کے قریب تر ہو کر لکھا۔ ان کے افسانوں کے کردار وہ خود ہیں۔ ان کے لہجے سے ہمیشہ سرشاری اور بلند آہنگی کی مہک آتی ہے۔ سائنس اور ادب میں ان کی دلچسپی متوازی خطوط پر استوار رہی۔

ڈاکٹر نسیم (ولادت 1935) نے راقم کو اپنے افسانوں کا مجموعہ وہ قربتیں یہ فاصلیٹور نٹو میں ملاقات کے دوران عنایت فرمایا تھا۔ آپ کی افسانہ نگاری کے متعلق سید ضمیر جعفری نے کہا تھا کہ ان کی تحریروں میں ذہانت کی چمک، اخلاص کی خوشبو اور نگارش کی دل موہ لینے والی چاشنی ہوتی ہے۔ پاکستان کے نامور ادیبوں دانشوروں ضمیر جعفری، فیض احمد فیض، منیر نیازی، انتظار حسین، جمیل الدین عالی شہزاد احمد، احمد ندیم قاسمی، مسعود مفتی کے ساتھ ذاتی اور ادبی تعلقات برسوں پر محیط ہیں۔

کینیڈا میں 23 سال قیام کے بعد سعودی عرب کے شاہ فیصل ہسپتال میں پرنسپل سائینٹسٹ رہے۔ غیر ممالک میں 31 سال کے قیام کے بعد آپ 1993 میں پاکستان واپس لوٹ آئے۔ گزشتہ کئی سالوں سے آپ پاکستان اکیڈیمی آف سائنسز کے صدر ہیں۔ آپ تھرڈ ورلڈ اکیڈیمی آف سائنسز (ٹریسٹ اٹلی) کے ممبر ہیں۔2016ء میں آپ نے ڈاکٹر سلام کے نوے سالہ یوم پیدائش پر پورے تزک واہتشام کے ساتھ سلام کانفرنس کا اہتمام اسلام آباد میں کیا تھا۔

پانچویں باب میں مسلمانوں کی سائنسی ترقی تاریخی تناظر بعد بیان کرنے کے بعد پاکستان کے جن ادیب سائنسدانوں کے مختصر سوانحی خاکے دیئے گئے ہیں وہ یہ ہیں: ڈاکٹر نذیر احمد، ڈاکٹر رضی الدین، میجر آفتاب حسن، عظیم قدوائی، ڈاکٹر نسیمہ ترمذی، ڈاکٹر صلاح الدین، حکیم محمد سعید، ڈاکٹر محمد افضل غوری، ڈاکٹر خان محمد ساجد۔ کتابیات کے ضمن 50 اردو کتابوں، 13 انگلش کتابوں 22 رسائل، اردو اخبارات، 8 جرنلز کے نام اور مستند حوالے دیئے گئے ہیں۔ جن افراد کے انٹرویوز کئے گئے ان کے نام درج ہیں نیز انٹرنیٹ کے جن ذخائر سے استفادہ کیا گیا وہ بھی دیئے گئے ہیں۔

غرضیکہ یہ ایک نہایت مفید اور جامع کتاب ہے۔ میری ذاتی لائبریری میں یہ اس شیلف پر ہے جہاں میری منظور نظر کتابیں رکھی ہوئی ہیں۔ کتاب پر ناشر کا نام ڈاکٹر انوار احمد اور ای میل درج ہے جب میں نے ان کو مزید کتابیں حاصل کرنے کی ای میل بھیجی تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ ریٹائیر ہو چکے ہیں۔ سرورق اور پرنٹنگ معمولی ہے۔ مصنف کتاب عمران اختر اب ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کر چکے ہیں۔

()()()

(4)سعودی عرب عنقریب گلوبل سپورٹس کا مرکز ہو گا

7 دسمبر 2019 کو سعودی عرب کے دارالحکومت ریاض کے باہر قدیم ترین شہر دیریا کے مقام پر کسٹم بلٹ باکسنگ ایرینا میں برطانوی شہری اینتھونی جاشوعا Anthony Joshua، اور میکسیکو کے اینڈی روئیز Andy Ruiz کے درمیان ہیوی ویٹ باکسنگ میچ ہؤا جس کو کلیش آف ڈونز Clash of Dunes کا نام دیا گیا تھا۔ اینتھونی جاشوعا جو 2012 کا اولمپکس گولڈ میڈلسٹ ہے اس نے یہ میچ پوائنٹس پر جیت لیا۔ اوپن ائر سٹیڈیم میں 20,000 شائیقین بیٹھ سکتے۔ سامنے کی قطار میں بیٹھنے کی ایک سیٹ کی قیمت 13,000$ تھی۔

اس میچ کی خاص بات یہ ہے کہ اس عالمی باکسنگ میچ کا میزبان کینیڈین سپورٹس کاسٹر عدنان ورک تھا جس کے والدین 50 سال قبل پنجاب سے کینیڈا ہجرت کر کے آئے تھے۔ عدنان امریکہ میں DAZN ٹیلی ویژن میں سپورٹس اینکر ہے۔ جاشوا کو اس میچ کی فیس 60 ملین پاؤنڈ ملے گی۔ سعودی عرب نے اس میچ کو لانے کیلئے پچاس ملین ڈالر فیس ادا کی ہے۔ مشرق وسطیٰ میں یہ پہلا میچ تھا جس سے ٹورازم میں زبردست ترقی ہو گی، اور رفتہ رفتہ آئیل پر انحصار کم ہونا شروع ہو جائیگا۔

اس عالمی میچ کے بعد جنوری 2020 میں سالانہ موٹر ریسنگ کا مقابلہ ہوا تھا جس کا نام Paris -Dakar rally ہے۔ فروری 2020 میں سعودی کپ میں ہارس ریسنگ کا مقابلہ ہونے جارہا ہے جس کا تاریخ میں سب بڑا انعام 20$ ملین ڈالر ہے۔ اس کے بعد مارچ 2020 میں عورتوں کا یورپین گولف ٹورنامنٹ ہو گا۔ ایسے مقابلہ جات میں فارمولا ای موٹر ریسنگ، یورپین گولف، سپینش سپر کپ فٹ بال بھی متوقع ہیں۔ جدہ میں جنوری میں سپینش سوپر کپ ٹورنامنٹ منعقد ہو گا جس میں سپین کی چار ٹیمیں حصہ لیں گی بشمول بارسیلونا اور ریال میڈرڈ کے۔ امید کی جاتی ہے کہ اس ٹورنامنٹ سے اگلے تین سالوں میں 35 ملین یورو آمد ہو گی۔

سعودی عرب نے عالمی کھیلوں کی طرف توجہ 2016 میں شروع کی تھی جب پرنس محمد بن سلمان نے اکنامک ڈیویلپمنٹ پروگرام Vision 2030 کی داغ بیل رکھی تھی۔ گلوبل سپورٹس کو ملک میں لانا بھی ویژن 2030 منصوبے کا حصہ ہے۔ اس ضمن میں گراؤنڈ ورک کرنے کیلئے امریکہ میں سعودی سفیر پرنسیس ریما بندر السعود نے ایک امریکی لابی انگ فرم کے ذریعہ نیشنل باسکٹ بال ایسوسی ایشن، میجر لیگ ساکر، ورلڈ سرف لیگ، اور فارمولا ون ریسنگ سے رابطہ قائم کیا تا ایسی عالمی کھیلوں کو سعودی عرب میں لایا جاسکے۔

اس کے بعد دولت کے انبار اس ضمن میں لگنے لگے۔ سعودی عرب کی جنرل سپورٹس اتھارٹی نے اعلان کیا کہ وہ مقامی ایتھلیٹس اور ٹیموں کی تیاری اور عالمی کھیلوں کے مقابلوں کو سعودی عرب لانے کیلئے 650 ڈالر مختص کر دیئے گئے ہیں۔ ریاض میں منعقد ہونے والی اکتوبر 2019 میں ایک انوسٹ منٹ کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے پرنس عبد لعزیز

بن ترکی الفیصل، چیئر مین جنرل سپورٹس اتھارٹی نے کہا کہ گلوبل سپورٹس کو ملک میں لانے سے کس طرح اقتصادی ترقی ممکن ہو گی اور ہزاروں جابز بھی پیدا ہوں گے۔ ملک میں تبدیلی لانے کے لئے سپورٹس کا بڑا حصہ اور اس کو مزید ترقی دینا ہے۔ پرنس ترکی الفیصل کا کہنا ہے کہ ہماری آبادی سترہ سال سے چالیس سال کے درمیان ہے۔ یہ لوگ سوشل میڈیا پر دیکھتے ہیں کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ یہی کچھ ہمارے ملک میں ہو۔

اس ضمن سعودی عرب میں باکسنگ کو خاص مقام مل رہا ہے جس کی بڑی وجہ پیٹر وڈالرز ہیں۔

دراصل بات یہ ہے کہ سعودی عرب اپنی اکانومی کو ڈائی ورسی فائی، ملک کے اندر سپنڈنگ اور اپنے گلوبل امیج کو مثبت کرنا چاہتا ہے جو کہ جمال کاشوجی کے قتل کے بعد بری طرح منفی رنگ میں متاثر ہوا ہے۔ ملک کے اندر شہریوں کو بلا کسی جواز کے حراست میں لے لیا جاتا ہے اور انسانی حقوق کی بات کرنے والوں کو جیلوں میں سزا بھگتنا پڑتی ہے۔ کوئی شخص حکومت کے خلاف صدائے احتجاج بلند نہیں کر سکتا۔ گلوبل امیج کو مثبت کرنے کیلئے مغربی ممالک کی کھیلوں؛ یعنی ویسٹرن سپورٹس اور انٹرٹین منٹ کو ملک میں رواج دیا جا رہا ہے۔ اس چیز کو لوگ منی لانڈرنگ کی طرح سپورٹس واشنگ Sportswashing کا نام دے رہے ہیں۔ سعودی عرب اور انٹرنیشنل برانڈز جیسے ورلڈ ریسلنگ انٹرٹین منٹ WWE کے درمیان تعلق ابھی تک symbiotic ہے جس میں ہو سکتا ہے ایک تو فائدہ ہو مگر دوسرے کو نہیں۔ WWE جیسی کمپنیاں نت نئی مارکیٹس کی تلاش میں ہیں جب کہ سعودی عرب جیسے ممالک آئیل پر اکانومی کے انحصار کو کم کرنا چاہتے ہیں۔ اس ضمن میں مغربی ممالک کی کمپنیوں اور فلمی ستاروں پر الزام عائد کیا جاتا ہے کہ وہ سعودی عرب کی پبلک ریلشنز کی مہم میں مدد کر رہے ہیں۔

سعودی عرب کی کل آبادی 22 ملین میں سے دو تہائی کی عمر تیس سال سے کم کی ہے۔ اس امر کے پیش نظر پرنس محمد بن سلمان کوشش کر رہے ہیں کہ وہ ملک کے اندر فارن انوسٹ منٹ لائیں تا ملک کی فنانشل پوٹینشل میں قابل قدر اضافہ ہو۔ محمد بن سلمان 2017 میں کراؤن پرنس بنائے گئے تھے جب سے ان کی کوشش رہی ہے کہ دنیا کو باور کرائیں کہ ان کا ملک معاشرتی طور پر تبدیل ہو رہا ہے۔ پچھلے ڈیڑھ سال میں اس ضمن میں جو اقدامات کئے گئے ہیں ان میں مووی تھیٹرز کا کھلنا ہے، عورتوں کو ڈرائیونگ کی اجازت مل گئی ہے، عورتوں اور مردوں کو ملنے جلنے میں آسانی، خواتین کو ریستوران میں الگ دروازے سے داخل ہونا ضروری نہیں ہو گا اور وہ اپنے مردوں کے ساتھ بیٹھ سکیں گی، عورتوں کو سفر کیلئے مرد کی اجازت ضروری نہیں، عورتوں کو کھیلوں کے سٹڈیم میں جانے کی اجازت ہے۔ اس سال اکتوبر کے مہینے میں ریاض فیشن ویک منایا گیا جس میں ہپ ہاپ میوزک پر نوجوانوں کو ڈانس کرتے دیکھا گیا تھا۔

سعودی عرب اس وقت مشرق وسطیٰ میں سب سے بڑی اکانومی اور خلیج کے ممالک میں سب سے زیادہ آبادی والا ملک ہے۔ سعودی عرب اس ضمن میں قطر اور متحدہ عرب امارات کے نقش قدم پر چل رہا ہے جنہوں نے انٹرنیشنل سپورٹس کے میدان میں بلین در بلین ڈالر خرچ کئے ہیں۔ یوں یہ ایک ٹرینڈ بن گیا ہے کہ خلیج کے ممالک کی بادشاہتیں

پیٹرو ڈالر بے دریغ خرچ کر کے سپر سٹارز اور گلوبل سپورٹس کے مقابلے اپنے یہاں منعقد کروا رہے ہیں۔ اس ضمن میں فٹ بال (جس کو امریکہ میں soccer کہا جاتا ہے) کے مقابلے قابل ذکر ہیں کیونکہ 2022 کا وارلڈ کپ قطر میں منعقد ہو گا۔ ورلڈ کپ کا انفراسٹرکچر بنانے کیلئے قطر $200 بلین ڈالر خرچ کرنے جا رہا ہے۔ ابو ذہبی فارمولا وان ٹریک بنانے کیلئے یاس YAS جزیرے پر $40 ملین ڈالر خرچ کر رہا ہے۔ ابو ذہبی نے مانچسٹر سٹی فٹ بال ٹیم کو خرید لیا ہے جبکہ دوہا نے پیرس سینٹ جرمین فٹ بال کلب میں حیران کن انوسٹ منٹ کی ہے۔ اس خرید و فروخت کا اثر موٹر سپورٹس، ٹینس، گولف اور باکسنگ پر بھی ہو رہا ہے۔ سعودی عرب قدی یا Qiddiya سپورٹس اینڈ انٹرٹین منٹ پراجیکٹ پر بلین سے زیادہ ڈالر خرچ کرنے جا رہا ہے جس میں موٹر سپورٹس کمپلیکس اور اولمپک سٹائیل شہر ریاض کے قریب تعمیر کیا جائیگا۔

سعودی گیمز 2022

مارچ 2022 میں ریاض شہر میں چھ ہزار مرد اور خواتین ایتھلیٹ 45 گیمز کے مقابلوں میں حصہ لیں گے۔ اس کی پرائز منی ایک لاکھ سعودی ریال ہے۔ اس کی افتتاحی تقریب کنگ فھد انٹرنیشنل سٹڈیم میں منعقد ہو گی۔ ان میں سے چند ایک کھیل درج ذیل ہیں: والی بال، باکسنگ، تیراکی، باسکٹ بال، بیڈ منٹن، شوٹنگ، سکاش، ٹینس، ویٹ لفٹنگ، فٹ بال، جمناسٹکس، ٹیبل ٹینس، گولف، کشتی رانی۔ یہ گیمز Vision 2030 کا حصہ ہیں۔

()()()

(5) عالمی کھیلوں میں حجابی کھلاڑیوں کا مستقبل

کیا مسلمان عورتوں کو حجاب پہن کر عالمی کھیلوں میں شمولیت کی اجازت ہونی چاہئے؟

بعض ایک اسلامی ممالک میں عورتوں کو کھیلوں کے مقابلے میں شامل ہونے کی اجازت نہیں ملتی جب تک انہوں نے اسلامی لباس زیب تن نہ کیا ہو۔ اور بعض ایک اسلامی ممالک ایسے بھی ہیں جہاں اسلامی لباس پہننے پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ کیا حجابی عورتوں کو کھیلوں میں حصہ لینے میں کوئی ممانعت ہے یا ان پر کوئی پابندی لاگو ہوتی ہے۔؟

نیو جرسی میں پیدا ہونے والی امریکن خاتون ابتہاج محمد Ibtihaj Muhammad پہلی مسلمان حجابی کھلاڑی تھی جس نے 2016 میں ریو ڈی جنیرو (برازیل) میں منعقد ہونے والے اولمپکس میں فینسنگ کے کھیل میں برونز میڈل جیتا تھا۔ مسلمان عورتوں کے لئے اسلامی لباس کبھی بھی رکاوٹ نہیں رہا۔ چنانچہ جدید دور میں مسلمان عورتوں نے والی بال، ٹینس، فٹ بال، باسکٹ بال اور فینسنگ کے کھیلوں میں اپنے جوہر دکھا کر اپنا لوہا منوایا ہے۔ 2016 کے اولمپکس میں 14 مسلمان عورتوں نے میڈل جیتے تھے۔ تاہم یہ کہنے کوئی مذائقہ نہیں کہ دوسری عورتوں کے مقابلے میں مسلمان عورتوں کی شمولیت کھیلوں کے میدان چاہے وہ سکول میں ہوں، اماچوئیر کھیلیں ہوں، یا بین الاقوامی کھیلیں ان کی تعداد قلیل ہے۔

لندن کی برونیل Brunel یونیورسٹی برطانیہ کی پہلی یونیورسٹی ہے جس نے فروری 2019 میں نیلے رنگ کے سپورٹس حجاب کی نمائش کی تھی تاکہ زیادہ سے زیادہ حجابی مسلمان عورتیں کھیلوں میں حصہ لے سکیں۔ ادھر نائیکی NIKE نے کہا ہے کہ وہ مسلمان کھلاڑیوں کیلئے "نائیکی پرو حجاب" بنایا ہے۔ یہ Pull On حجاب گاڑھے رنگوں اور نیوٹرل کلرز میں ہوگا جس میں باریک سوراخ ہوں گے تاکہ کپڑے میں ہوا کا گزر ہو سکے۔ یہ حجاب متحدہ عرب امارات کی ویٹ لفٹر آمنہ الحداد کی ہدایات پر بنایا گیا ہے جو مختلف کھیلوں میں ایتھلیٹ استعمال کر سکیں گی۔ ابتہاج محمد نے نائیکی پرو حجاب کو بہت پسند کیا ہے۔ بچوں کے کھلونے بنانیوالی امریکن ملٹی نیشنل کمپنی Mattel نے اس رجحان سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حجاب پہنے باربی ڈال کو متعارف کرایا تھا جو ابتہاج محمد کے ماڈل پر بنائی گئی تھی۔

فٹ بال

ڈاکٹر ہاجر عبد الفضل کا تعلق اس افغانی نسل سے ہے جنہوں نے 2001 میں طالبان کے زوال کے بعد فٹ بال کھیلنا شروع کیا۔ وہ افغانستان کی نیشنل ٹیم کی دس سال تک کھلاڑی رہ چکی ہے۔ اس نے متعدد ریجنل اور بین الاقوامی میچوں میں حصہ لیا تھا۔ اس وقت وہ افغانستان نیشنل ویمن فٹ بال ٹیم Under 17 کی کوچ ہے۔ ہیرات (افغانستان) میں طالبان کے ہاتھوں موت

کی گھاٹ اتارے جانیوالے ایک جرنیل کی بیٹی نادیہ ندیم (پیدائش 1988) جو ڈنمارک 2000 کو دس سال کی عمر میں ریفیوجی بن کر آئی تھی اور ریفیوجی کیمپ کے پاس فٹبال کے میدان میں فٹ بال کھیلا کرتی تھی وہ اس وقت ڈنمارک کی بہترین کھلاڑی قرار دی جا چکی ہے۔ اکتیس سالہ نادیہ مانچسٹر سٹی کی ٹیم میں کھیلا کرتی تھی اور حال ہی میں اس نے Paris Saint-Germain ٹیم کی ساتھ معاہدہ کیا ہے۔ غیر حجابی نادیہ ندیم نے 2017 میں ہونے والے یورپین چیمپئن شپس میں ڈنمارک کے لئے کھیلا اور پہلا گول کیا تھا۔ جب اس کے فٹ بال کھیلنے کا دور ختم ہو جائیگا تو اس کا ارادہ سرجن بننے کا ہے جس کیلئے اس نے پڑھائی شروع کر دی ہے۔

فٹبال کے میدان میں آذربائیجان میں 2012 میں,FIFA U-17 Women's World Cup مقابلے منعقد ہوئے تھے۔ یہی مقابلے 2016 میں اردن میں منعقد ہوئے تھے۔ مغربی یورپ میں کئی ایک مسلمان عورتیں یوروپین فٹ بال ایسوسی ایشن UEFA ٹیموں کی کھلاڑی رہ چکی ہیں جیسے فاطمیر علوشی Fatmire Alushi نے چین میں 2007 میں منعقد ہونے والے فیفا FIFA وومن ورلڈ کپ میں جرمنی کی طرف سے میچ کھیلا تھا۔ اولمپکس گیمز 2008 میں جرمن ٹیم نے برونز میڈل جیتا تھا جس میں وہ شامل تھی۔ 2010 میں اس کو ورلڈز بیسٹ پلئیر قرار دیا گیا تھا۔ اسی طرح فرانس کی کھلاڑی Jessica Houara-d'Hommeaux بھی فرنچ نیشنل ٹیم میں شامل ہے۔ اس وقت وہ فرنچ کلب Olympique Lyon کے لئے بغیر حجاب کے فٹ بال کھیلتی ہے۔

باسکٹ بال

باسکٹ بال کی انٹرنیشنل گورننگ باڈی FIBA حجاب پہن کر عورتوں کے مقابلوں میں حصہ لینے کے سخت خلاف ہے۔ ان کے قاعدے کے مطابق سر پر رکھا کپڑا اپانچ انچ سے زیادہ نہیں ہونا چاہئے اس لئے متعدد حجابی عورتیں باسکٹ بال میں حصہ نہیں لے سکتیں۔ اس قانون کے خلاف امریکہ کی نیشنل کالجیٹ ایتھلیٹک ایسوسی ایشن NCAA کے متعدد مسلمان کھلاڑی صدائے احتجاج بلند کر چکے ہیں جن میں اندرا کالجو، بلقیس عبد القادر، رئیسہ اربتول، نوحا برہان، عاصمہ الباضاوی، رابعہ پاشا کے نام قابل ذکر ہیں۔ بلقیس عبد القادر (پیدائش 1990) نے آنرز سٹوڈنٹ کے طور پر ہائی سکول کے زمانہ میں 3000 پوائنٹ سکور کر کے تمام ریکارڈ توڑے تھے۔ بلقیس اور اندرا کالجو دونوں حجاب پہننے کی وجہ سے پروفیشنل باسکٹ بال پلئیر نہ بن سکی تھیں۔

سعودی عرب کی ویمن باسکٹ بال ٹیم نے 14-21 مارچ 2019 میں ابو ظہبی میں ہونے والے سپیشل اولمپکس ورلڈ گیمز میں گولڈ میڈل جیت کر تاریخ رقم کی ہے۔ سعودی عرب نے اس سے قبل کبھی بھی ان کھیلوں میں حصہ نہیں لیا تھا۔ اکیس کھلاڑیوں پر مشتمل عورتوں نے اس کے علاوہ مختلف کھیلوں ٹریک اینڈ فیلڈ، باؤلنگ اور باچی میں حصہ لیا تھا۔ Bocce ٹیم نے

سلور میڈل جیتا اور متعدد کھلاڑیوں کو انفرادی میڈل دیئے گئے۔ پانچ کھلاڑیوں کو ڈاؤن سنڈروم کا مرض لاحق ہے۔ ہندوستان سے 129 خاتون کھلاڑیوں نے شرکت کی تھی۔ ابو ظہبی میں پیدا ہونے والی امریکن والدین کی بیٹی Rebecca Hatcher نے سومنگ کے تین مقابلوں میں حصہ لیا تھا۔

ویٹ لفٹنگ، فگر سکیٹنگ

امریکہ کی ویٹ لفٹنگ فیڈریشن کا ڈریس کوڈ بھی کچھ اس طرح کا ہے کہ حجاب پہننے والی مسلمان خواتین اس میں حصہ نہیں لے سکتیں۔ اس کے مطابق کھلاڑی لمبے بازو
اور لانگ باٹم والا لباس مقابلے کے لئے نہیں پہن سکتیں۔ پاکستان کی ویٹ لفٹر کلثوم عبد اللہ کو کہا گیا تھا کہ جب تک اس نے ویٹ لفٹنگ کا خاص لباس Singlet زیب تن نہ کیا ہو
وہ مقابلے میں حصہ نہیں لے سکتی۔ کلثوم کا کہنا ہے کہ فیڈریشن نے سوچا ہی نہیں کہ اس کھیل میں حجاب پہننے والی خواتین بھی حصہ لیں گی۔ میرے خیال میں ان کو حجاب سے خوف پیدا ہوتا ہے کہ یہ دنیا پر چھا جائیگا۔ پیرس میں 2011 میں ہونے والے ورلڈ ویٹ لفٹنگ چیمپئن شپ میں وہ پہلی حجابی تھی جس نے پاکستان کی نمائندگی تھی۔ کلثوم نے جارجیا انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی سے کمپیوٹر انجنیئرنگ میں ڈاکٹریٹ کیا ہوا ہے۔ متحدہ عرب امارات کی آمنہ الحداد نے اردن میں ہونیوالے ویٹ لفٹنگ میں ایشین انٹر کلب چمپئین شپ کے مقابلوں میں 6 گولڈ میڈل جیتے تھے۔ ویٹ لفٹر سارہ احمد کا تعلق مصر سے ہے وہ پہلی حجابی ہے جس نے اولمپکس میڈل جیتا تھا۔ بلکہ مصر کی پہلی عورت جس نے میڈل جیتا تھا۔ یوتھ اولمپکس گیمز 2014 میں اس نے 63 kg کلاس میں اول پوزیشن حاصل کی تھی۔

متحدہ عرب امارات UAE پہلا عرب ملک ہے جو انٹرنیشنل سکیٹنگ یونین کا ممبر بنا ہے۔ اس کی بڑی وجہ زہرہ لاری ہے جس نے انٹرنیشنل فگر سکیٹنگ میں ہیڈ سکارف پہن کر حصہ لیا تھا۔ زہرہ نے سکیٹنگ ڈزنی مووی Ice Princess سے مرعوب ہو کر شروع کی تھی۔ ایران کی شیریں جیرامی پہلی حجابی ایتھلیٹ ہے جس نے ٹرائی ایتھلیٹ Triathelete (یعنی سائیکلنگ، سومنگ اور رننگ) کے مقابلوں میں حصہ لیا۔ روزمرہ زندگی میں وہ حجاب نہیں پہنتی مگر مقابلے کیلئے اس کو حجاب پہننا پڑا، جس کیلئے اس کو ایرانی گورنمنٹ سے اجازت لینی پڑی تھی۔

باکسنگ

جرمن باکسنگ چمپئین زینا نصر Zeina Nassar نے ملک کے اندر تو باکسنگ رولز تبدیل کروالئے ہیں اور اب جدوجہد کر رہی ہے کہ بین الاقوامی سطح پر قوانین کو تبدیل کر دیا جائے۔ وہ کہتی ہے کہ میرا سپنا یہ ہے انٹرنیشنل باکسنگ رولز اس طرح

تبدیل کر دیئے جائیں کہ ہر بیک گراؤنڈ کی خواتین اس میں حصہ لے سکیں۔ معاشرے میں تبدیلی لانے کے لئے انسان کو لڑنا تو پڑتا ہی ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ میری شکل وصورت اور میرے حجاب کی وجہ سے مجھے پہچانا جائے۔ میرا مذہب کیا ہے اس کو مت دیکھو، میرے کھیل کو دیکھو۔

منی سوٹا (امریکہ) کی باکسر Amaiya Zafar امایہ ظفر کو Sugar Bert Boxing نیشنل چمپئین شپ نومبر 2016 کے لئے ڈسکوالی فائی قرار دیا گیا تھا کیونکہ وہ حجاب پہنتی ہے اور اس نے سیفٹی رولز کی خلاف ورزی کی تھی۔ اگرچہ یہ پابندی ایک سال بعد 2017 میں امریکہ میں تو ختم کر دی گئی مگر عالمی طور پر اولمپکس میں ابھی تک نافذ ہے۔ نیو ساؤتھ ویلز کی رے این علام الدین نے حجاب پہن کر اچوئیر باکسنگ کے مقابلے میں حصہ لیا تھا۔

بنگلہ دیش کے شہر کاکس بازار میں مقیم روہنگیا مسلمان ریفیوجی محمد سلیم اپنی بیٹی نسیمہ اختر کو Taekwondo کی تربیت دے رہا ہے۔ یہاں آنے سے قبل سلیم اس کھیل کا چیمپئین تھا۔ وہ کہتا ہے کہ ہماری سوسائٹی کنزرویٹو ہے اور عورتوں کو پورے لباس میں دیکھنا چاہتے ۔ ٹے کوان ڈو میں عورتوں نے پورا لباس پہنا ہوتا اسلئے لوگ اعتراض نہیں کرتے ہیں۔ مصر کی ہدایہ ملک Taekwondo کی شاندار کھلاڑی ہے جس کا شمار 2016 کے ریوڈی جنیرو کے اولمپکس کے پانچ اعلیٰ کھلاڑیوں میں شمار ہوتا تھا۔ اس نے برونز میڈل لے کر قوم کا دل جیت لیا تھا۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ مصر کی کسی عورت نے اس کھیل میں میڈل جیتا تھا۔

ٹینس اور والی بال

ہندوستان کی ٹینس پلئیر ثانیہ مرزا (اہلیہ شعیب ملک) 40 کیریئر ٹائیٹلز جیت چکی ہے اور 2015 میں اس نے #1 doubles ranking حاصل کی تھی۔ ہندوستانی علماء کرام نے اس کو ٹینس کا لباس پہننے پر کڑی تنقید کا نشانہ بنایا تھا۔ ٹینس کے میدان میں ایک اور نامور نام ایرانی فرنچ خاتون آراوین رضائی Aravane Reza-EF کا ہے جس نے اب تک چار WTA ٹائیٹلز جیتے ہیں۔ ترکی اور آذربائیجان کی والی بال کی ٹیموں نے "والی بال ویمن کلب ورلڈ چیمپئین شپ FIVB –پانچ بار جیتی ہے۔ الجیریا کی عورتوں کی والی بال ٹیم نے آل افریقن گیمز میں گولڈ میڈل جیتا تھا۔ 2016 کی اولمپکس گیمز میں مصر کی دعا الغاباشی نے بیچ والی بال، پتلون، لمبے بازو کی قمیض اور ہیڈ سکارف پہن کر کھیلا تھا۔

برطانیہ کی ایک تنظیم Sporting Equals Organization کے مطابق محض 26.1٪ ایشین عورتیں ہفتے میں ایک بار سپورٹس میں حصہ لیتی ہیں جبکہ 31.4٪ برطانوی خواتین سپورٹس میں حصہ لیتی ہیں۔ ایک اور تنظیم Sports England کی طرف سے کی جانیوالی ایک سٹڈی میں 18٪ برطانوی مسلمان خواتین ریگولر سپورٹس میں شرکت کرتی ہیں جبکہ اس کے مقابلے میں 30٪ برطانوی خواتین کھیلیں کھیلتی ہیں۔

فرانس کی تنظیم انٹرنیشنل لیگ فار ویمن رائیٹس نے اس بات پر خدشات کا اظہار کیا ہے کہ 2024 میں ہونیوالے پیرس اولمپکس میں مسلمان عورتیں حجاب پہن کر حصہ لیں گی۔ اس تنظیم کا کہنا ہے کہ 2024 میں ہونے والے اولمپکس میں ہیڈ سکارف پر مکمل پابندی لگا دی جائے تا عورتیں کسی قسم کی مذہبی پابندی کے بغیر شرکت کر سکیں۔ بعض اسلامی ممالک اپنی عورتوں کو اولمپکس میں حصہ لینے پر ممانعت عائد کر رہے ہیں جب تک انہوں نے اسلامی لباس نہ پہنا ہو۔

حجابی کھلاڑیوں کا مستقبل

کھیلوں میں حجاب پر پابندی لگانے سے مسلمان کھلاڑیوں کی شرکت عالمی کھیلوں میں بہت کم ہو جائیگی۔ فلاحی ادارے جیسے مسلم ویمن سپورٹس فاؤنڈیشن دن رات کوشاں ہیں کہ سپورٹس میں مزید سے مزید عورتیں حصہ لیں۔ ان کا مدعا یہ ہے کہ مسلمان لڑکیاں اور عورتیں اپنی کلچرل اور مذہبی اقدار کو قربان کئے بغیر کھیلوں میں آزادانہ طور پر حصہ لیں۔ ادارے کی ٹرسٹی مس عابا قریشی کا کہنا ہے کہ ہم عورتوں کو سپورٹس انڈسٹری سے متعارف کرانا چاہتے تا ان کو مساوی مواقع مہیا ہوں۔ لڑکیوں کو کھیلوں میں حصہ لینے کے لئے ہمت نہیں دلائی جاتی اور کہا جاتا کہ یہ لڑکوں کے لئے ہیں۔ اور نہ والدین بچوں کو کہتے کہ وہ سکول میں کھیلوں کے میدان سبقت لے جانے کی کوشش کریں۔ سکولوں کو چاہئے کہ لڑکیوں کو سپورٹس میں آنے پر حوصلہ افزائی کریں، ان کیلئے دوسرے سکولوں کے ساتھ ٹورنامنٹ منعقد کریں، نیز والدین کو بھی چاہئے کہ وہ بیٹیوں کی حوصلہ افزائی کریں۔

مسلمان عورتوں کے لئے الگ جمز GYMS اور مقابلے کروانے کا رجحان بھی ترقی پذیر ہے۔ آئر لینڈ میں 2014 میں مسلمان عورتوں کی Diverse City FC فٹ بال ٹیم بنائی گئی تھی۔ 1993 میں فائزہ ہاشمی نے اسلامک ویمن گیمز کی بنیاد رکھی تھی۔ جس میں تمام ایتھلیٹ، کوچز، تماشائی عورتیں ہوتی ہیں۔

ادھر مارچ 2019 میں ہونے والی سعودی عرب میں اونٹوں کی دوڑ میں ایک ایسے اونٹ نے حصہ لیا جس کی مالک ایک عورت پرنسیس جمیلہ بنت عبدالمجید ہے۔ اونٹوں کی دوڑ کا فائنل جس روز ہوا اس وقت بادشاہ سلمان بھی وہاں موجود تھے۔ یہ پہلا موقعہ ہے کہ کسی سعودی عورت نے اس دوڑ میں حصہ لیا ہے۔ بہر حال وہ عورتیں جو حجاب پہن کر کھیل میں حصہ لیتی ہیں اور ایسی عورتیں جو حجاب کے بغیر کھیل کھیلتی ہیں ان کے ایمان و اعتقاد میں کوئی فرق نہیں ہے۔ کوئی ایک دوسرے سے بہتر یا اچھی مسلمان نہیں ہے۔ چاہے کوئی حجاب پہن کر کھیلے یا اس کے بغیر دونوں کی حوصلہ افزائی کی جانی چاہئے۔ sportswomanship کی سپرٹ ہم سے یہی مطالبہ کرتی ہے۔

()()()

(6)امریکی صدر ابراھام لنکن

اور صدر جوزف بائیڈن کا مشکلات بھرا سفر

امریکہ کے 16 ویں صدر ابراھام لنکن(1809-65) اور 46ویں صدر میں بعض مماثلتیں پائی جاتی ہیں۔ ابراھام لنکن کو زندگی میں جن صدموں، ناکامیوں اور تلخیوں سے دوچار ہونا پڑا اس کی مختصر روداد یہاں پیش کی جاتی ہے۔ ابراھام لنکن کی پیدائش غریب والدین کے یہاں لاگ کیبن Log Cabin میں ہوئی تھی۔ مٹی کے فرش والی یہ لاگ کیبن کنٹکی ریاست کے شہر Hodgenville میں ہائی وے سے قریب واقع ہے۔اس کتاب کے مصنف نے اس کو آج سے دس سال قبل دیکھا تھا جہاں ایک سینٹری ہر وقت ڈیوٹی پر موجود ہوتا ہے۔ لنکن جب صرف نو سال کا تھا تو اس کی والدہ نینسی راہی ملک عدم ہو گئی۔ جب وہ انیس سال کا تھا تو اس کی بہن سارہ بچے کی ولادت کے دوران فوت ہو گئی۔ والدہ کی وفات کے بعد سارہ نے گھر سنبھالا ہوا تھا۔ ابراھام نے خود کتابیں پڑھ کر تعلیم حاصل کی اور وکیل بن گیا۔1862 میں اس کی شادی میری ٹاڈ Mary Todd سے ہوئی۔ ابراھام لنکن ایک شفیق اور مہربان خاوند تھا۔شادی کے موقعہ پر جو انگوٹھی بیوی کو دی اس پر لکھا ہوا تھا Love is Eternal :

لنکن کے یہاں چار بیٹے پیدا ہوئے۔ پہلا بیٹا رابرٹ لنکن تھا جس کی پیدائش 1863 میں ہوئی اور 82 سال کی عمر میں 1926 میں وفات پائی۔ ایڈورڈ کی پیدائش 1846 میں ہوئی اور چار سال کی عمر 1850 میں وفات پا گیا۔ ولی لنکن Willie Lincoln کی پیدائش دسمبر 1850 میں ہوئی اور فروری 1862 کو وائٹ ہاؤس میں وفات پا گیا۔ سب سے چھوٹے بیٹے ٹامس کی پیدائش 1853 میں ہوئی اور اٹھارہ سال کی عمر میں جولائی 1871 میں وفات پا گیا۔

مارچ 1832 میں ہوئی ابراھام نے پہلا الیکشن لڑا تو شکست سے دوچار ہوا۔1834 میں وہ الیکشن جیت گیا اور چار دفعہ ایلی نائیس ریاستی اسمبلی کر ممبر رہا۔1843 میں اس نے کانگریس کے لئے الیکشن لڑا مگر شکست کا سامنا کرنا پڑا۔1846 میں اس نے الیکشن جیت لیا اور 1847-49 کانگریس کا ممبر رہا۔1860 میں اس نے صدر امریکہ کے الیکشن میں حصہ لیا اور کامیاب رہا۔ چار سال بعد وہ دوبارہ صدر منتخب ہوا مگر اس کے بعد صرف ایک سال زندہ رہا۔ سیاہ فاموں کی غلامی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے پر اس کو کسی سفاک نے 14 اپریل 1865 میں گولی کا نشانہ بنا دیا جب وہ اپنی بیگم کے ساتھ فورڈ تھیٹر واشنگٹن میں ڈراما دیکھ رہا تھا۔ راقم نے آج سے بیس سال قبل فورڈ تھیٹر کو وزٹ کیا تھا۔ جس کے سامنے وہ گھر ہے جہاں لنکن کو زخمی حالت میں لایا گیا تھا۔ تھیٹر کے اندر وہ گن رکھی ہوئی ہے جس سے قاتل نے حملہ کیا

تھا۔ اسی طرح دیوار پر لنکن کی تصویر کندہ ہے جس کے ساتھ کھڑے ہو کر انسان اپنا قد ناپ سکتا ہے۔ خون آلود کپڑے بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔

لنکن کو سپرنگ فیلڈ (ریاست ایلی نائس) کی اوک رج سیمٹری Oak Ridge Cemetry میں سپرد خاک کیا گیا تھا۔ مگر تدفین کے گیارہ سال بعد 1876 میں لاشیں چوری کرنے والا گروہ قبر کے اندر جا کر تابوت جب باہر نکال رہا تھا کہ وہ پکڑے گئے۔ اس دور میں body snatching کے خلاف کوئی قانون نہیں تھا۔ 1901 میں لنکن اور اس کی رفیق حیات کے جسم کی باقیات کو سنگ مرمر کے مزار میں کنکریٹ کا حصار بنا کر دفنایا گیا۔ لیکن ان کے بیٹے رابرٹ لنکن کے خیال میں اس کے والدین کی باقیات ابھی بھی محفوظ نہیں تھیں۔ اس لئے زمین کے اندر تیرہ فٹ گڑھا کھودا گیا اور ان کے جسم کو چھ فٹ کنکریٹ کے لحد میں دفنایا گیا۔ اس کی موت ایک عہد کی موت تھی۔ سیاہ فام لوگوں کیلئے وہ نجات دہندہ تھا جس نے ان کو غلامی کی زنجیروں سے آزاد کیا تھا۔

جوزف بائیڈن Joseph Biden

جب بائیڈن (تاریخ ولادت 1942) زندگی کے 29 زینوں پر قدم رکھ چکا تو اس وقت وہ امریکہ کی سینیٹ میں کم عمر ترین سینیٹر ڈیلاوئیر ریاست سے نومبر 1972 میں منتخب ہوا تھا۔ اس سال ہی امریکی صدر نکسن نے دوسری بار الیکشن جیتا تھا۔ یہ الیکشن بائیڈن نے صرف تین ہزار ووٹ سے جیتا تھا۔ اس کے ایک ماہ بعد دسمبر 1972 میں بائیڈن اپنی بہن ویلری Valerie کے ساتھ واشنگٹن گیا تا اپنے دفتر کے ملازمین کا انتخاب کر سکے۔ اس دوران اس کی بیوی اور تین بچے (ناعومی عمر ایک سال، بو عمر چار سال اور ہنٹر عمر دو سال) گھر پر رہے۔ 18 دسمبر 1972 کو اس کی بیوی نیلیا Neilia اپنے بچوں کے ساتھ گھر سے ایک میل دور کرسمس شاپنگ کے لئے جا رہی تھی کہ ایک ٹریکٹر ٹریلر نے اس کی کار کو پیچھے سے ٹکر ماردی۔ نیلیا اور ناعومی Naomi اس حادثے میں موت کا شکار ہو گئیں جب کہ دو بیٹوں کو ہسپتال میں داخل کرایا گیا جو شدید زخمی ہوئے تھے۔ بائیڈن اور اس کی بہن فوراً اطلاع ملتے ہی ڈلاوئیر واپس آ گئے۔ اس اندوہ ناک حادثے کے بعد بائیڈن کے دل میں خودکشی کا خیال آیا تھا۔ بطور سینیٹر کے اس نے حلف ہسپتال میں بچوں کے بیڈ کے پاس اٹھایا تھا۔

زندگی کے اس ناگہانی موڑ پر سینیٹر بائیڈن نے سوچنا شروع کیا کہ آیا اس کو سینیٹر کے عہدے سے استعفیٰ دے دینا چاہئے کیونکہ وطن عزیز ایک اور سینیٹر تو حاصل کر لے گا مگر اس کے دو چھوٹے راج دلارے آنکھوں کے تارے، لخت جگر، ننے منے بچوں کو باپ کی ضرورت تھی۔ امریکی سینیٹ میں اس کے دونوں پارٹیوں ڈیموکریٹ اور ری پبلکن ممبران اس کو مشورہ دیا کہ وہ کچھ ماہ کے بعد فیصلہ کرے۔ ری پبلکن پارٹی کے ممبران نے اس کو تسلی دی کہ اگر وہ کسی وقت سینیٹ

سے غیر حاضر ہؤا تو وہ ووٹنگ نہیں کریں گے اگر کسی ایمر جنسی میں اس کو بچوں کے پاس گھر واپس جانا پڑا جو مہلک حادثے کے اثرات سے بری طرح متاثر تھے۔ اس لئے بائیڈن سینیٹ میں دونوں پارٹیوں کے سینیٹرز کا ہمیشہ ممنون احسان رہا۔

بائیڈن ایک باعمل خدا پرست، نیک اور پارسا کیتھولک ہے جو اکثر جیب میں رکھی تسبیح پر ورد کرتا رہتا ہے۔ اس نے زندگی بھر کبھی بھی شراب کو منہ نہیں لگایا۔ ایک بار اس نے شراب Gin گلاس میں انڈیل کر کچن کاؤنٹر پر رکھ دی مگر اتنی ہمت نہیں ہوئی کہ اس کو لبوں تک لے جائے۔ حادثے کے بعد بائیڈن اکثر اس معمے کو سلجھانے کی کوشش کرتا رہا کہ آخر کار اس نے کون سا گناہ کیا ہے کہ جس کی اس کو سزا ملی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ سینیٹ کا اجلاس جاری ہوتا تھا تو وہ ہر شام کو ٹرین Amtrack لے کر واشنگٹن سے ڈلاویئر بچوں کی نگہداشت کے لئے آجاتا تھا۔ اس آنے جانے میں اس کو تین گھنٹے لگ جاتے تھے۔ اس سفر کے دوران مسافر اس سے قدر مانوس ہو گئے تھے کہ وہ اس کی پہچان Amtrack Biden کے نام سے کرنے لگ گئے تھے۔ بعض اوقات وہ اس قدر مایوس ہو جاتا کہ ڈپریشن کی حالت میں اس کا جی کرتا کہ وہ چلتی ٹرین سے کود جائے۔ مگر پھر یک لخت اس کو بچوں کا خیال آجاتا جو گھر پر اس کے انتظار کر رہے ہوتے تھے۔ ٹرین کا یہ سفر اس کی زندگی کا حصہ بن گیا حتکہ 1988 میں جب اس نے پہلی بار صدر امریکہ کا الیکشن لڑنے کا اعلان کیا تو یہ اعلان اس نے ٹرین سٹیشن سے کیا تھا۔

خوش قسمتی سے اس کی ملاقات انگلش ٹیچر جل سٹیون سن Jill Stevenson سے ہو گئی اور جلد ہی 1977 میں ان کی شادی ہو گئی۔ جل بائیڈن ابھی تک نارتھرن ورجینیا کمیونٹی کالج میں انگلش کی ٹیچر ہے اور جب جوزف بائیڈن جنوری 2121 میں صدر امریکہ کا حلف اٹھائیگا تو بھی اس کا ارادہ ہے کہ وہ ٹیچنگ کرتی رہے گی۔ جب اس کا شوہر باراک اوبامہ کا وائس پریزیڈنٹ تھا تو اس وقت بھی سکرٹ سروس اس کی حفاظت پر معمور تھی۔ ڈاکٹر جل بائیڈن چار ڈگریوں اور ایک ڈاکٹریٹ کی حامل ہے جو اس نے خود اپنی محنت لیاقت اور استعداد سے حاصل کی تھیں۔

جوزف بائیڈن کو اپنے بیٹے بو بائیڈن Beau Biden پر فخر حاصل تھا جو امریکی ریاست ڈیلاویئر کا اٹارنی جنرل منتخب ہؤا تھا۔ جب وہ اٹارنی جنرل تھا تو اس نے ایک سال امریکی فوج کے ساتھ ایک سال عراق میں جنگ کے دوران گزارا تھا۔ جرات اور دلیری کی بناء پر اس کو برونز میڈل سے نوازا گیا تھا۔ عراق سے واپس آنے کے بعد بھی اٹارنی جنرل رہا اور اس کا ارادہ تھا کہ ڈلاویئر ریاست کے گورنر کا الیکشن لڑے۔

جو بائیڈن نے یہ بات صاف کر دی تھی کہ سیاست میں خود راستہ بنائے گا جس کے لئے اس کو اپنے والد کے معروف نام، شہرت اور مدد کی ضرورت نہیں ہو گی۔ مگر قسمت میں کچھ اور ہی لکھا تھا۔ اس کو برین کینسر ہو گیا۔ کچھ مہینے تو

یوں لگتا تھا کہ کینسر ری میشن میں چلا گیا ہے مگر واپس آ گیا اور 30 مئی 2015 کو داعی اجل کو لبیک کہہ گیا۔ بیٹے نے باپ سے جو آخری بات کہی وہ یہ تھی:

He looked into my eyes and kept saying, "Promise me Dad that you will be OK"

جو بائیڈن چاہتا تھا کہ اس کا باپ صدر کا الیکشن لڑے۔ بیٹے کی وفات کے بعد جوزف بائیڈن نفسیاتی طور پر چکنا چور ہو گیا تھا۔ ادھر ہلری کلنٹن صدر کے الیکشن کے امیدوار کے طور پر میدان میں اتر آئی۔ جب 2016 میں ٹرمپ جیت گیا تو بائیڈن اپنی اہلیہ کے ساتھ ڈلاوئر Delaware اپنے گھر واپس لوٹ آیا۔

بائیڈن نے ڈیموکریٹک پارٹی کے صدارتی امیدوار کی نامزدگی کے لئے دو دفعہ ((1988 & 2008 کوشش کی مگر دونوں دفعہ ناکام رہا۔

اور پھر کیا ہؤا کہ شارلٹس وِل (ورجینیا) میں فسادات ہوئے جس میں سفید فام نیو نازیز supermacists نے احتجاج کرنے والوں پر حملہ کر دیا جو چاہتے تھے کہ کنفڈریٹ جنرل رابرٹ لی Lee کا مجسمہ گرا دیا جائے۔ جب ایک سفید فام تشدد پسند نے لوگوں کے ہجوم پر کار دوڑا دی تو 12 اگست 2017 کو ایک 32 سالہ لڑکی اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھی اور 19 زخمی ہو گئے۔ بائیڈن کو اس اندوہ ناک واقعہ سے سخت رنج ہؤا۔ ملال اور رنجیدگی کی بات یہ نہیں تھی کہ سفید فام تشدد پسند ایسے نعرے لگا رہے تھے کہ Jews will not replace us بلکہ اس ہیبت ناک واقعہ پر ڈانلڈ ٹرمپ کا قابل مذمت رد عمل تھا جب اس نے ٹیلی ویژن پر کہا تھا there are fine people on both sides ۔ بائیڈن نے صدر امریکہ کا یہ رد عمل دیکھا تو عین اس وقت، اسی لمحہ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ 2020 میں ہونے والی صدراتی الیکشن میں ڈیموکریٹک پارٹی کے امیدوار کے طور پر مقابلہ کرے گا۔ اس امید پر کہ وہ نہ صرف اپنے مرحوم بیٹے کی خواہش کو پورا کر سکے گا بلکہ امریکی عوام کو قریب لانے اور ان کو متحد کرنے کی تن من دھن سے پوری کوشش کرے گا۔ مسٹر ٹرمپ شاید اب سوچتا ہو گا کہ کاش اس نے یہ الفاظ نہ کہے ہوتے جو بائیڈن کو اس کے مقابل پر لے آئے اور اس کی شکست فاش پر منتج ہوئے۔

یاد رہے کہ words have consequences۔ منہ سے نکلے الفاظ کے نتائج گھمبیر ہو سکتے ہیں۔ یعنی پہلے تولو پھر بولو۔

امریکہ کے نئے منتخب صدر جوزف بائیڈن نے اپنی کتاب Promise me, Dad (2017) میں انکشاف کیا تھا کہ جب اس کے بیٹے Biden Beau کو کینسر لاحق ہؤا تھا تو وہ اس کے علاج کے لئے پیسے پیسے کا محتاج ہو گیا تھا۔ فرزند دلبند کے علاج کے لئے اس نے اپنے واحد اثاثے چار ہزار سکوئیر فٹ گھر کو اونے پونے داموں پر فروخت کرنے کا فیصلہ

کر لیا۔ چونکہ بینک سے قرض لینے کی شرائط بہت سخت تھیں اس لئے قرض لینا مناسب نہیں سمجھا۔ پھر اس پر طرفہ یہ کہ اس کی تنخواہ اتنی نہیں تھی کہ مدت ملازمت ختم ہونے کے بعد بھی وہ قرض کی قسطیں ادا کر سکے۔ گھر کی فروخت کا معاہدہ قریب قریب تیار تھا کہ کسی طرح صدر اوبامہ کو اس امر کی اطلاع ہو گئی۔ انہوں نے بائیڈن کو اپنی طرف سے مدد کی رقم دے کر گھر کو فروخت ہونے سے بچالیا۔

ابراھام لنکن کا سب سے اہم ذاتی وصف empathy تھا۔ یعنی gift of putting oneself in place of others to see what they feel۔ بچپن میں بھی وہ بہت شفیق و نرم دل انسان تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ایک دفعہ وہ پیدل کہیں جا رہا تھا تو اس نے ایک جانور دلدل میں پھنسا دیکھا مگر بے توجہی کے عالم میں وہاں سے گزر گیا۔ جب وہ آدھا میل آگے جا چکا تو واپس آیا اور جانور کو دلدل سے باہر نکالا۔ اس نے جانور کو باہر اس لئے نکالا تا وہ اسکے درد اور تکلیف کو اپنے ذہن سے نکال پھینکے۔

جوزف بائیڈن کے اوصاف میں سے سب سے بڑی اخلاقی قوت empathy ہے۔ وہ سیاست میں spirit of bipartisanship سے کام لیتا ہے۔ اس نے کہا تھا کہ "وہ (یعنی ری پبلکن) ہمارے مد مقابل ہیں نہ کہ ہمارے دشمن"۔ اوبامہ کے دور حکومت میں جب ڈیموکریٹ کا کنٹرول کانگریس پر ختم ہو گیا تو بائیڈن نے اپنے مد مقابل جان میک کین اور مچ میک نال کے تعاون سے کئی ایک قوانین پاس کروائے تھے۔ ویت نام جنگ کے ہیرو وہ جان میک کین کی 30 اگست 2018 کو وفات پر بائیڈن نے کہا تھا: "میرا نام جو بائیڈن ہے۔ میں ایک ڈیموکریٹ ہوں اور میں جان میک کین سے بے پناہ محبت کرتا ہوں"۔ یہ بیان صدر ٹرمپ کے بیان سے ہزار گنا مختلف تھا جس نے کہا تھا

I dont cosnider John McCain a war hero because he had not been killed but captured.

یہ بات تعجب کی نہیں کہ جان میک کین کی وائف سنڈی میک کین Cindy McCain نے 2020 الیکشن کے دوران بائیڈن کی پرزور تائید کی تھی۔

https://www.humsub.com.pk/363180/zakaria-virk-26/

()()()

(7) کیا فرانس کا نیا قانون

ریڈیکل اسلام ختم کر سکے گا؟

فرانس کی سیاست میں کوئی اور مسئلہ اس قدر شدید رد عمل پیدا نہیں کرتا جتنا کہ مسلمان عورتوں کا برقعہ اور حجاب پہننا کرتا ہے۔ یورپ کے تمام ممالک میں سے فرانس واحد ملک ہے جہاں اپنے مذہب اور مذہبی نشانوں کے پبلک میں اظہار کے خلاف قوانین پائے جاتے ہیں۔ لڑکیوں کے سکولوں میں حجاب پہننے پر پابندی ہے جبکہ پبلک میں برقعہ پہننا یا پورا چہرہ چھپانا 2010 سے غیر قانونی قرار دیا جا چکا ہے۔ ملک کے بہت سارے شہروں میں ساحل سمندر پر "برکینی" پہن کر تیرنے کیلئے جانا بھی خلاف قانون ہے۔ کسی قسم کا لباس جس کا اسلام اور مسلمانوں سے تعلق ہو اسکو symbol of Islamic extremism and separatism قرار دیا جاتا ہے۔ اگر فیس ماسک کے بغیر کوئی پبلک میں جائے تو اس کا جرمانہ 160 ڈالر (135 Euro) ہے مگر کوئی عورت نقاب پہن کر پبلک میں جائے تو جرمانہ 180 ڈالر ہے۔

فرانس کی پارلیمنٹ میں ایک نئے قانون پر پچھلے ہفتے بحث شروع ہوئی جس سے ارباب اقتدار امید رکھتے ہیں کہ ملک سے ریڈیکل اسلام کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا جا سکے گا۔ ممبران پارلیمنٹ کا خیال ہے کہ ریڈیکل اسلام کے عقائد و نظریات ملک کی پبلک سروسز، ایسوسی ایشنز، سکولوں اور آن لائن پر اس قدر چھائے ہوئے ہیں کہ جس سے ملکی مفادات کو سخت خطرہ ہے۔ یہ نیا قانون کافی جامع اور متنازعہ ہے جس میں اب تک 1700، ترامیم ہو چکی ہیں اور اس پر اگلے ہفتوں میں پارلیمنٹ میں گرما گرم بحث جاری رہے گی۔

اس قانون کو وزیر داخلہ جیرالڈ ڈارمانن Gerald Darmanin نے سپانسر کیا ہے جس کا کہنا ہے کہ قانون کا نصب العین ملک میں اسلام پسندوں کو مسلمانوں پر قبضہ کرنے کے خلاف کو روک تھام کرنا ہے۔ وزیر داخلہ نے اس بات پر زور دیا کہ ہم ایک خاص مذہب کے خلاف نہیں لڑ رہے ہیں۔ اگرچہ ملک میں مسلمانوں نے اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی ہے۔ بلکہ دیگر مذاہب بدھ ازم سے لے کر رومن کتھولک نے شکایت کی ہے کہ قانون کی زد میں وہ بھی آجائیں گے۔ قانون کا نفاذ تمام مذاہب پر ہو گا لیکن مسلمانوں کا کہنا ہے کہ اس قانون میں انگشت نمائی اسلام کی طرف کی جا رہی ہے۔ قانون میں اسلام ازم کا لفظ کہیں بھی استعمال نہیں ہوا ہے۔ بعض مبصرین کا کہنا ہے کہ ملک کے موجودہ قوانین اس مسئلہ سے نپٹنے کے لئے کافی ہیں مگر دائیں بازو کی لیڈر Marine Le Pen کا کہنا ہے کہ قانون ہر طرح سے پیش نظر مسئلہ پر حاوی نہیں ہوتا کیونکہ اس میں دشمن کا ذکر تک نہیں کیا گیا یعنی ریڈیکل اسلام۔ چنانچہ اس نے اپنا لکھا ہوا متبادل قانون متعارف کرایا ہے۔

فرانس کے صدر ایمانوئیل میکران Emanuael Macron کے لئے یہ قانون از حد اہمیت رکھتا ہے جس نے اکتوبر 2020 میں اپنی تقریر کے دوران ایسی سیاہ تصویر کھینچی تھی جس کو اس نے علیحدگی پسندی separatism کہہ کر اسلام کا مسخ شدہ ورژن کہا جو ملک کے اندر ایک کاؤنٹر سوسائٹی تشکیل دے رہا ہے۔ ڈارمانن نے صدر کے ریمارکس کی توثیق کرتے ہوئے اپنے افتتاحی خطبہ میں کہا کہ ہمارا ملک علیحدگی پسندی کی موذی مرض میں مبتلا ہے۔ اول و آخر "اسلامسٹ سیپراٹزم" ہمارے قومی

اتحاد کو گینگارین کی طرح انفیکٹ کر رہا ہے۔اس ضمن میں وزیر مملکت ڈارمانن نے چھوٹی سی کتاب تصنیف کی ہے جس کا نام Manifesto for Secularism ہے۔

فرانس کے صدر میکران وہ کام کرنا چاہتا ہے جو اس کے پیش رو نہ کر سکے یعنی فرانس کے ماحول اور حالات کے لئے موزوں اسلام Islam of France ۔ملک میں پائے جانیوالی مسلمانوں کی آرگنائزیشنز کی فیڈریشن فرنچ کونسل آف مسلم فیتھ CFCM نے "چارٹر آف پرنسپلز فار اسلام آف فرانس" تیار کیا ہے۔اس قانون کا مقصد ملک میں قائم مسلمانوں کی انجمنوں اور مساجد اور غیر ممالک سے فنڈنگ پر کڑی نظر رکھنا ہے تاملک میں ریڈیکل اسلام کی آئیڈیالوجی کے آنیوالے راستوں کو بند کر دیا جائے۔ محمد موساوی جو CFCM کا چیئرمین ہے اس کا کہنا ہے کہ نیا قانون مسلم انجمنوں پر نظر رکھنے کیلئے نہ صرف ضروری بلکہ فائدہ مند ہے جو فرنچ اقدار کے خلاف کام کرتے ہیں۔

بچوں کو برین واشنگ سے محفوظ رکھنے کے لئے اور انڈر گراؤنڈ سکولوں کو ختم کرنے کیلئے قانون میں ایک شق یہ ہے کہ تین سال کے عمر کے بچے سکول ضرور جائیں۔گھروں کے بیس منٹوں میں ہوم سکولنگ کو یعنی ختم کر دیا جائے جہاں تین سال کی بچیوں کو حجاب پہننے پر مجبور کیا جاتا۔2020 کے اعداد و شمار کے مطابق قریب 50,000 بچوں کو گھروں میں زیور تعلیم سے آراستہ کیا گیا تھا۔زیر زمین سکولوں میں جہاں ریڈیکل اسلام کی تعلیم دی جاتی ان کی تعداد نامعلوم ہے۔ قانون میں ایک خاص بات یہ ہے کہ انجمنوں پر کڑی نظر رکھی جائے خاص طور پر وہ جو مساجد کی انتظامی امور کی ذمہ دار ہیں۔مساجد کیلئے اگرچہ غیر ممالک سے فنڈنگ ممنوع نہیں لیکن کسی بھی عبادت گاہ کو دس ہزار یورو (12,100$) باہر سے آئیں تو اس کا بتانا ضروری ہے۔ایسی اسلامی ایسوسی ایشنز جو حکومت سے فنڈز وصول کریں ان کیلئے لازمی ہو گا کہ وہ ایک معاہدے پر دستخط کریں کہ فرنچ اقدار کو ہمیشہ ملحوظ خاطر رکھا جائیگا اور معاہدہ توڑا گیا تو رقم واپس کرنا ہو گی۔

مجوزہ قانون میں اس بات کا اہتمام کیا گیا ہے کہ ڈاکٹرز "ورجینٹی سرٹیفکیٹ" دینا بند کر دیں۔اگر کسی ڈاکٹر نے سرٹیفکیٹ جاری کیا تو اس کو جرمانہ کی ادائیگی اور شاید جیل بھیج دیا جائے۔متعدد ازواج اور جبر کی شادیوں کی بھی حوصلہ شکنی کی گئی ہے۔کچھ این جی اوز کا کہنا ہے کہ ملک میں دو لاکھ جبری شادیاں ہوئی تھیں۔فرنچ مسلمان مرد اور عورت اسلامی قانون کے برعکس وراثت میں برابر کے حقدار ہوں گے۔ قانون کی ایک شق یہ بھی ہے کہ اگر کوئی کسی شخص کی ذاتی تفصیلات سوشل میڈیا پر آن لائن پوسٹ کر دے تو یہ ہیٹ سپیچ کے مطابق جرم ہو گا۔فرنچ ٹیچر سیموئیل پیٹی Samuel Paty کا قتل اس کی ذاتی معلومات آن لائن شائع ہونے کے بعد ہوا تھا۔ نئے قانون کے 51 آرٹیکلز ہیں۔کوشش کی گئی ہے کہ پبلک سروس ایمپلائیز غیر جانبداری اور سیکولزم کا احترام کریں۔سول سرونٹس کیلئے کسی قسم کا مذہبی نشان دکھانا یا پہننا جیسے برقعہ یا حجاب ممنوع ہو گا۔جب یہ قانون پاس ہو جائیگا تو یہ فرانس کیلئے ٹیلر میڈ اسلام ہو گا۔

https://www.humsub.com.pk/374482/zakaria-virk-28/

()()()

(8) پہلی جنگ عظیم کے ایک سو سال

July 1914 – July 2014

پہلی جنگ عظیم آج سے ایک سو چار سال قبل 28 جولائی 1914ء کو شروع ہوئی اور چار سال بعد 1918ء میں ختم ہوئی تھی۔ امریکہ میں اس کو یوروپین جنگ کہا جاتا تھا کیونکہ اس کا محل وقوع یورپ میں تھا۔ اس جنگ میں 9 ملین سپاہی لقمہ اجل بنے تھے کیونکہ صنعتی انقلاب اور جنگی ہتھیاروں میں تکینکی ترقی کی وجہ سے مہلک ترین ہتھیار محاربین کے ہاتھوں میں آگئے تھے۔ جنگ کے اختتام پر جو ممالک اس میں شامل تھے ان میں زبردست تبدیلیاں اور انقلاب رونما ہوئے تھے۔

جنگ میں دو طرفین تھے: الائیڈ یعنی اتحادی (رشین ایمپائر، فرانس، اٹلی، برٹش ایمپائر یعنی کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ، ہندوستان، ساؤتھ افریقہ اور یونان، بلجئیم، پرتگال، امریکہ، جاپان) اور اس کے مد مقابل سینٹرل پاورز (جرمنی، آسٹریا ہنگری، سلطنت عثمانیہ، بلغاریہ)۔ یوں 70 ملین سپاہی جنگ کیلئے موبالائز ہوگئے جن میں 60 ملین محض یورپین اقوام کے فوجی تھے۔ سامراجی نظام کی حیات نو کے علاوہ جنگ کی وجہ Archduke Franz Ferdinand of Austria, کا قتل تھا جو 28 جون 1914ء کو کسی یوگوسلاوین شدت پسند نے کیا تھا۔ آسٹریا ہنگری نے سربیا کی حکومت کو الٹی میٹم دے دیا، جلد ہی اقوام کے مختلف حصوں میں منقسم ہونے پر alliances بن گئیں اور اس تنازعہ نے پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

28 جولائی کو آسٹریا ہنگری نے سربیا پر حملہ کا اعلان کرتے ہوئے پہلی گولی چلائی، ادھر جرمنی بلجئیم اور لکسمبرگ پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد جب جرمنی نے فرانس کا رخ کیا تو برطانیہ نے اس کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ پیرس پر جرمنی کا حملہ روک دیا گیا جو بعد میں ویسٹرن فرنٹ کہلایا۔ ادھر ایسٹرن فرنٹ پر رشیا نے آسٹریا ہنگری کے خلاف کامیاب محاذ کھول دیا مگر جب روس نے ایسٹ پر شیا پر حملہ کیا تو جرمنی نے اسکا مضبوطی سے دفاع کیا۔ نومبر 1914ء کو ترکی بھی جنگ میں شامل ہو گیا جس کی وجہ سے سینائی اور عراق میں محاذ کھل گئے۔

جب روس میں 1917 میں انقلاب برپا ہو گیا تو روس نے سینٹرل پاورز کیساتھ مصالحت کرنا دانش مندی سمجھی۔ نومبر 1918ء کو آسٹریا ہنگری نے مصالحت کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ ویسٹرن فرنٹ پر جب جرمنی کو شکست کے آثار نظر آئے تو جرمنی نے نومبر 1918ء کو جنگ بندی کا اعلان کر دیا جس کے بعد اتحادی فتح یاب ہو گئے۔

امن کے معاہدے

جنگ کے اختتام پر پیرس پیس کانفرنس نے مرکزی طاقتوں پر بہت سارے امن کے معاہدے لاگو کر دیئے۔ معاہدے کی

شقوں میں کچھ یہ تھیں کہ سینٹرل پاورز اتحادیوں اور ان کی حکومتوں، ان کے عوام کو ہونے والے تمام نقصان کے ذمہ دار ہیں۔ اس کا نام War guilt clause تھا۔1919 کے ورسیلز کے معاہدے Treaty of Versailles کا تعلق جرمنی سے تھا۔ جرمن قوم سے اس معاہدے سے خفا اور ناخوش تھی اور محسوس کرتی تھی کہ ان کی عزت نفس کو دھچکا لگا ہے۔ جن اقوام پر جرمنی کا قبضہ تھا وہ آزاد ہو گئیں۔ پیس کانفرنس کی ایک شق یہ تھی کہ شہریوں کا نقصان بھی شکست خوردہ اقوام دیں مگر صرف جرمن اکانومی اس قابل تھی کہ ایسا کر سکے۔ آسٹریا ہنگری مختلف ملکوں میں تقسیم ہو گیا جیسے یوگوسلاویہ، چیکو سلاویہ، ہنگری، آسٹریا۔ رشین ایمپائر کا ویسٹرن فرنٹئیر منقسم ہو کر فن لینڈ، ایسٹونیا، لیٹویا، پولینڈ۔ سلطنت عثمانیہ ختم ہو گئی اور اس کی جگہ ریپبلک آف ترکی نے جنم لیا۔ سلطنت کا بڑا حصہ اتحادیوں نے آپس میں بانٹ لیا۔ رشیا، سوویٹ یونین بن گیا۔ کینیڈا نے برطانیہ کے ماتحت ڈومینین آف برٹش ایمپائر کے طور پر جنگ میں حصہ لیا مگر جنگ کے بعد اس کو کافی حد تک خود مختاری حاصل ہو گئی۔ جنگ میں پہلا موقعہ تھا کہ آسٹریلیا کی فوج نے آزادانہ طور پر حصہ لیا نہ کہ برٹش کراؤن کے ماتحت۔ برطانیہ نے 1917ء میں بیلفور ڈیکلریشن کا منادی دی جس کا مطلب فلسطین میں جیوش ہوم لینڈ تخلیق کرنا تھا۔

ترکیہ کا نقصان

جنگ عظیم میں سب سے زیادہ نقصان ترکیہ کو ہوا۔ صدیوں سے سلطنت عثمانیہ کا بحیرہ احمر پر قبضہ تھا، اسکندریہ سے عریش تک، مغرب سے سویز تک، مگر جنگ کے دوران الجیریا اور تیونس پر فرانس نے قبضہ کر لیا، برطانیہ نے مصر پر اٹلی نے لیبیا پر تسلط جما لیا۔ سلطنت کے بارڈرز سکڑ گئے جس میں موجودہ ترکی، مشرق وسطیٰ کا کچھ حصہ، عراق، عرب کا کچھ حصہ جو یمن تک جاتا شامل تھے۔ جن شہروں میں چار سو سال سے امن کا دور دورہ تھا اس کے بعد بصرہ، بغداد، دمشق، بیروت، غازہ اور سویز میں بد امنی کا دور شروع ہو گیا جو اب تک جاری ہے۔ اور نہ جانے کب تک جاری رہے گا۔ جنگ عظیم کے دوران اتحادیوں کو معلوم نہیں تھا کہ مشرق وسطیٰ تیل کے دریاؤں (oil reserves) پر واقع ہے اگر ایسا ہوتا تو شاید ہلاکت، تباہی، خون انگیزی کی رات اور بھی لمبی ہو جاتی۔ برطانیہ کی خواہش تھی کہ سویز کے راستے اس کو ہندوستان تک شپنگ روٹ مل جائے جبکہ جرمن ایمپائر کی خواہش تھی کہ ایسا بالکل نہ ہو سکے۔

ہندوستان کی شرکت

برطانوی ہندوستان کے گیارہ لاکھ پانچ ہزار فوجیوں نے غیر ممالک میں جا کر جنگ عظیم اول میں قربانیاں دی تھیں، جن میں 74,187 ہزار ہلاک اور 67,000 زخمی ہوئے تھے۔ 70,00 ہندوستانی جانور جنگ میں استعمال ہوئے، 3.7 ملین ٹن سپلائیز بھیجیں گئیں۔ ہندوستانی فوجیوں نے جرمن ایمپائر اور سلطنت عثمانیہ کے خلاف جنگ لڑی تھی جس کیلئے وہ ایسٹ افریقہ، مصر،

عراق و دیگر مشرق وسطیٰ کے ممالک اور ویسٹرن فرنٹ پر بھیجے گئے تھے۔ مثلاً عراق میں سات لاکھ ہندوستانیوں نے سلطنت عثمانیہ کے خلاف جنگ میں حصہ لیا۔ سپاہی خداداد خاں پہلا فوجی تھا جس کو وکٹوریہ کراس میڈل بلجئیم میں 1914ء میں جنگ کے بعد دیا گیا تھا۔ نائک شمشاد خاں کو وکٹوریہ کراس 1916ء میں عراق میں بہادری دکھانے پر دیا گیا تھا۔ سکھ فوجیوں کو بھی وکٹوریہ کراس ملے جیسے دروان سنگھ نیگی، کلبیر ٹھپہ، لانس نائک لالہ، گوبند سنگھ، بلدو سنگھ وغیرھم۔ اس کے علاوہ 9200 ہندوستانی سپاہیوں اور ملٹری افسروں کو میڈل دیئے گئے تھے۔ دہلی میں انڈیا گیٹ میں ان فوجیوں کی یاد میں 1931ء میں تعمیر کیا گیا تھا جنہوں نے جنگ عظیم اول اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا تھا۔

پہلی جنگ عظیم میں ہندوستان کے 138,000 سپاہیوں نے فرانس میں مختلف لڑائیوں میں حصہ لیا تھا۔ کچھ سکھ سپاہیوں نے کینیڈا کی طرف سے جنگ میں شرکت کی۔ آٹھ سپاہیوں نے کینیڈین رضاکار سپاہی کے طور پر یورپ میں جنگ لڑی، دو شہید ہوئے۔ ایک سپاہی بوکھم سنگھ (Buckam Singh(1893-1919 جو زخمی ہؤا کینیڈا واپس آنے پر تپ دق کے مرض سے کچنر Kitchner اونٹاریو کے ہسپتال میں موت کی نیند سو گیا، اسی شہر میں کے ماؤنٹ ہوپ قبرستان میں اس کی قبر ہے۔ اس کو Victory Medal دیا گیا تھا۔ کینیڈا کے 60,000 سپاہی جنگ میں ہلاک ہوئے تھے ان کی یاد میں 11 نومبر کو ہر سال Rememberance Day منایا جاتا اور فوجیوں کی یاد میں سرخ رنگ کے پاپی پھول Poppy فروخت کئے جاتے جن کی قیمت پچیس سینٹ ہوتی یا جو بھی اس سے زیادہ دے دے۔

ہندوستان کے مسلمانوں میں ترکی کے مسلمانوں کی مدد کیلئے جو جذبات پائے جاتے تھے اس کی جھلک پروفیسر عزیز الدین احمد نے اپنی کتاب پنجاب اور بیرونی حملہ آور میں یوں پیش کی ہے:

5 "فروری 1915ء کو لاہور کے 15 مسلمان طالب علموں نے ہندوستان چھوڑ کر ترکی کے مسلمانوں کی مدد کیلئے ترکی جانے کا فیصلہ کیا جو اس وقت برطانیہ کیساتھ نبرد آزما تھا۔ یہ نوجوان جہاد کے شوق سے سرشار ہو کر لاہور سے کابل پہنچے جہاں چار سال تک نظر بند رہے۔ ان میں سے کچھ ترکی جاتے ہوئے تاشقند میں رک گئے۔ ایک طالب علم دوران سفر بیمار ہو گیا اور افغانستان میں مناسب علاج نہ ہو سکنے سے فوت ہو گیا۔ ایک اور طالب علم آزاد علاقے میں قتل ہو گیا۔ تیسرا وطن واپس آنے کے بعد جیل میں راہی ملک عدم ہو گیا۔ ان میں سے ایک نے جو بہت سی مشکلات اور تکالیف کا سامنا کرتا ہؤا ترکی پہنچا اس نے ترک توپ خانے میں ملازمت اختیار کر لی۔ اور کپتان کے عہدے پر پہنچ کر ریٹائر ہؤا تھا۔ اس نے جس طرح ساری جوانی ترکی میں گزار دی تھی بڑھاپا بھی وہاں گزارنے کا فیصلہ کر لیا۔۔۔ طرابلس کی جنگ شروع ہوئی تو ترکی کی حمایت میں پنجاب میں جلسے شروع ہو گئے۔ 1912ء میں بلقان کی جنگ کے دوران زخمیوں کی مدد کیلئے پنجاب کے عوام نے بہت سا چندہ اکھٹا کیا اور ترکی بھیجا"۔

جنگ عظیم اول کی ابتداء میں صرف ایک لاکھ پنجابی سپاہی بھرتی ہوئے تھے لیکن جنگ کے ختم ہونے تک یہ تعداد 5 لاکھ پہنچ گئی تھی اس علم کے باوجود کہ وہ اپنے مسلمان بھائی ترکوں کیساتھ جنگ کرنے جارہے تھے۔ سر مائیکل ایڈوائر گورنر پنجاب نے اپنی کتاب میں لکھا ہے: "سب سے بڑی بات یہ ہے کہ پنجاب کے نصف سے زائد آبادی مسلمانوں پر مشتمل ہے اور جن لوگوں کو دیہاتی مسلمانوں کو صرف سطحی علم تھا وہ قیاس کر رہے تھے کہ ایسی جنگ کیلئے جو ترکوں کے خلاف لڑی جارہی ہے اور جو مصر فلسطین اور عراق جیسے ان ممالک میں لڑی جارہی ہے جہاں مسلمانوں کے متبرک مقامات ہیں مسلمان بھرتی نہیں ہوں گے۔ لیکن یہ سب مایوسانہ خیالات باطل ثابت ہوئے۔ جنگ کی ابتداء میں صرف ایک لاکھ پنجابی سپاہی تھے لیکن جنگ کے اختتام تک پنجابیوں کی تعداد 5 لاکھ تک پہنچ چکی تھی۔ اس طرح دوران جنگ تین لاکھ ساٹھ ہزار نئے سپاہی بھرتی ہوئے تھے جو سارے ہندوستان کے بھرتی شدہ سپاہیوں کی مجموعی تعداد کے نصف سے زائد تھے اور ان میں سے نصف پنجاب کے مسلمان تھے جو اس علم کے باوجود بھرتی ہوئے تھے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی ترکوں کیساتھ جنگ کرنے جارہے ہیں۔

" Sir Michael O'Dwyer India As I Knew It, page 415

منقول از کچھ شامیں فکر اقبال کیساتھ, مؤلفہ سید نصیر شاہ، نیاز مانہ لاہور 2011ء صفحہ 51

ہندوستان کے تمام مسلمان اور ان کے سر کردہ زعماء جنگ عظیم کے دوران برطانیہ اور بادشاہ کے وفادار تھے۔ چنانچہ اس ضمن میں 1918ء میں لاہور کے ٹاؤن ہال میں گورنر پنجاب مائیکل اوڈوائر Dwyer کی صدارت میں جلسہ منعقد ہؤا جس کا مقصد مصارف جنگ کیلئے رقم جمع کرنا نیز پنجاب سے دو لاکھ جوان فوج میں بھرتی کیلئے ریزولیوشن پاس کرنا تھا۔ مولوی رحیم بخش صدر کونسل بہاولپور نے تقریر میں کہا کہ مسلمانوں کے عقیدہ کے مطابق عادل بادشاہ ظل اللہ ہوتا ہے اور اسکی اطاعت ان کا فریضہ ہے۔ پھر انہوں نے مولانا رشید احمد گنگوہی کا شرعی فتویٰ پڑھ کو سنایا جس کے بعد علامہ اقبال سٹیج پر تشریف لائے اور اپنی نظم "پنجاب کی آواز ملک معظم کی خدمت میں" حاضرین کو سنائی جس میں جنگ عظیم کیلئے انہوں نے اپنے سر کا نذرانہ پیش کرنے کا عندیہ تھا۔

اخلاص بے غرض ہے صداقت بھی بے غرض — خدمت بھی بے غرض اطاعت بھی ہے بے غرض
عہد وفا و مہر و محبت بھی بے غرض — تخت شہنشاہی سے عقیدت بھی بے غرض
ہنگامہ دغا میں میرا سر قبول ہو — اہل وفا کی نذر محضر قبول ہو

(مجموعہ کلام، سرود رفتہ)

صحت پر اثرات

فوجیوں کی صحت پر جنگ کے منفی اثرات گہرے تھے۔ چار سال کے عرصہ 1914-18 ساٹھ ملین یورپین فوجی موبالائز ہوئے تھے، ان میں سے آٹھ ملین موت کی آغوش میں چلے گئے، سات ملین مستقل طور پر لنگڑے لولے ہوگئے، پندرہ ملین شدید زخمی ہوئے تھے۔ جرمنی کی پندرہ فی صد مرد آبادی ختم ہوگئی، آسٹریا ہنگری ۱۷ فی صد، فرانس دس فی صد۔ فوڈ شارٹیجز کی وجہ سے پانچ لاکھ افراد نسبتاً زیادہ اموات کا شکار ہوئے۔

روس کے 1921ء کے قحط کی وجہ سے پانچ سے دس ملین افراد ہلاک ہوئے۔ پہلی جنگ عظیم کی تباہیوں کے باعث روس میں 1922 میں سات ملین افراد بے گھر تھے۔ ہزاروں روسی برطانیہ، امریکہ فرانس ہجرت کر گئے۔ جنگ کے دوران انفلوئینزا کی وبا پوردنیا میں پھیل گئی اور پچاس ملین افراد لقمہ اجل بنے تھے۔ جنگ کے دوران اور بعد کے برے حالات میں امراض خوب پھیلے جیسے سربیا میں 1914ء میں ٹائیفس سے دو لاکھ افراد ہلاک ہوئے۔ 1918-1922 میں روس میں 25 ملین انفکشن ہوئے۔ 1923ء میں 13 ملین افراد کو روس میں ملیریا کا عارضہ لاحق ہوا۔

ٹیکنالوجی

پہلی جنگ عظیم انیسویں صدی کی ٹیکنالوجی اور بیسویں صدی کی ٹیکنالوجی میں مقابلہ تھا۔ 1917ء میں افواج ٹیلی فون، وائرلیس کمیونی کیشن، ٹینکس، جہازوں، ائر کرافٹ کریئر، اور بکتر بند گاڑیوں کو استعمال کر رہے تھے۔ پیادہ فوجیوں کی 100 آدمیوں کی کمپنی کی بجائے دس فوجی رکھے گئے جو جونیئر آفیسر NCO کی کمانڈ میں ہوتے۔ دشمن کی بیٹریوں کا پتہ لگانے کیلئے ساؤنڈ ڈی ٹیکشن استعمال میں لائی گئی۔ آرٹلری میں بھی تبدیلیاں ہوئیں۔ توپوں کو فرنٹ لائن میں رکھا گیا تا نشانوں پر گولہ بازی کر سکیں۔ Tracer Bullet جنگ کے دوران ایجاد ہوئی۔ ائر ٹریفک کنٹرول بھی جنگ عظیم اول کی ایجاد ہے۔

جرمنی نے اتحادیوں سے زیادہ indirect fire کو استعمال کیا۔ جرمنی کی Howitzer توپیں آٹھ انچ کی تھیں جبکہ فرانس اور برطانیہ کی چار انچ کی تھیں۔ لڑائی کا بڑا حصہ Trench warfare ہوتی تھی۔ گولوں کے پھٹنے سے سر زخمی ہوتے تھے اس کیلئے سٹیل ہیلمٹ بنائے گئے۔ جنگ عظیم کا ایک سیاہ کارنامہ کیمیکل وارفیئر کا آزادانہ استعمال تھا۔ chlorine, mustard gas and phosgene گیسیں استعمال کی گئیں۔ گیس سے حفاظت کیلئے ماسک بنائے گئے۔ جرمنی نے پیرس گن بنائی جس کا مقصد پیرس پر 100 کیلو میٹر دور سے بمباری کرنا تھا۔ برطانیہ نے 1916 میں پہلی بار ٹینک سام کی لڑائی Battle of Somme میں استعمال کئے۔ فرانس نے جو ٹینک استعمال کیا اس میں rotating turret تھا۔ سب مشین گنز، اور لائٹ آٹو میٹک ویپنز متعارف کئے گئے۔

جنگ میں زہریلی گیس کا استعمال امپیریل جرمنی نے جنوری 1915ء میں کیا تو اس کے بعد اتحادیوں نے بھی ایسا کرنا شروع

کر دیا۔ ایک اندازنے کے مطابق 1.3 ملین افراد زہریلی گیس سے ہلاک ہوئے تھے۔ زہریلی گیس کا اثر شہریوں کے lungs, skin damage, and cerebral damage میں نظر آیا تھا۔ آرمینیا کے عوام نے جنگ کے شروع میں ہی روس کا ساتھ دیا تھا اسلئے سلطنت عثمانیہ کیلئے تمام آرمینی قوم وطن کی دشمن تھی۔ چنانچہ سلطنت عثمانیہ نے اپنے تحت آرمینی لوگوں کی ethnic cleansing شروع کر دی جس کے نتیجہ میں 1.5 ملین آرمینی ہلاک ہوئے تھے نیز لاکھوں کو جلاوطن کر دیا گیا۔

اقتصادی اثرات

اتحادی ممالک برطانیہ، امریکہ، اور اٹلی میں گروس ڈومیسٹک پروڈکٹ GDP بڑھ گیا مگر فرانس رشیا میں کم ہو گیا۔ آسٹریا، رشیا، فرانس، اور سلطنت عثمانیہ میں جی ڈی پی تیس سے چالیس فی صد کم ہو گیا۔ آسٹریا میں تمام سؤر ذبح کر دیئے گئے چنانچہ جنگ کے اختتام پر ملک میں گوشت کہیں نہیں ملتا تھا۔ ۱۹۳۴ء میں برطانیہ کا قرضہ 4.4$ بلین تھا جو ادا نہیں ہو سکا تھا۔ افراد خانہ میں سے کمائی کرنیوالے مرد ہلاک ہو گئے تھے اسلئے عورتیں کام کرنے پر مجبور ہو گئیں تھیں۔ مردوں کے اتنی بڑی تعداد میں جنگ کے دوران ہلاک ہونے سے ہزاروں عورتیں بیوہ ہو گئیں۔ یوں مردوں اور عورتوں میں gender imbalance پیدا ہو گیا۔ جنگ کے دوران ٹریڈ یونین ممبر شپ میں قابل قدر اضافہ ہؤا۔ برطانیہ میں 1918ء میں گوشت، چینی، مکھن تیل کی راشننگ شروع کر دی گئی۔ غرضیکہ جنگ کی وجہ سے کسی کو فائدہ نہیں ہؤا۔ امریکہ نے جو جنگی قرضے دیئے تھے وہ واپس نہ مل سکے کیونکہ شکست خوردہ ممالک میں اقتصادی طور پر اتنی سکت نہیں تھی کہ ایسا کر سکتے۔ کہنے کو تو یہ جنگ A war to end all wars تھی مگر جرمنی کیساتھ جو برا سلوک روا رکھا گیا اس کے نتیجہ میں 1938ء میں جنگ عظیم دوم کا آغاز ہؤا تھا۔

جنگ کے بعد سالہا سال تک لوگ اپنے رشتہ داروں کو یاد کر کے روتے، تڑپتے، بلکتے رہے، ایسے لوگ جو یا تو مر گئے، یا غیب تھے یا جو جسمانی طور پر معذور ہو گئے تھے۔ کئی PSD (post tramatic stress disorder) محاذوں سے واپس لوٹے۔ غرضیکہ جنگ کے اثرات ملکی اور انفرادی لامحدود تھے جن کا احاطہ الفاظ میں کرنا ممکن نہیں۔ جیسا کہ کہتے ہیں جنگ دور سے اچھی لگتی ہے اپنے پاس ہو تو خوف۔ خدا تعالیٰ اس پیارے کرہ زمین کو آئندہ ہر عالمی جنگ سے محفوظ رکھے۔

جنگ عظیم کے خاتمہ کی ایک سو سالہ برسی منانے کیلئے 14 جولائی 2014ء کو 76 ممالک کے فوجیوں نے پیرس کے Champs-elysees پر مارچ کیا۔ فوجیوں نے اپنے اپنے ممالک کے جھنڈے اٹھائے ہوئے تھے۔ فرانس نے تمام ممالک جو جنگ عظیم اول کی مختلف لڑائیوں میں شریک رہے تھے چاہے وہ دوست تھے یا دشمن مدعو کیا تھا کہ امن کی علامت کے طور اس پیریڈ میں شرکت کریں۔ ہر ملک کے تین فوجیوں نے اپنے ملکی لباس میں مارچ کیا۔ فرانس کی سابقہ کالونیز کے نمائندوں نے بھی شرکت کی کیونکہ فرانس کی سابقہ کالونیز میں سے چھ لاکھ فوجیوں نے فرانس کی طرف سے جنگ میں حصہ لیا تھا۔

()()()

(9) جوتوں کی انہونی کہانی

جوان کو تاڑتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

جوتوں کا مقصد پیروں کی حفاظت ہے مگر مرور زمانہ سے ان کو فیشن کا درجہ حاصل ہو گیا ہے۔ بلکہ اس دور میں جوتے اپنی قیمتوں کی وجہ سے اس لائق ہو گئے ہیں کہ بجائے ان کو پہننے کے ان کو سر پر رکھا جائے۔ کسی زمانے میں جوتے انسانی پیروں کی حفاظت پر معمور ہوتے تھے مگر اب تو زمانہ بدل گیا ہے انسان جوتوں کی حفاظت پر معمور ہو گئے ہیں۔ جوتوں کے پرستار انسان ہی نہیں محکمے بھی ہوتے ہیں۔ اردو میں کیا خوبصورت محاورہ ہے: جوتوں میں دال بانٹنا۔ مگر اب صورت حال یہ ہے کہ جوتے اور دال اپنی قیمتوں کی وجہ سے نوادارت میں شامل ہو گئے ہیں۔ کسی زمانے میں عورت کو پیر کی جوتی کہا جاتا تھا شاید اس دور میں جوتیاں ارزاں تھیں۔ بعض لوگ اتنے خردماغ ہوتے کہ وہ کسی کو جوتی کی نوک پر نہیں رکھتے۔

اٹھارویں صدی کے غزل اور نظم گو ولی محمد نظیر اکبر آبادی (وفات 1830) کی نظم آدمی نامہ میں جوتوں کا ذکر اس طور پر میں کیا گیا ہے :

مسجد بھی آدمی نے بنائی ہے یاں میاں — بنتے ہیں آدمی ہی امام اور خطبہ خواں
پڑھتے ہیں آدمی ہی قرآن اور نمازیاں — اور آدمی ہی ان کی چراتے ہیں جوتیاں

جوان کو تاڑتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

آرکیالوجسٹ کو جو سب سے پرانی چپل ملی ہے وہ قریب آٹھ ہزار سال پرانی ہے جو امریکہ کی ریاست آری گن میں 1939 میں ملی تھی۔ دنیا کے سب پرانے 3500 سال پرانے جوتے 2008 میں آرمینیا میں دریافت ہوئے تھے۔ سکنڈے نیویا میں Jotunheimen shoe اگست 2006 میں دریافت ہوئے تھے ۔ آرکیالوجسٹ کا کہنا ہے کہ ان کی کھال BC1800 میں بنائی گئی تھی۔

کہا جاتا ہے جب انسان کسی دوسرے شخص کو ملتا تو جو چیز سب سے پہلے دیکھی جاتی وہ اس کے جوتے ہوتے ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ فلے پینز کی فرسٹ لیڈی اور سابق ڈکٹیٹر فرڈی نینڈ مارکوس (صدر (1965-1986 کی بیگم ایمالڈا مارکوس Imalda Marcos کے پاس تین ہزار جوتے تھے۔ ملک کے اندر بنائے جانے والے جوتوں کی قیمت چھ سے دس ڈالر تھی جبکہ درآمد شدہ جوتوں کی قیمت ایک سو ڈالر سے زیادہ تھی۔ یوں ان جوتوں کی قیمت ہزاروں ڈالر تھی۔ کیا اس نے تمام کے تمام جوتے پہنے ہوئے تھے؟ اس سوال کا جواب صرف وہی دی سکتی تھی۔ اقتدار ختم ہونے کے بعد اس کے یہ جوتے کہاں گئے؟ کہا جاتا ہے کہ جوتوں کے 720 جوڑے منیلا کے Marikina Shoe Museum میں ہیں۔ ان میں سے 253 ڈسپلے کئے ہوئے ہیں جبکہ باقی کے 467 سٹوریج میں رکھے

ہوئے ہیں۔ ان جوتوں میں کئی ایک ڈیزائنر شوز ہیں جیسے Christian Dior, Gucci, and Oleg Cassini۔2012 میں ایسوسی ایٹڈ پریس AP نے رپورٹ کیا تھا کہ ایک ہزار جوڑے termite & mold کی وجہ سے ضائع ہو گئے ہیں۔ 1987 میں امالڈ امار کوس نے کہا تھا میرے پاس تین ہزار جوتوں کے جوڑے نہیں بلکہ صرف 1060 تھے۔

دنیا میں مردوں کے مہنگے ترین جوتوں میں سے ایک کا نام Louis Vuitton Manhattan Richelieu جن کی قیمت دس ہزار ڈالر ہے۔ Nike Air Mag Back کی قیمت چھبیس ہزار ڈالر ہے۔ Testoni Men-92s Dress Shoes کی قیمت تیس ہزار ڈالر ہے۔ Nike So Cal Air Force 1 کی قیمت پچاس ہزار ڈالر ہے۔ Air Jordan Silver Shoes کی قیمت ساٹھ ہزار ڈالر ہے۔ Nizam Sikandar Jah-92s Shoes کی قیمت ایک لاکھ ساٹھ ہزار ڈالر ہے۔ یہ جوتے سونے کے ہیں جو ہندوستان کی ریاست حیدرآباد کا فرماں روا نظام اسکندر جاہ آصف جاہ سوم (وفات 1829) پہنا کرتا تھا۔ یہ جوتے 2006 میں جب باٹا شو میوزیم سے چوری ہو گئے تو ہندوستان کے ایک چرچ سے بازیاب ہوئے تھے۔

صدر بش پر جوتا مارنے کا واقعہ

بغداد میں 14 دسمبر 2008 کو ایک پریس کانفرنس کے دوران صدر امریکہ جارج بش پر ایک صحافی منتظر الزیدی نے یہ کہتے ہوئے اپنا جوتا پھینکا تھا کہ یہ عراقی عوام کی طرف سے الوداعی بوسہ ہے۔ اس کے بعد منتظر عراقی عوام میں عوامی ہیرو بن گیا۔ اس پر مقدمہ چلا یا گیا جس کے دوران عراق کے اندر اور باہر کے ممالک میں مظاہرے ہوتے رہے۔ منتظر کو تین سال قید کی سزا ہوئی تھی مگر بعد میں نو مہینے کی قید کے بعد اس کو رہا کر دیا گیا تھا۔ اس کے بعد جوتے پھینکنے کے واقعات امریکہ، ہندوستان چین، یورپ ایران اور ترکی میں بھی ہوئے تھے۔ جیسے انڈیا کے منسٹر چیتا مبرام پر 17، اپریل 2017 کو پریس کانفرنس کے دوران جرنیل سنگھ نے جوتا پھینکا تھا۔ مگر ایسے واقعات کو زیادہ شہرت نہ ملی جیسے منتظر زیدی کو ملی تھی۔ منتظر زیدی کی رہائی کے بعد اس کو فرانس مدعو کیا گیا جہاں اس کی تقریر کے دوران ایک عراقی صحافی نے منتظر پر جوتا پھینکا تھا یہ کہہ کر یہ شخص عراق میں ڈکٹیٹر شپ قائم کرنا چاہتا ہے۔

جوتوں کیلئے کھال، لکڑی اور کینوس استعمال ہوتا تھا۔ انسان نے جسم کی حفاظت کے لئے کھال کا استعمال کیا تھا اسی طرح پیروں کی حفاظت کے لئے بھی جانوروں کی کھال استعمال کی جاتی تھی بلکہ ہزاروں سال گزرنے کے باوجود اب بھی استعمال کی جاتی ہے۔ کھال کو استعمال کرنے کیلئے دھوپ میں سکھایا جاتا بعد نمک اور پھٹکری کا استعمال کیا جانے لگا۔ کھالوں کو نرم کرنے کیلئے جانوروں کی چربی استعمال کی جاتی تھی۔ عہد وسطیٰ میں چمڑے کو رنگنے یعنی ٹینگ Tanning کا طریقہ بھی ایجاد ہو گیا تھا۔ کھالوں کو صاف کر کے پیڑوں کی چھالوں، پتوں میں ابال کر انہیں دیر پا بنایا جاتا تھا۔ اس سلسلے میں شاہلوت کی چھال کا استعمال عام تھا جس میں کافی مقدار میں تیزاب tannic acid ہوتا تھا جس کے اثر سے کھال کچے چمڑے میں تبدیل ہو جاتی تھی۔ عہد وسطیٰ میں چمڑے کو رنگنے کا Tanning کام عروج پر تھا جس کی وجہ سے جوتوں کی صنعت کو بہت ترقی ملی تھی۔

باٹا شو میوزیم ٹورنٹو

ٹورنٹو میں باٹا میوزیم کا آغاز سونجا باٹا(Sonja Bata d 2018) کی ذاتی کولیکشن سے شروع ہؤا تھا جس کا خاوند ٹامس باٹا (Thomas Bata d2008)، باٹا شو کمپنی کا مالک تھا۔ ستر کی دہائی میں سونجا کی ذاتی کولیکشن میں 1500 جوتے تھے۔ 1979 میں اس نے باٹا شو میوزیم فاؤنڈیشن کی بنیاد رکھی۔ باٹا شو میوزیم کا افتتاح مئی 1995 میں ہؤا تھا۔ اس میوزیم میں 13,000 جوتے ہیں جن میں سے چند ایک 4500 ہزار سال پرانے ہیں۔ میوزیم کی کولیکشن میں جوتوں کی بڑی تعداد ڈسپلے کیلئے رکھی ہوئی ہے مگر کثیر تعداد سٹوریج میں رکھا ہؤا ہے۔ جنوری 2006 میں میوزیم سے ماجوری (لیٹویا) سلیپرز چوری ہو گئے جن کا استعمال سکندر جاہ نے کیا تھا۔ 2006 میں اِن سلیپرز کی قیمت $16,000 جبکہ سونے کی پازیب $45,000 اور پاؤں کے انگوٹھے کی انگوٹھی کی قیمت $11,000 تھی۔ جوتوں کو دنیا کے مختلف ممالک چین، انڈیا، جاپان، کوریا، مشرق وسطیٰ، افریقہ، نارتھ امریکہ کے مطابق رکھا گیا ہے۔

یورپ میں جوتوں کا استعمال

امریکہ کے شہرہ آفاق کیمسٹ چارلس گوڈائیر Charles Goodyear 1800-1860 نے 1839 میں ایسا کیمیکل پروسیس دریافت کیا جس کی وجہ سے واٹر پروف، موڑ لئے جانیوالا ربر بنایا جاسکتا تھا۔ اس قسم کے ربر سے علاوہ اور چیزوں کے کاروں کے ٹائر اور جوتے بنائے جاسکتے تھے۔ اب چمڑے کے علاوہ ربر بھی جوتے بنانے کیلئے استعمال ہونے لگا۔ امریکہ کی گوڈائیر کمپنی اسی کے نام سے موسوم ہے۔ جب سلائی مشین 1845 میں ایجاد ہوئی تو جوتے بنانے کی صنعت اور بھی ترقی فزوں ہو گئی۔ چارلس گوڈ ائیر نے 1850 میں جوتے بنانے کی ایک بڑی مشین بنائی جس کے ذریعہ لارج سکیل پر جوتے بنانا آسان ہو گیا اور جوتے بنانے کی بڑی بڑی فیکٹریاں قائم ہو گئیں۔ بیسویں صدی میں چمڑے اور ربر کے علاوہ پلاسٹک بھی جوتوں کیلئے استعمال ہونے لگا تھا۔

برطانیہ میں ایڈورڈ سوم Edward III 1312-1377 نے قانون بنایا تھا کہ عام شہری کے جوتے کے نوک دو انچ سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔ شریف زادے کے جوتے کی نوک بارہ انچ تک لمبی ہو سکتی تھی جبکہ صاحب حیثیت شخص کے جوتے کی نوک 24، انچ تک ہو سکتی تھی۔ فرانس میں سولہویں صدی میں شاہی خاندان کے افراد 24، انچ نوک والے جوتے استعمال کر سکتے تھے۔ پندرھویں صدی میں عورتوں کے جوتوں کیلئے قواعد بنائے گئے جس کے مطابق خواتین کو چھ انچ سے زیادہ ایڑی والے جوتے استعمال کرنے پر ممانعت تھی۔ وینس (اٹلی) میں خواتین میں 13، انچ کے جوتے پہننے کا رواج تھا۔ امریکہ میں جوتوں کے متعلق قوانین 1960 کے بعد وضع کئے گئے۔ شکاگو میں لال اور کالے جوتے پہننے پر ممانعت تھی۔ فلوریڈا کے سکولوں میں سبز رنگ کے جوتوں پر پابندی تھی۔ لڑکیاں ایک انچ سے زیادہ اونچی ایڑی والی جوتی نہیں پہن سکتی تھیں۔ لاس اینجلس میں ایسے جوتے پہننے پر ممانعت تھی جس میں شیشے لگے ہوں۔ فرانس میں ننگے پیر چلنا غربت کی علامت تھی۔ بڑے پیر نفرت سے دیکھے

جاتے جبکہ چھوٹے پیر اعلی نسب ہونے کی علامت تھے۔ امیر لوگ بچوں کو تنگ جوتے پہناتے تا ان کے پیر چھوٹ رہیں۔ چین میں بھی چھوٹے پیروں کو مستحب جانا جاتا تھا۔

جوتوں سے علاج

ہندوستان میں جوتے پہننے کا رواج اہل ثروت اور امراء تک ہی محدود رہا تھا۔ عام طور پر لوگ ننگے پیر ہی رہتے اور سفر کرتے تھے۔ جوتے بنانے کا کام گھروں میں ہوتا تھا۔ پنجاب میں ایسے جوتوں کو کھسے کہا جاتا تھا۔ یورپین جوتوں کا استعمال انگریزوں کے ہندوستان پر قابض ہونے کے بعد شروع ہؤا تھا۔ بمبئی، بنگال اور مدراس میں انگریز افواج کے لئے جوتے بنانے کیلئے فیکٹریاں قائم ہو گئیں جہاں ہاتھ سے جوتے بنائے جاتے تھے۔ ہم نے بچپن میں شو میکر کو ہاتھ سے جوتے (چپل) بناتے دیکھا ہؤا ہے۔

برصغیر ہندو پاکستان میں بعض علاقوں میں مرگی کا علاج جوتا سونگھا کر کیا جاتا ہے۔ بعض ایک شفیق مائیں ایسی بھی ہیں جو بچوں کی تربیت اور علاج جوتوں سے کرتی ہیں۔ ماں کی ہر چیز انسان فراموش کر سکتا ہے مگر کھائے جوتے کبھی نہیں بھولتے۔ گھروں میں اگر ایک جوتے پر دوسرا جوتا چڑھ جائے تو کہا جاتا کہ فلاں شخص لمبے سفر پر جائیگا۔ اگر کسی اور کا جوتا پہن لیا جائے تو کہتے ہیں کہ اس کی بد قسمتی پہننے والے کو مل جاتی ہے۔ باپ کا جوتا پہننا اس کے قدموں میں چلنے کے مترادف ہوتا ہے۔ اور انگلش میں لوگ کسی دانشور کے الوداع ہونے پر کہتے ہیں it's hard to fill his shoes. ۔

جوتے اور اردو محاورے

جوتیوں کا صدقہ دیا جاتا ہے جو کہ انکساری کا کلمہ ہے یعنی آپ کی بدولت۔ جوتے کا یار بھی ہوتا یعنی جو طاقتور کا ساتھ دے۔ جوتی پر رکھ کر روٹی بھی کھائی جاتی ہے۔ شوہر کو فرماں بردار بنانے کیلئے جوتی پر کاجل پار کر شوہر کو سرمہ لگایا جاتا ہے۔ جوتی کی نوک پر اتنی جگہ نہیں ہوتی مگر دشمن کو جوتے کی نوک پر رکھا جاتا ہے۔ فضول کوشش کو جوتے توڑنا کہا جاتا ہے۔ جوتا تنگ ہو تو کاٹتا ہے جس کیلئے کلبوت ہوتے جو اس کو کھلا کر دیتے۔ کسی چیز سے لاتعلقی ظاہر کرنا ہو تو میری جوتی سے کہا جاتا۔ شدید لڑائی جھگڑے کو جوتیوں میں دال بٹنا کہا جاتا ہے۔ جوتی پر مارنا (حقیر سمجھنا)، جوتیاں اٹھانا (کسی بزرگ کی خدمت کرنا)، جوتی کی نوک پر مارنا (ذلیل سمجھنا)، جوتی سے (میری بلا سے، کچھ پرواہ نہیں)، جوتیاں بغل میں دبانا (بھاگ جانا)، جوتیاں توڑنا (کوشش کرنا)، جوتیاں سر پر رکھنا (عقیدت کا اظہار کرنا)، جوتیوں سمیت آنکھوں میں بیٹھنا (آنکھوں میں دھول جھونکنا)، جوتیوں میں بیٹھنا (محفل میں ادنیٰ سمجھنا)، جوتی (جوتے کا مؤنث)۔ جب کسی کی بے حد بے عزتی یا ہتک کرنا مقصود ہو تو اس کو گلے میں جوتوں کا ہار پہنا کے شہر میں گھمایا جاتا ہے۔

بی بی سی ایک رپورٹ کے مطابق انڈیا میں ایک ایسا گاؤں انڈمان میں ہے جہاں لوگ جوتے نہیں پہنتے۔ انڈمان جنوبی انڈیا کی ریاست تامل ناڈو کے دار لحکومت چنئی سے 450 کلو میٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہاں 130 گھرانے رہتے ہیں جو کھیتوں میں کام کرتے ہیں۔

یہاں سوائے بزرگوں اور کمزار افراد کے گاؤں میں کوئی بھی جوتے نہیں پہنتا۔ سکول جاتے بچے اور نوجوان جوتے اپنے ہاتھوں میں اٹھائے چلتے ہیں جیسے ان کے جوتے پرس یا بیگ کی طرح کی چیز ہوں۔(بی بی سی کملا تھیاگ راجن 14 مارچ 2019)

جوتوں کی اقسام

جوتوں کی کئی اقسام ہیں جیسے بوٹ، کھڑائین، سینڈل، گرگابی، افغانی چپل، کھسہ، ہوائی چپل، کینوس شوز اور جوگر (casual, sleepers and loafers)۔ جوتوں کی اتنی اوقات اتنی نہیں کہ انہیں پہن کر گھر کے اندر لایا جائے۔ انہیں گھر کی دہلیز پر یا کمرے سے باہر اتار کر رکھ دیا جاتا ہے۔ بعض عبادت گاہوں میں جوتے داخلی دروازے پر ہی اتار دیئے جاتے کیونکہ جوتے ناپاک اور قابل نفرت تصور کئے جاتے۔ ہسپتالوں کے آپریشن تھیٹر میں بھی جوتے اتار دیئے جاتے ہیں۔ جوتا مار ناذلت کی زبان ہے۔

شادی بیاہ کے موقعہ پر جوتوں سے وابستہ رسم کو جوتا چھپائی کہا جاتا ہے جب سالیاں جوتا چھپا کر دولہا سے پیسوں کا تقاضا کرتی ہیں۔ ایسے موقعوں پر دولہا کے دوستوں یاروں اور دلہن کی بہنوں میں نوک جھونک قابل دید ہوتی ہے۔ شاعر کہتا ہے :

دولہا کا جوتا جس نے چرایا منہ مانگا اس نے انعام پایا

جوتے خریدنے کے بعد انہیں سنبھال کر رکھنا مشکل مراحل میں سے گزارتا ہے۔ نامہ محبوب کی طرح چھپانے کے باوجود یہ چوری ہو جاتے ہیں۔ آج کل اچھے سے اچھے جوتے کھونے اور پانے کا مقام تقریب گاہوں کے ساتھ عبادت گاہوں کو بھی گردانا گیا ہے۔ چاہے مشرق ہو یا مغرب جوتے مسجدوں میں اکثر غائب ہو جاتے ہیں۔ بعض لوگ عمداً اور بعض لوگ سہواً دوسروں کے نئے جوتے پہن کر گھر چلے جاتے ہیں۔ اس ضمن میں گجرات شہر کو بہت بدنام کیا جاتا ہے۔ چند سال قبل جب ہم لاہور کی بادشاہی مسجد کی زیارت کیلئے گئے تو داخل ہونے سے قبل جوتے ایک صاحب کو دیئے اور فیس ادا کی کہ جب واپس آئیں گے تو ہمیں ہمارے ہی جوتے بخیریت مل جائیں گے۔ راقم الحروف جب عمرہ کی نیت سے حرمین شریفین کی زیارت کیلئے گیا تھا تو مکہ میں ہوائی چپل (Flipflop) پہن کر جاتا تھا۔ واپسی پر جو چپل ملی پہنی اور چل دیئے۔

جوتے عرصہ دراز تک خوش خبری کی علامت قرار دیئے جاتے رہے۔ جوتے چونکہ امیر لوگ پہنتے تھے اس وجہ سے جوتے عظمت کی علامت جانے جاتے تھے۔ مغربی ممالک میں گھوڑے کی نعل (یعنی جوتے (Horse Shoe) کو خوش قسمتی کی علامت سمجھا جاتا رہا۔ لوگ گھروں میں ان کو دیوار پر لگاتے تھے جیسے ہمارے گھر میں پلاسٹک بنی یہ نعل دیوار پر آویزاں ہے جس میں چابیاں لٹکی ہوئی ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال تھا کہ سفر پر روانہ ہونے سے قبل پرانا جوتا گھر کے باہر لٹکانے سے سفر خیریت سے طے ہوتا ہے۔

سوٹزرلینڈ میں جوتوں کی تاریخ کی نمائش

سوٹزرلینڈ کے شہر بازل کے میوزیم Spielzug welten میں چند سال قبل جوتوں کی نمائش جاری کی گئی جس میں جوتوں کی تین ہزار سالہ تاریخ کو بیان کیا جارہا تھا۔ اس نمائش میں مردوں، عورتوں، بچوں کے 200 پرانے جوتے نمائش کیلئے رکھے گئے۔

نمائش کا نام ہسٹری انڈر یور فیٹ ہے۔ انسانی تاریخ میں جوتوں نے نہ صرف انسانوں کے پاؤں کے تلووں کو محفوظ رکھا ہے بلکہ یہ جوتوں سے انسان کے سوشل مقام کا پتہ بھی لگایا جاتا تھا۔ یا یہ کہ خاص قسم کے جوتے پہننے والا کس سوشل گروپ سے تعلق رکھتا ہے۔ اس نمائش میں سب سے پرانا جوتے کا تعلق مصر کے ملک سے جو ایک ہزار سال قبل مسیح کا ہے۔

ابتدائے آفرینش سے عورتوں کا تعلق چیزوں کے جمع کرنے سے رہا ہے جبکہ مردوں کا تعلق شکار سے رہا ہے۔ نمائش کے ارباب اختیار کا کہنا ہے کہ شاید یہ وجہ ہے کہ عورتوں اور مردوں میں یہ اختلاف رہا ہے کہ کسی کے پاس کتنے جوتے ہونے چاہئیں۔ یورپ میں کئے جانے والے ایک سروے کے مطابق ہر پانچ میں سے ایک عورت کے پاس 20 جوتے ہوتے ہیں۔ جبکہ مردوں میں یہ تناسب ہر بیس میں سے ایک کے پاس اتنے جوتے ہوتے ہیں۔

ہمارے پاؤں کو محفوظ رکھنے کے علاوہ جوتوں کا ایک اہم کام یہ ہوتا ہے کہ پہننے والے کا کیا مقام ہے یا پھر اس کا کسی گروپ یا خاص جماعت سے تعلق ہے۔ مثلاً قدیم مصر میں صرف فرعونوں کو چاندی یا سونے کی پلیٹنگ والے سینڈلز پہننے کی اجازت ہوتی تھی۔ جبکہ عوام الناس ننگے پاؤں گھومتے پھرتے تھے۔ قدیم یونان میں 700 قبل مسیح کے لگ بھگ ایک قانون جاری کیا گیا کہ سینڈلز پر کون ہیرے جواہر لگوا سکتا ہے۔ رومن ایمپائر میں ایسے واضح ہدایات موجود تھیں کہ کون کس قسم کے جوتے پہن سکتا اور ان کو کس طرح ڈیکوریٹ کیا جاسکتا ہے۔ عہد وسطیٰ میں لمبی چونچ والے جوتے کی نوک (ٹپ) کے سائز یہ پتہ لگایا جاتا تھا کہ پہننے والے کی سوشل سٹینڈنگ کیا ہے۔ فرانس کے بادشاہ لوئیس سولہ XIV کے دور حیات 1643-1715 میں صرف بادشاہ اور اشرافیہ سرخ ایڑی والے جوتے پہن سکتے تھے۔ جہاں جوتوں کی اقسام سے انسان کے رتبہ اور دولت کا پتہ چلتا تھا وہاں ارادی طور پر جوتے اتارنے کو بھی خاص مقام حاصل تھا۔ اس سے انسان کی عاجزی، ندامت اور پشیمانی کا اظہار ہوتا ہے۔ متعدد تہذیبوں میں یہ عام رواج تھا کہ جب لوگ دیوتاؤں کے سامنے حاضر ہوتے تو جوتوں کے بغیر ہوتے تھے۔

دنیا میں سب سے زیادہ تعداد میں تاریخی جوتے برطانیہ کے نارتھمپٹن میوزیم اینڈ گلری Northampton Museum & Art Gellery میں ہیں۔ ٹورنٹو کے باٹا میوزیم میں یورپ میں انیسویں صدی میں پہنے والے عورتوں کے جوتے رکھے ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ دنیا کے مشہور کھلاڑیوں، ایکٹرز، سنگرز، اداکاروں، کے جوتے نمائش کیلئے موجود ہیں۔ اسی طرح امریکہ کے اصل باشندوں یعنی ریڈ انڈینز کے مختلف قبائل ہیوران، چیروکی، اپاچی اور لاکوٹا، سولہویں، سترھویں اور اٹھارویں میں جو دیدہ زیب جوتے پہنتے تھے وہ بھی موجود ہیں۔

یہ مضمون لاہور کے رسالہ ہم سب کے صفحات کی زینت بنا تھا

https://www.humsub.com.pk/424269/zakaria-virk-31/

()()()

چائے

(10)چین سے چوری کر کے ہندوستان کیسے لائی گئی؟

چائے کی پیالی پر کتنے رشتے جوڑے جاتے ہیں، بزنس ڈیل کی جاتی ہیں، معاہدے کئے جاتے ہیں، ٹوٹے دل جوڑے جاتے ہیں، پرانی یادیں تازہ کی جاتی ہیں، مضامین لکھے جاتے ہیں، غزلیں لکھی جاتی ہیں، اور محفلیں برپا کی جاتی ہیں۔ یہ سب چائے کے کرشمے ہیں۔ شاذ ہی کوئی ایسا ہو گا جو چائے نہ پیتا ہو اور جو چائے نہیں پیتے وہ عجیب لگتے ہیں۔ چائے کے ساتھ انسان کی بہت سی یادیں جڑی ہوتی ہیں۔ کالج کے زمانے میں ٹک شاپ پر جو چائے پیتے تھے وہ یاد آتا ہے تو میرے تخیل میں بادصبا، گلِ اشرفی کے زرد پھول اور پیلے نرگس آبی سر سرا ہونے لگتے ہیں۔ مٹی، آب و ہوا، سورج کی کرنیں۔ بادل، بارش، دل، سکون قلب، ہم آہنگی، احساس، وقت کی روانگی، آگ اور خوشگوار لمحے سب مل کر چائے بناتے ہیں۔

دنیا میں اس وقت پانی کے بعد چائے سب سے زیادہ پی جاتی ہے اگرچہ بعض ممالک میں چائے اور کافی میں زبردست مقابلہ پایا جاتا ہے۔ مگر چونکہ سبز چائے کے صحت کے فوائد زیادہ ہیں اس لئے اچھی صحت کے پیش نظر چائے زیادہ پی جاتی ہے۔ آج سے 170 سال قبل چین دنیا میں چائے کا واحد پروڈیوسر اور ایکس پورٹر تھا، اس کی اجارہ داری برطانیہ نے کیسے ختم کی اس میں ایک ماہر نباتیات، پلانٹ ہنٹر اور سیاح کا ہاتھ ہے اور اس کی کہانی کچھ یوں ہے۔

سکاٹ لینڈ کے ماہر نباتیات رابرٹ فارچون(1812-1880) Robert Fortune نے 1843 میں چین کا سفر کیا جس کے اخراجات رائیل ہارٹی کلچرل سوسائٹی نے برداشت کئے تھے۔ اس کے چین جانے کا مقصد یہ تھا کہ وہ معلوم کرے چین میں ان مشروبات کی کون سی اقسام ہیں جو برطانیہ میں مقبول عام ہو چکی ہیں۔ چار سال بعد 1847 میں فارچون نے ایک کتاب شائع کی Three Years-92 Wanderings in the Northern Provinces of China جس میں اس نے چین کے شمالی صوبوں میں جہاں چائے کاشت ہوتی تھی وہاں کے حالات قلم بند کئے۔ لیکن 1848 میں جب برٹش انڈیا کمپنی نے اس کو چین جانے کا دوبارہ کہا تو اس کا مقصد کچھ اور تھا یعنی وہ بجائے مطالعہ کے اس دفعہ ان مشروبات کے پودے اور بیج چوری کر کے لائے۔ اس کام کے لئے اس کی سالانہ تنخواہ 500 پاؤنڈ مقرر ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ اس کو ان پودوں کے کمرشل حقوق بھی دیئے گئے جو وہ اس مہم کے دوران حاصل کرے گا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کا خیال تھا کہ اگر چین سے چائے کے بہترین پودے اور بیج حاصل کر لئے جائیں تو پھر ہندوستان میں چائے کی کاشت آسان ہو جائیگی، اور اس تجارت پر قبضہ ہو جائیگا جو انیسویں صدی کی معاشیات اور تجارت میں ریڑھ کی ہڈی کی طرح تھی۔ اس مقصد

کے لئے ایک پلانٹ ہنٹر، جاسوس، باغباں، اور چور کی ضرورت تھی جس میں یہ سارے خواص موجود ہوں۔

ہانگ کانگ کے Museum of Teaware کے مطابقجس وقت فارچون اس مہم پر روانہ ہؤا، اس وقت چین میں چائے کی سالانہ پروڈکشن پچاس ہزار ٹن تھی جس میں انیس ہزار ٹن ایکس پورٹ کر دی جاتی تھی۔ جبکہ 1886 میں پروڈکشن 250,000 ٹن تک پہنچ گئی اور ایکس پورٹ 134,000 ٹن کی جاتی تھی۔ چین کی کل ایکسپورٹ میں چائے 62٪ فی صد تھی۔

اس وقت چین میں چائے دو ہزار سال سے پی جا رہی تھی اور دو سو سال بعد جب برطانیہ کے لوگوں کو اس کا نشہ چڑھ گیا، تو اس وقت برٹش انڈیا کمپنی کی چین سے تجارت پر مونوپلی ختم ہو چکی تھی، چائے کی ڈیمانڈ بڑھ چکی تھی مگر سپلائی بہت کم تھی۔ فارچون نے شنگھائی میں ایک چائے کی فیکٹری کا معائنہ کرنے کا پروگرام بنایا جس کے لئے اس نے چہرے کے بال منڈوا دیئے اور مینڈارین لباس زیب تن کر لیا۔ یوں ایک سرکاری افسر بن کر اس نے خود کو ظاہر کیا کہ وہ چین کے کسی دوسرے صوبے سے یہاں آیا ہے۔ لوگوں کو وہ ٹوٹی پھوٹی چینی زبان میں کہتا کہ میں چین کے ایک دور دراز صوبے سے ہوں جو دیوار چین کے اس پار ہے۔ فیکٹری کے مینجر نے اس کو فیکٹری کا دورہ کرایا جہاں چائے کے پتے درختوں سے توڑے جاتے، ان کو سکھایا جاتا یا پھر ان کو گرم پانی میں ڈالا جاتا تھا۔

اکتوبر 1848 میں اس نے سبز چائے کی فیکٹری کا دورہ کیا اور مینو فیکچرنگ پروسیس کو بغور دیکھا۔ تین مزید فیکٹریوں کا معائنہ کیا اور جنوری 1849 میں وہ شنگھائی واپس آ گیا۔ فیکٹری والوں کو یہ معلوم نہیں تھا کہ فارچون یہاں ایک خاص مشن پر آیا تھا۔ یعنی وہ چائے کے بیجوں کو چوری کرے، ان کو ہارویسٹ کرنے کا طریقہ سمجھے، نیز چائے کو پروسیس کیسے کیا جاتا۔۔ اس کے بعد وہ اس چوری کے مال اور آئیڈیاز کو ہندوستان لے جائے جہاں برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی چین کے مقابل پر چائے بنانے کا منصوبہ شروع کرنے والی تھی تا کہ چین کی چائے پر اجارہ داری کو ختم کر دیا جائے۔ لیکن کسی کو یہ معلوم نہیں تھا کہ فارچون کے اس اقدام سے ہندوستان جلد ہی نہ صرف چائے کا دنیا میں سب سے بڑا پروڈیوسر بلکہ مارکیٹ بھی بن جائیگا۔

انڈیا برانڈ ایکوٹی فاؤنڈیشن India Brand Equity Foundation کے مطابق پچھلے سال چائے کی انڈین ایکسپورٹ $837.33 million تھی اور اس وقت انڈیا، چین کے بعد دنیا میں دوسرے نمبر پر چائے پیدا کرنے والا ملک ہے۔ ایک اندازے کے مطابق 2020 میں چائے کی گلوبل مارکیٹ US$47 ہو جائیگی۔ برطانیہ میں سب سے پہلی بار Chinese Tcha چائنیز چائے 1635 میں فروخت ہوئی تھی جس کی ایک پاؤنڈ کی قیمت آج کے حساب سے $1200

تھی۔ چائے کی پیداوار اور اس کی پروڈکشن چین کے ہاتھ انیسویں صدی کے آخر تک رہی۔ برطانیہ خود چائے کاشت نہ کر سکا بلکہ یہاں چائے ہالینڈ سے آتی تھی۔ اس کے بعد برطانیہ نے چین کے ساتھ معاہدہ کر کے چاندی کے عوض چائے لینا شروع کر دی جو جلد ہی چاندی کے بجائے افیون میں تبدیل ہو گئی جو برطانوی ہندوستان میں بھی کاشت کی جاتی تھی۔

ایسٹ انڈیا کمپنی نے 1788 میں ارادہ کیا کہ چائے کی کاشت ہندوستان میں کی جائے جس سے برطانیہ میں چائے سستی قیمت پر دستیاب ہو جائیگی۔ اس دوران آسام میں کمپنی کے کارندوں نے آسام میں جنگلی چائے کے پودے دریافت کئے جو آخر کار دارجیلنگ (نارتھ بنگال) پہنچ گئے۔ رائیل سوسائٹی آف آرٹس میں دیئے گئے ایک لیکچر میں بتایا گیا کہ چائینز شومیکر اور کارپنٹر کلکتہ سے ان پلانٹیشن میں لے جائے گئے یہ سوچ کر ہر چائینز فرد چائے بنانے اگانے میں ماہر ہوتا ہے باوجود اس کے کہ ان افراد میں سے متعدد نے زندگی میں کبھی چائے کا پودا دیکھا تک بھی نہیں تھا۔ چائے کے اس جنگلی پودے سے ان کو آئیڈیا ملا کہ ہندوستان میں چائے کاشت کی جاسکتی ہے۔

چین سے اپنے مشن کی تکمیل کے بعد فارچون نے کمپنی کو لکھا مجھے یہ آپ کو بتاتے ہوئے مسرت ہوتی ہے کہ میں نے بیجوں اور پودوں کی بڑی تعداد کی سپلائی حاصل کر لی ہے جو مجھے امید ہے کہ یہ بخیریت ہندوستان پہنچ جائے گی۔ فارچون نے یوں 13,000 چائے پودے اور 10,000 بیج جمع کر لئے تھے۔ وہ مہینوں تک ان کو گلاس کی بوتلوں میں سٹور کرتا رہا تاکہ ان کو لمبے سفر کے دوران ہوا اور کافی دھوپ پہنچتی رہے، یہاں سے وہ ان کو ہانگ کانگ لے گیا جہاں اس مال واسباب کو بحری جہاز پر لاد دیا گیا جو ہندوستان جارہا تھا۔ مگر کلکتہ سے جہاز سیلون (سری لنکا) کی طرف موڑ دیا گیا۔ یوں جب تک یہ بیج اور پودے جب ایسٹ انڈیا کمپنی کی بوٹانیکل سٹور یج میں پہنچے یہ گل سڑ چکے تھے۔

اب فارچون نے 1849 میں ایک بار پھر کوشش کی اور Wuyi Mountains سے پودوں کی ہزاروں شاخیں چوری کر لیں جو کالی چائے کے لئے مشہور ہیں۔ فارچون اور اس کے نئے خادم Sing Hoo نے بچوں کو ملازم رکھ لیا کہ وہ بیج جمع کرنے میں ان کی مدد کریں، اس کے ساتھ انہوں نے قریب میں واقع خانقاہ سے پودے خرید لئے۔ ان نمونوں کو وہ شنگھائی لے جا کر ہندوستان بھجوادیا۔ اس دفعہ اس نے بوتلوں کے اندر مٹی بھی رکھدی تاکہ راستے میں سفر کے دوران وہ پھوٹنا شروع ہو جائیں۔ اب تک ہندوستان میں کافی پی جاتی تھی مگر فارچون کی زندگی میں ہی ہندوستان چین سے چائے کی پیداوار میں سبقت لے گیا۔ رفتہ رفتہ کسانوں نے چائے کی پیداوار زیادہ کر دی اور کافی کی کم ہوتی گئی۔ 1869 میں کافی کے پودوں میں fungus لگ گیا اور کافی کی موت میں واقع ہو گئی۔

زندگی کے آخری سالوں میں فارچون اس ارادے سے چین گیا تاکہ امریکہ کے فارمرز کے لئے چائے کے بیج

لائے جوان کو کیرولائنا اور ورجینیا کی ریاستوں میں

کاشت کرنے کے خواہش مند تھے۔ مگر امریکی فارمرز کا یہ خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا کیونکہ سول وار کے بعد کھیتوں میں کام کرنے کیلئے غلام ملنے مشکل ہو گئے۔ فارچون نے جب 1880 میں داعی اجل کو لبیک کہا تو اس وقت چوری کئے ہوئے چائے کے بیجوں کے علاوہ اس کی اسٹیٹ 5$ ملین ڈالر تھی۔ ایک سال بعد لندن کی آکسفورڈ سٹریٹ پر ایک چائے کی دکان کا افتتاح ہؤا جو انڈین ٹی کے لئے مخصوص تھی اور جلد ہی لندن کی مارکیٹوں اور ریستورانوں میں چائے فروخت ہونا شروع ہو گئی۔ ہندوستان میں چائے کی کاشت نے چین کا رول عالمی بساط پر محدود کر دیا۔ ٹی ٹریڈ سے ہانگ کانگ کی کالونی وجود میں آئی، اور برٹس ایمپائر مشرق بعید میں اپنا اسرور سوخ جمانے میں کامیاب ہو گئی۔ اب برطانیہ کی اقتصایات کا انحصار چائے پر تھا۔

اب تک چائے ہندوستانیوں میں مقبول عام نہیں ہوئی تھی۔ لوگ اس کو انگلش مشروب کہتے تھے۔ اس کو زیادہ تر برٹش امیگرینٹ یا ان سے سروکار رکھنے والے افراد پیتے تھے۔ ہندوستان کے بٹوارے کے بعد انڈیا ٹی بورڈ نے ایک اشتہاری مہم شروع کی اور جلد ہی یہ مہم رنگ لائی۔ اس وقت چائے ہندوستانیوں کا پسندیدہ مشروب ہے۔

فارچون کے نام پر پودے

برطانیہ میں بارہ پودے ایسے ہیں جو فارچون کے نام سے منسوب ہیں۔ یہ پودے یورپ میں نہیں پائے جاتے تھے وہ چین سے لے کر آیا تھا۔

()()()

(11)لندن، لندن اِستان کیوں بنتا جارہا ہے

کیا برطانیہ اسلامی ممالک سے زیادہ اسلامی ہے؟

ایسے لگتا ہے جیسے برطانیہ قریب قریب اسلامی ملک بن گیا ہے۔

برطانیہ میں اس وقت 423 مساجد اور شریعہ عدالتیں کام کر رہی ہیں۔ مقامی میڈیا رپورٹ کے مطابق مبلغ اسلام مولانا سید رضا رضوی کا کہنا ہے ایسا لگتا ہے لندن تمام اسلامی ممالک کو ملا کر بھی زیادہ اسلامی لگتا ہے۔

اسلامک شریعہ کونسل ایسی آرگنائزیشن ہے جو مسلمانوں کو مشورے اور تنازعات میں اسلامی شریعہ کے مطابق فیصلے دیتی ہے۔ کونسل زیادہ تر ایسے مقدمات کو زیر سماعت لاتی جن کا تعلق شادی، طلاق، اور کسی حد تک فنانس اور بزنس سے ہوتا ہے۔ کونسل کے جاری کردہ اعلامئے کے مطابق 2012 سے اب تک ہر مہینے دو سو سے تین سو تک مقدمات کو نپٹاتی ہے۔ برطانیہ میں اسلامی شریعہ کونسل کو کوئی قانونی اتھارٹی حاصل نہیں ہے۔ اکثر مسلمان رضاکارانہ طور پر ان کے پاس مقدمات لے کر آتے ہیں۔ کونسل کے فیصلہ جات کا اگر برٹش قوانین کے ساتھ تصادم ہو تو برٹش قانون کو فوقیت حاصل ہوتی ہے۔

لندن کے 500 کے قریب چرچ پراپرٹی کو سن 2001 سے اب تک پرائیوٹ رہائش گاہوں میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ جبکہ اسی عرصہ کے دوران مسجدیں بہار کے پھولوں کی طرح جگہ جگہ نظر آنی شروع ہو گئی ہیں۔ دو سال کے عرصہ یعنی 2012-2014 کے دوران ایسے لوگ جو خود کو انگیلی کن کہتے تھے ان کی تعداد اکیس فی صد سے گر کر سترہ فی صد ہو گئی ہے۔ یعنی 1.7 ملین افراد کی کمی آگئی ہے۔ نیشنل سینٹر سوشل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے مطابق مسلمان دس لاکھ کی تعداد میں بڑھ گئے ہیں۔ ایک ہی نسل کی مدت کے دوران چرچ جانے والے افراد میں نمایاں کمی آئی ہے۔ جبکہ اس عرصہ میں جمعہ کی نماز کیلئے جانے والے افراد کی تعداد میں زبردست اضافہ ہؤا ہے۔

امریکہ میں اینٹی شریعہ قانون سازی

لندن کے برعکس امریکہ کی 43 ریاستوں میں اینٹی شریعہ قانون سازی ہو چکی ہے۔ محض 2017 میں چودہ ریاستوں میں اسلامی شریعت کے خلاف قانون سازی کی گئی اور دو ریاستوں ارکنساس، ٹیکساس نے اس پر عمل درآمد بھی شروع کر دیا تھا۔ امریکہ میں اس اینٹی شریعہ تحریک کا بانی ڈیوڈ یرو شلمی ہے۔ اس تحریک کا نصب العین امریکن عدالتوں میں امریکی قوانین کا نفاذ ہے اور کسی غیر ملکی قانون (شرعی قوانین) کے امریکی عدالتوں میں نفاذ کے خلاف رکاوٹیں پیدا کرنا ہے۔

لندن میں شرعی عدالتیں

لندن میں اس وقت شرعی عدالتیں جگہ جگہ قائم اور کام کر رہی ہیں۔ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق ایسی عدالتوں کی تعداد100 ہے۔ سول کورٹس کے متوازی اس نظام عدالت کی وجہ برٹش آربٹریشن ایکٹ اور مسلم آربٹریشن ٹرئی بیونل (الٹرنیٹوڈ سپیوٹ ریزولیوشن سسٹم) ہے۔

اسلامی شرعی قانون کو برطانیہ میں دو صورتوں میں عام دیکھا جاتا ہے یعنی حلال گوشت اور دوسرے مارٹ گیجز اور انوسٹ منٹ جو شریعت کے مطابق ہوتی ہیں۔ اسلامی شرعی قانون کے مطابق نکاح شادیاں بھی ہوتی ہیں مگر ان کو سول کورٹ میں رجسٹر کروانا پڑتا ہے۔

اس کے علاوہ برٹش یونیورسٹیوں میں اسلامی قانون کی تعلیم دی جارہی ہے۔ لندن کے مسلم میئر صادق خاں کا کہنا ہے کہ دہشت پسند ہمارے ملٹی کلچرزم نظام کو بالکل ہضم نہیں کر سکتے۔ لندن میں اس وقت 423 نئ مساجد ہیں جو نمازوں کے اوقات میں جوق در جوق بھری ہوتی ہیں۔

کچھ عرصہ قبل اخبار ڈیلی میل نے ایک مسجد اور چرچ جو ایک دوسرے کے نزدیک ڈاؤن ٹاؤن میں واقع ہیں ان کی تصویر شائع کی تھی۔ چرچ آف سینٹ جار جیو جس میں1230، افراد کیلئے عبادت کی جگہ ہے اتوار کے روز ماس کیلئے صرف بارہ اشخاص موجود تھے۔ چرچ آف سینٹا ماریا میں بیس افراد حاضر تھے۔ اس کے قریب واقع برون سٹریٹ ایسٹیٹ کی مسجد میں خلقت کا اتنا ہجوم تھا کہ تل دھرنے کی جگہ نہیں تھی۔ اس مسجد کے بڑے کمرے میں صرف 100 نمازی سما سکتے ہیں۔

ایک محتاط اندازے کے مطابق2020 تک مسلمان نمازیوں کی تعداد683,000 ہو جائیگی جبکہ عیسائی عبادت گزاروں کی تعداد679,000 رہ جائیگی۔ یاد رہے کہ
2001 سے لے کر اب تک لندن کے 500 کلیساؤں کو رہائشی مکانوں میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔

()()()

(12)انٹرنیشنل سپیس سٹیشن ISS میں شب وروز

جب انسان خلاء میں جاتا تو وہاں وہ خارج الارض مخلوق یا نامانوس مخلوق بن جاتا ہے۔ خلاء میں جب کوئی اسٹرونات سونا چاہتا تو وہ سلیپنگ بیگ میں داخل ہو جاتا جو دیوار پر رسی سے بندھا ہوتا۔ جس کمرے وہ سوتا اس کا سائز جہاز میں ٹائلٹ کے کمرے سے زیادہ نہیں ہوتا۔ زمین پر اس کے برعکس ہوتا یعنی جب آپ تھک کر بستر پر دراز ہوتے تو انسان ریلیکس ہو جاتا ہے۔ لیکن خلاء میں کوئی قوت تجاذب نہیں اسلئے کبھی بھی یہ محسوس نہیں ہوتا کہ آپ کی ٹانگوں پر سے وزن ختم ہو گیا اور انسان سکون محسوس کرنے لگے۔

خلاء میں انسان سوتا کیسے ؟

انسان نے سونا بھی کس ڈھنگ (پوزیشن) سے ہے، یہ بھی ایک مسئلہ ہے۔ مسئلہ یہ ہوتا کہ آپ نے اپنے بازو سلیپنگ بیگ کے اندر رکھ کر سونا ہے یا کہ باہر لٹکے ہوں۔ اگر بازو باہر ہوں گے تو وہ زیرو گریویٹی کی وجہ سے ہوا میں فلوٹ ہو رہے ہوں گے گویا کہ وہ آپ کے جسم سے الگ ہو رہے ہیں۔

ہر روز چھ مرد یا عورت اسٹرونات انٹرنیشنل سپیس سٹیشن میں مصروف کار رہتے ہیں اور ایسا 2000ء سے یعنی سے ہو رہا ہے۔ یہ سٹیشن اتنا بڑا ہے کہ زمین پر جب یہ ہمارے اوپر سے گزرتا تو ہم اس کو آسمان پر سفر کرتے دیکھ سکتے ہیں۔

سپیس سٹیشن دراصل جائنٹ آپریشن ہے جس میں نصف اسٹرانات امریکی اور نصف روسی ہوتے ہیں۔ نیوی گیشن اور تمام آپریشنز آپس میں شئیر کئے جاتے ہیں۔ سٹیشن کمانڈر کا رول کاسمونات اور اسٹرونات میں بدلتا رہتا ہے۔ ہفتے میں کام کے دنوں کے دوران رشین اور امریکن اپنے اپنے ماڈول میں مصروف کار رہتے، لیکن سٹیشن کا عملہ اکھٹے مل کر کھانا کھاتے اور فارغ اوقات میں وقت اکھٹے گزارتے ہیں۔

روزانہ کا معمول

ہر دن کا آغاز پلیننگ کانفرنس سے شروع اور ختم ہوتا ہے۔ اگرچہ اسٹرونات سپیس سٹیشن کے اندر کام کرتے اور رہتے لیکن اس کو اڑانے کی ذمہ داری ہوسٹن اور ماسکو میں مشن کنٹرول کی ہوتی ہے۔ کس شخص نے کون سا کام کس روز کرنا ہے یہ سب سپریڈ شیٹ پر لکھا ہوتا ہے یوں ہر اسٹرونات کو گھنٹے دیئے جاتے کہ اس نے اس عرصہ میں یہ کام مکمل کرنا ہے۔ اسٹرونات روزانہ ساڑھے گیارہ گھنٹے 7:30-7 pm کام کرتے ہیں۔ ویک اینڈ پر چھٹی مگر عموماً ہفتہ کا دن صفائی میں گزر جاتا جیسے عموماً انسان زمین پر اپنے گھر کی صفائی ویک اینڈ پر کرتا ہے۔ تمام اسٹرونات اعلیٰ تعلیم یافتہ اور جملہ امور

کو سر انجام دینے کیلئے کمر کس کے بیٹھے ہوتے ہیں۔ وہ یکے بعد دیگرے مختلف کام کر سکتے جن میں سے بعض کیلئے دماغ سوزی کی ضرورت ہوتی (جیسے زمین پر موجود سائنسدانوں کیساتھ ریسرچ پر کام کرنا)، اور بعض ایک کام اکتا دینے والے، جیسے گاربیج میں اشیاء پھینکنے سے قبل ان کے سیریئل نمبر ریکارڈ کرنا، جن کو بعد میں خلاء کی نذر کر دیا جاتا ہے۔ کوئی شخص بھی urine container کو صاف کرنے کے کام کیلئے خود کو پیش نہیں کرتا یا ائیر فلٹرز کا بدلنے کیلئے۔ خلاء میں پیشاب کو اکٹھا کر کے فلٹر کرنے کے بعد پینے کیلئے استعمال کیا جاتا ہے۔

اسٹرونات کا سب سے محبوب مشغلہ اپنے نیچے زمین کو گردش کرتے دیکھنا ہے۔ سٹیشن میں ٹیلی فون سے اسٹرونات کسی کو کسی بھی وقت فون کر سکتے ہیں۔ اپنے خاندان کیساتھ یہ آئی پیڈز iPads پر ویڈیو کانفرنس کر سکتے۔ یہاں موویز اور کتابوں کا بھی ذخیرہ ہے۔ سب سے ہیجان خیز سپیس واک ہے۔ جب اسٹرونات سٹیشن سے باہر ہوتا تو وہ ایک آدمی کے سپیس کرافٹ میں آزاد جرم فلکی ہوتا۔ گویا وہ زمین کا چاند ہے جو 17,500 میل فی گھنٹہ کی رفتار سے سے مدار پر چکر لگا رہا ہے۔ اسٹرونات جب اپنے جوتوں کے درمیان سے زمین کو دیکھتا تو زمین ایک ملین فٹ نیچے نظر آتی ہے۔ سپیس واک کا مقصد سٹیشن کو قائم نیز چالو رکھنا اور مرمت ہے۔ ئی ایس ایس سپیس سٹیشن میں اوپر یا نیچے کا تصور عدم ہے۔

ورزش کرنا

سٹیشن میں مشق کرنے کے بائیک کے ہینڈل بار نہیں ہیں اور اس کی سیٹ بھی نہیں ہے۔ قوت تجاذب کی عدم موجودگی میں پیڈل کرنا بہت ہی آسان ہے۔ ہوا میں معلق انسان پسندیدہ فلم بھی دیکھ سکتا ہے کیونکہ انسان لیپ ٹاپ کہیں بھی رکھ سکتا ہے۔ لیکن سٹیشن کے مکینوں کو ایک ہی جگہ پر زیادہ دیر تک رہنا مفید نہیں ہوتا، کیونکہ ہوا سر کولیٹ نہیں ہوتی اور جسم سے نکلنے والی کاربن ڈائی آکسائیڈ سر کے ارد گرد بادل سا بنا دیتی اور انسان کو سر درد شروع ہو جاتی جس کو کاربن ڈائی آکسائیڈ سر درد کہا جاتا ہے۔

غذا، اور صحت

آج سے بیس سال پہلے اسٹرونات کو جو فوڈ کھانے کیلئے دی جاتی تھی، اس سے آج کی فوڈ بہت بہتر ہے اگرچہ آج بھی تمام غذا ویکوم پیکڈ اور ڈبوں canned میں بند ہوتی ہے۔ ہر دو ماہ بعد جب کارگو شپ مالٹے لاتا تو تمام افراد فرط جذبات میں آجاتے۔

سپیس میں نیوٹن کے قوانین آپ کی زندگی پر ہر وقت ہر حالت میں لاگو ہوتے ہیں۔ اگر آپ اپنے لیپ ٹاپ پر ٹائپ کر رہے ہیں تو آپ کی بورڈ پر قوت لگاتے تو آپ کو پیچھے کی طرف پھینک دیا جاتا اور ہوا میں معلق ہو جاتے۔ زمین پر

جب ہم کھانا بناتے تو قوت تجاذب کی وجہ سے پیاز کے چھلکے گاربیج بیگ میں پھینکتے مگر خلاء میں ایسا ممکن نہیں۔ انسان جب زیرہ گریویٹی میں ہوتا تو جسم میں تمام فلوڈز بھی زیرو گریوٹی میں ہوتے۔ بعض اسٹرونٹ کے فلوایڈ fluids ناک میں چلے جاتے اور بعض کے چہروں پر سوجن نمودار ہو جاتی۔

قوت تجاذب کی عدم موجودگی میں انسان کی ہڈیاں بھی متاثر ہوتیں، بلکہ کم اور کمزور ہو جاتیں۔ وزن کے بغیر ہڈیاں جسم میں تازہ سیل کم مقدار میں بناتیں۔ عورت ہو یا مرد خلاء میں اسٹرونٹ کی ہڈیاں ایک فی صد کم ہو جاتیں۔ اسکا بس ایک ہی علاج ہے کہ اسٹرونٹ مسلسل جسمانی ورزش کرتے رہیں۔ ورزش کیلئے بائیسکل، ٹریڈ مل اور ویٹ مشین ہیں۔ ہر فرد کو ڈھائی گھنٹے ورزش کی اجازت ہوتی ہے۔

سٹیشن کے اندر پسینہ جسم کے ساتھ چپک جاتا ہے، بازوؤں، سر پر آنکھوں کے ارد گرد پسینہ ہی پسینہ ہوتا ہے۔ پسینہ صاف کرنے کیلئے اسٹرونٹ ڈرائی ٹاول استعمال کرتے مگر غسل (شاور) لینے کیلئے وہ ترستے ہیں۔ زیرو گریویٹی کا اثر آنکھوں پر سب سے زیادہ ہوتا کیونکہ تمام باڈی فلوایڈز اوپر کی طرف جاتے جو آنکھ کے ڈھیلے کو چپٹا کر دیتے ہیں۔ کئی اسٹرونٹ کیساتھ ایسا ہوا کہ وہ چھ مہینے کے عرصے کے دوران پڑھنے سے محروم ہوگئے۔ خلاء میں اکثر اسٹرونٹ نزدیک کی چیزوں کو نہیں دیکھ سکتے۔

آئی ایس ایس پر بیت الخلاء میں جانا بھی مشکل کام ہوتا ہے۔ ٹائیلٹ پر بیٹھنے کیلئے خود کو رانوں کے اوپر فیبرک فاسٹنر لگایا جاتا ہے پاؤں اسٹرونٹ ٹو بار Toe bar کے نیچے رکھ لیتے ہیں۔ ٹائیلٹ میں بجائے پانی کے فلش کرنے کیلئے فلوئینگ ائیر استعمال کی جاتی۔ ہوا کی وجہ سے ہی جسم میں سے فضلا باہر آتا ہے۔ فضلاء سٹوریج کنٹینر میں رکھا جاتا، زمین پر واپس آکر اس کو ضائع کر دیا جاتا۔ پیشاب کیلئے سٹیشن میں سپیشل واٹر ٹریٹمنٹ پلانٹ ہے جس کے ذریعہ یہ واپس پینے کی پانی تبدیل کر دیا جاتا۔ وہ اسٹرونٹ جو خلاء میں جا کر مرمت کا کام کرتے ہیں ان کو سپر ابزاربینٹ ڈائپر پہننے پڑتے ہیں۔ اسٹرونٹ جب زمین کی طرف واپس لوٹتے اس وقت بھی انہوں نے ڈائپر پہنے ہوتے۔

ڈائری

سات سال تک یعنی 2003-2010 ایسے اسٹرونٹ جنہوں نے سٹیشن پر خدمت کی تھی وہ ڈائری میں ہر روز پیش آنے والے واقعات اور کاموں کا اندراج کرتے جاتے تھے۔ ان ڈائریوں سے معلوم ہوتا کہ بعض اسٹرونٹ سپیس میں لائف سے بہت مطمئن ہوتے اور بعض دفعہ وہ بور ہو جاتے یا برانگیختہ ہو جاتے تھے۔ اکثر نے یہ شکایت کی چھ ماہ کا عرصہ خلاء میں بہت لمبا عرصہ ہے، یعنی فیملی اور فرینڈز کے بغیر رہنا، تازہ فروٹ کے بغیر، بارش اور دھوپ کے بغیر رہنا،

قوت تجاذب کو محسوس نہ کرنا۔ اور تو اور یہاں غسل اور لانڈری کا انتظام بھی نہیں ہے۔

تجربات

11 جون 2015ء کے اخباروں میں یہ خبر شائع ہوئی ہے کہ چھ ماہ کا عرصہ آئی ایس ایس پر گزارنے کے بعد تین اسٹرونات واپس زمین پر لوٹے ہیں۔ تین اسٹرونات جن کا تعلق رشیا، اٹلی (کی خاتون)، اور امریکہ سے ہے، ان کا سایوز Soyuz سپیس کرافٹ قزاقستان کے درختوں سے خالی وسیع میدانی علاقے میں آن گرا تھا۔

آئی ایس ایس میں کئی قسم کے تجربات سائنس کی مختلف شاخوں میں کئے جاتے ہیں جیسے ایسٹرو بیالوجی، اسٹرانومی، لائف سائنسز، سپیس میڈیسن، فزیکل سائنسز، سپیس میڈیسن، اور میٹرئیل سائنس۔ امریکہ جرمنی کینیڈا برطانیہ کے سکولوں کے بچے تجربات تیار کر کے آئی ایس ایس پر بھیجتے ہیں اور پھر ان کے نتائج کا مطالعہ کرتے ہیں۔ مثلاً بچوں نے ایک بار مٹر کے بیج سپیس میں اگانے کیلئے بھیجے تھے کہ کشش ثقل کے بغیر وہ خلاء میں کیسے اگتے ہیں۔

بشکریہ، ریڈرز ڈائجسٹ، مئی 2015ء

تلخیص مضمون Jogging on the Int. Space Station اس مضمون میں کچھ اضافات راقم نے کئے ہیں

()()()

(13)سائنسدانوں کی ناقابل یقین دھوکے بازیاں

سائنسدانوں کو عموماً ایمان دار، سمجھ دار، اچھے کردار والے، ذہین و فطین، عقلمند اور دانشور تصور کیا جاتا ہے۔ مگر بعض ایسے سائنسداں بھی ہو گزرے ہیں جنہوں فراڈ اور دھوکے سے سائنس میں ایسے تجربات سے نتائج پیدا کئے جن کا پیدا ہونا ممکن نہیں تھا۔

آج سے آٹھ سال قبل پاکستانی خود ساختہ موجد آغا وقار احمد نے جولائی 2012ء میں دعویٰ کیا تھا کہ وہ واٹر مالیکیول کو اللہ کے فضل سے آکسیجن اور ہائڈروجن ایٹمز میں بغیر انرجی کے تقسیم کر سکتا ہے۔ اس ایجاد سے وطن عزیز کا انرجی کا بحران ختم ہو جائیگا اور لوگوں کیلئے ملازمت کے مواقع پیدا ہوں گے۔ کابینہ کے اجلاسوں میں وفاقی وزراء نے پروفیسر احمد اور اس کی نئی ایجاد سے چلنے والی کار کی بے حد تعریف کی۔ مذہبی امور کے وزیر خورشید شاہ ٹیلی ویژن پر مسٹر احمد اور اس کی سوزوکی کیساتھ شان و شوکت سے جلوہ گر ہوئے جو واٹر کٹ سے چل رہی تھی۔ ملک کے عالمی شہرت یا بدنامی والے سائنسدان عبد القدیر خاں نے کہا کہ میں نے اس معاملہ کی تحقیق کی ہے اور اس میں کسی بھی قسم کا فراڈ نہیں ہے۔ بس اس کے بعد تو پروفیسر کی شہرت آسمان تک پہنچ گئی۔ پروفیسر آغا احمد نے کہا کہ اس نے دس لیٹر پر 250 میل تک کار چلائی ہے۔ یاد رہے کہ پروفیسر موصوف نے خیر پور سے میکینکل انجنیئرنگ میں 1990ء میں ڈگری حاصل کی، مقامی پولیس میں ملازم رہے اور اس اعلان کے وقت بے روزگار تھے۔ اس سنسنی خیز خبر پر اپنے رد عمل کا اظہار پروفیسر ہود بھائی نے یوں کیا کہ ملک اس وقت جہالت کی اتھاہ گہرائیوں میں گر چکا ہے۔ یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں پاکستان میں ایسے دعوے کرنا عام بات ہے۔ 2010ء میں ہائر کمیشن کے سربراہ پروفیسر عطاء الرحمن نے کہا تھا کہ امریکی حکومت الاسکا میں ایسے سائنس پروجیکٹ پر کام کر رہی ہے تاکہ دنیا کا موسم تبدیل کیا جاسکے۔ اس کے بعد دنیا میں زبردست سیلاب، سونامی اور زلزلے آئیں گے۔ (نیویارک ٹائمز 5، اگست 2012ء)

سائنسدانوں کے اس قسم کے فراڈ، فریب اور دھوکہ بازی کوئی نئی بات نہیں ہے۔ اس مضمون میں ہم عہد قدیم سے لے کر عہد جدید تک کے سائنسدانوں کے دھوکے بازی کے ناقابل یقین، حیران کن واقعات ہم پیش کر رہے ہیں۔

بڑے بڑے ممتاز سائنسدان دھوکے بازی سے باز نہیں رہے۔ مغربی دنیا ایک ہزار پانچ سو سال تک یونانی سائنسداں بطلیموس (Ptolemy d168) کے نظام ہیئت کو مقدس و مکمل جان کر اس پر یقین کرتی رہی۔ اس نظام ہیئت میں زمین کائنات کا مرکز تھی۔ اپنی تھیوریز کو اس نے جس طرح تجربات کے ذریعہ ثابت کیا اس کیلئے اس پر تعریف و توصیف کے ڈونگرے برسائے جاتے رہے۔ کوپرنیکس (م1534) کے نظام ہیئت نے اس کے نظام کائنات کو غلط ثابت کر دیا اس کے باوجود سکالرز اس کی قدر بہ حیثیت عظیم المرتبت سائنسدان کرتے رہے۔ مگر بیسویں صدی میں ہیئت دانوں نے اس کے نتائج کو شک کی نگاہ سے

دیکھنا شروع کیا۔ کیونکہ یہ نتائج اتنے اعلیٰ تھے کہ ان کی سچائی پر شک ہوتا تھا۔ مزید تحقیق پر پتہ چلا کہ جن تجربات کا اس نے دعویٰ کیا تھا، ان کا کئے جانا ہی لامحال تھا۔ جب اس کے نتائج کو مکمل طور پر جانچا گیا تو معلوم ہؤا کہ اگر یہ مشاہدات بحیرہ روم کے جزیرہ رھوڈRhode سے کئے جاتے تو ان کا ہونا ممکن تھا جبکہ بطلیموس اسکندریہ (مصر) میں رہتا تھا۔ بطلیموس سے چند صدیاں قبل یونانی سائنسدان ہپارکس نے یہی مشاہدات جزیرہ رھوڈ Rhodes میں کئے تھے۔ بجائے اس کے کہ بطلیموس باہر جاتا اور مشاہدات خود کرتا اس نے اسکندریہ کی مشہور لائبریری کے پر شکوہ عمارت کے اندر بیٹھ کر ہپارکس کے نتائج کو نقل کر کے ان کے اپنے ہونے دعویٰ کر دیا۔ اس کے بعد فیصلہ کن معاملہ اس وقت سامنے آیا جب محققین نے1932ء میں خزاں کے اعتدالین کا صحیح وقت کیلکولیٹ کیا۔ بطلیموس نے کہا تھا کہ اس نے 25 ستمبر2بجے اس کا مشاہدہ کیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ24 ستمبر کو9:54am کو واقع ہؤا تھا۔

بطلیموس ہی ایسا کاسمالوجسٹ نہیں تھا جس نے دھوکہ بازی کی تھی۔ اطالوی سائنسداں گیلی لیو (Galileo 1642) کے بارے میں اب پتہ چلا ہے کہ اس نے بہت سارے تجربات نہیں کئے تھے جو کشش ثقل کی تحقیقات کے دوران اس کے بقول کئے گئے تھے۔ ان تجربات کیلئے اس نے جو خام مواد استعمال کیا تھا اگر اس نے واقعی وہی استعمال کیا ہوتا تو تجربات ہرگز کامیاب نہ ہوتے۔ اس کے بہت سارے ہم عصر سائنسدانوں نے اس کے مزعومہ تجربات کو دوبارہ اپنے طور پر کرنا چاہا تو وہ کامیاب نہ ہوئے۔

جان ڈالٹن(Dalton 1844) کی شہرت اس وجہ سے کہ اس نے مادہ کی اٹامک تھیوری پیش کی تھی۔ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے تھیوری کی سپورٹ کیلئے تجرباتی ڈیٹا میں ادل بدل کیا تھا۔ حتکہ آئزک نیوٹن نے اپنی شہرہ آفاق کتاب پرنسپیا میں میتھے میٹکس (حساب) میں گڑبڑ کی تھی تاکہ قانون ثقل کی تھیوری کیلئے قائل کرنیوالا کیس بنایا جاسکے۔

مارکوپولو کا مزعومہ سفر چین

مارکوپولو(Marco Polo 1342) کی کتاب جو اس نے مزعومہ طور پر چین کے سفر کے بعد لکھی تھی یعنی ڈسکرپشن آف دی ورلڈ(1298ء) وہ شاید کسی بھوت نے لکھی تھی۔ کتاب میں کہیں بھی چینی قوم کے پاؤں کو باندھنے، چاپ سٹکس یا دیوار چین کا ذکر نہیں ہے۔ ہاں اس نے چند ایک چینی اختراعات وایجادات کا ذکر کیا جس کا یورپین اقوام کو علم نہ تھا۔ جیسے پیپر منی اور کوئلے کا جلایا جانا۔ ممکن ہے اس کو ان باتوں کا علم ان تاجروں کے ذریعہ ہؤا ہو جن سے اس کے خاندان کے افراد بزنس کرتے تھے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس کا گھوسٹ رائٹر Rustichello da Pisa ہو جس کو مارکو نے اپنی یادداشت جے نووGenoal میں قید کے دوران املا کروائی تھی۔ یا پھر اس نے اصلیت سے مشابہت پیدا کرنے کیلئے مواد میں خود ہی اضافہ کر دیا ہو۔

جرمن عضویات دان ارنسٹ ہائینرک ہیکل(Haeckel 1919) متروک شدہ بائیوجینٹک لاء کی وجہ سے مشہور ہے۔ کہا

جاتا ہے کہ اس قانون نے ڈارون کی ارتقائی سائنسی سوچ میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ ڈارون نے کتاب اوریجن آف سپیسیز (1859) میں اس قانون کا بالکل ارداۃً ذکر نہ کیا البتہ ہیگل Hegel نے vertebrae physiology میں اہم سائنسی کام کا ذکر کیا تھا۔ برطانیہ کے ماہر جینیات مائیکل رچرڈسن نے 1990 کی وسط دہائی میں دیکھا کہ ایک ڈایاگرام میں ہیکل نے ڈیویلپنگ ایمبریو developing embryo کی اشکال میں کافی حد تک حقیقت کے برعکس تبدیلی کی تھی تاکہ اس کے بائیوجینیٹک لاء کو صحیح ثابت کیا جاسکے۔

فرنچ سائنسداں کی دھوکے بازی

لوئیس پاسٹور (Pasteur 1895) نے دو موقعوں پر دھوکے بازی کی تھی۔ ایک تو 1881ء میں بھیڑوں کے انتھریکس کے خلاف ٹیکہ، اور دوسرے 1885ء میں انسانوں کے باؤلے کتے کے کاٹنے کے جنون کیلئے ٹیکہ۔ بھیڑوں کیلئے ٹیکے کے متعلق اس نے کہا کہ ٹیکہ اس نے خود بنایا تھا جبکہ حقیقت یہ تھی کہ اس کے معاون شریک کار چارلس چیمبر لینڈ (1908) نے ٹیکے کا طریق کار وضع کیا تھا۔ دوسرے واقعے میں دھوکے بازی یہ تھی کہ اس نے دعویٰ کیا تھا کہ اس نے کتوں پر تجربات کئے تھے قبل اس کے جنون سے مزاحمت اور بچاؤ کیلئے ٹیکہ لگایا جاتا۔ جس شخص کو باؤلے کتے کی کاٹ سے بچاؤ کا ٹیکہ لگایا گیا تھا وہ جوزف مائسٹر Meister تھا جو خوش قسمتی سے بچ گیا حالانکہ کتوں پر تجربات نہیں کئے گئے تھے۔ ٹیکے کے بغیر مائسٹر نے مر تو جانا ہی تھا مگر لوئیس پاسٹور دراصل ٹیکہ لگا کر رسک لے رہا تھا۔ بچ گیا تو شہرت ورنہ مرنہ تو اس نے ہے ہی۔ دونوں صورتوں میں دھوکے بازی کا مقصد یہ تھا کہ پاسٹور خود کو ماسٹر سائنسٹسٹ ثابت کرسکے۔

سر چارلس وھیٹ سٹون (Sir Charles Wheatstone 1875) کی شہرت بجلی میں تجربات کی اور ٹیلی گرافی کی بناء پر ہے نیز اس کا نام وھیٹ سٹون برج کی وجہ سے بھی زبان زد عام ہے۔ اس کا پس منظر یوں ہے کہ سکاٹش موجد الیگنڈر بین کا دماغ زرخیز ترین تھا جس نے نئی ایجاد شدہ بجلی کی فیلڈ میں نت نئے اضافے کئے۔ جیسے اس نے الیکٹرک کلاک بنائی، ٹیلی گراف سسٹم، ریلوے سیفٹی سسٹم، دور سے گھڑیوں کے اوقات (سنکرونائز) ایک جیسے کرنا، الیکٹرک کیبلز کو انسولیٹ کرنا وغیرہ۔ رسالہ میکنکس میگزین کے مدیر نے اس کا تعارف وھیٹ سٹون سے کروایا۔ بین Bain 1840 میں لندن آیا اور وھیٹ سٹون سے ملاقات کے دوران اپنی ایجادات دکھائیں بشمول الیکٹرک کلاک کے۔ بوڑھا سائنسدان ان ایجادات سے متاثر نہ ہؤا، اس کے نزدیک ان کی وقعت کھلونوں سے زیادہ نہیں تھی۔ بین نے اس کی باتوں کو زیادہ اہمیت نہ دی اور پیٹنٹ کیلئے اپلائی کر دیا۔ کچھ مہینوں بعد وھیٹ سٹون نے رائیل سوسائٹی کو الیکٹرک کلاک دکھائی جو اس نے ایجاد کی تھی۔ اس کے بعد وھیٹ سٹون نے، بین کے دیگر پیٹنٹ کے خلاف درخواست دی جو مسترد کر دی گئی۔ اب اس نے الیکٹرک ٹیلی گراف کمپنی قائم کرلی اور بین کی

بہت ساری ایجادات کا استعمال شروع کر دیا۔ اس نے حکومت سے انوسٹمنٹ کیلئے درخواست دی تو ہاؤس آف لارڈز نے انکوائری شروع کر دی جس میں مسٹر بین بطور گواہ کے پیش ہؤا۔ وھیٹ سٹون کی چوری پکڑی گئی اور کمپنی کو مجبور کیا گیا کہ وہ بین کو ہر جانے کی رقم ادا کرے۔ امریکہ میں بین کی ایجادات کی بڑے پیمانے پر چوری کی گئی اور لوگ دولت مند ہو گئے۔

امیونالوجی کا موجد

برطانوی فزیشن اور سائنسدان ایڈورڈ جینز (Edward Jenner 1823) کو چیچک ٹیکے کا رہبر اور امیونالوجی کا جد امجد کہا جاتا ہے۔ تاریخ میں یہ بات محفوظ ہے کہ جینز کو احساس ہؤا کہ چیچک سے بچاؤ اور دفاع اس کی milder strain یعنی گائے کو لگنے والی بیماری کاؤپاکس Cowpox کا ٹیکہ لگانے سے ممکن ہو سکتا ہے۔ مئی 1796ء میں اس نے اپنے مالی کے بیٹے آٹھ سالہ بچے جیمز فپس Phipps کو دونوں بازوؤں میں کاؤپاکس کا ٹیکہ لگایا اور کچھ ہفتوں بعد چیچک کا۔ جینز نے دعویٰ کیا کہ فپس میں کاؤپاکس کے ٹیکے سے قوت مدافعت پیدا ہو گئی ہے اور وہ مزید بیماریوں سے مامون ہو گیا ہے۔ جینز کو معلوم تھا کہ بچہ مر بھی سکتا ہے۔ اس کو یہ بھی معلوم تھا کہ بیس سال قبل 1774ء میں ڈورسٹ کے کسان بنجمن جیسٹی ((Jesty 1816 نے مایوس ہو کر اپنی بیوی اور دو بچوں کو بھی کاؤپاکس کا ٹیکہ لگایا تھا کیونکہ اس وقت چیچک کی مہلک وباء کاؤنٹی میں پھیلی ہوئی تھی۔ جینز نے بنجمن کے ٹیکہ لگانے کا انکشاف کھل کر نہ کیا، حالانکہ 1802 میں پارلیمنٹ کی طرف سے اس کو انعام دیا گیا۔ نہ ہی اس کا اظہار اس کے ہم عصر ڈاکٹروں نے کیا۔

پین سی لین کا موجد

الیگنڈر فلیمنگ (Fleming 1955) نے پینی سیلین دریافت کی جس سے اینٹی بائیوٹکس بنانے کا آغاز ہؤا۔ اس کے نتیجہ میں دنیا میں لاکھوں افراد لقمہ اجل بننے سے بچ گئے۔ فلیمنگ نے یہ دریافت 1928ء لندن میں حادثاتی طور پر کی تھی جب کلچر ڈش اتفاقاً آلودہ ہو گئی تھی۔ اس نے اس دریافت کو نام بھی دیا اور بکٹیریا مارنے والے کے طور پر چند تجربات بھی کئے تھے، مگر جلد ہی اس نے دلچسپی چھوڑ دی اور دیگر کاموں میں مصروف ہو گیا۔ پینی سیلین کا ایک نمونہ آکسفورڈ یونیورسٹی کے پیتھالوجی ڈیپارٹمنٹ کو تجربہ میں استعمال کیلئے بھیجا گیا مگر اس تجربہ کیلئے یہ بے سود ثابت ہوئی۔ مگر اس نمونہ کو ضائع نہیں کیا گیا شاید آئندہ کسی جگہ کام آجائے۔ پروفیسر ہاورڈ فلوری Florey 1968 نے ڈیپارٹمنٹ کا چارج لیا، اس کو بھی پین سیلین کا علم تھا مگر اس کے نزدیک بھی اس کی کوئی میڈیکل پوٹینشل نہیں تھی۔ مگر جرمنی سے آئے رفیوجی بائیوکیمسٹ ارنسٹ چین (Ernst Chain) اس کے بارے میں جان کر بہت متجسس ہؤا جب اس نے فلیمنگ کی دریافت اور تجربات کے متعلق ریفرنس پڑھا۔ فلیمنگ کے خیال میں پینی سیلین بیکٹیریا کو مار دیتی تھی مگر کچھ عرصہ کیلئے۔ نیز یہ کہ unstable تھی۔ چین نے محنت کر کے

اس کا stable version بنالیا اور یوں اینٹی بائیوٹکس کے دور کا آغاز ہوا۔ یہ خبر ملنے پر فلیمنگ کو اپنی زبردست دریافت کی اہمیت کا احساس ہوا۔ یہ دریافت لندن کے سینٹ میری ہاسپٹل میں کی گئی تھی جہاں وہ کام کرتا تھا۔ اخبارات کے رئیس التجار لارڈ بیوربروک (Beaverbrook 1964) نے سوچا کہ اینٹی بائیوٹک انقلاب سے سینٹ میری ہاسپٹل کا تعلق ہونا فائدہ مند ہوگا اس لئے اس نے اس ایجاد کا تمام کریڈٹ فلیمنگ کو دے دیا۔ فلیمنگ کو بھی یہ بھلا لگا اور اس نے فلوری Florey اور چین Chain کی کنٹری بیوشن کو تسلیم نہ کیا۔ فلوری کو یہ بات بالکل نہ بھائی اور اس نے رائیل سوسائٹی اور میڈیکل ریسرچ کونسل میں شکایت درج کرادی۔ دونوں مذکورہ اداروں نے فلیمنگ کے اس فراڈ کا انکشاف ان کے اپنے مفادات کے خلاف جانا۔ تاھم 1945ء کا میڈیسن کا نوبیل انعام چین، فلوری اور فلیمنگ کو دیا گیا۔ اتفاقی دریافت تو کوئی بھی کر سکتا ہے مگر اس کی اہمیت کو جاننا اور زندگیاں بچانے میں مددگار ثابت کرنا اصل بات ہے۔

نوبیل انعام کی تاریخ میں ایسا بھی ہوا ہے کہ انعام ایک سائنسدان کو دیا گیا جبکہ اصل کام کسی اور سائنسدان نے کیا تھا۔ اس کی واضح مثال برطانوی ریڈیو اسٹرنومر اینتھونی ہوئش (Anthony Hewish b.1924) ہے جس کو فزکس کا 1974ء کا انعام دیا گیا کیونکہ اس نے پلسارز Pulsars کے ٹھوس تحقیق کی اور ان کو دریافت کیا تھا۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ نیوٹران سٹارز یعنی پلسارز اس کے گریجوایٹ خاتون طالبعلم جوائسلین بیل (Jocelyn Bell b.1943) نے دریافت کئے تھے۔ یہ بات ٹھیک ہے کہ ہوئش نے اس کی تحقیق کو سپروائز کیا، اس کو گائیڈ کیا تھا، نیز حاصل ہونیوالے نتائج کی تعبیر میں بھی بڑا کردار ادا کیا تھا۔ اسلئے اس کو نوبیل انعام کا حقدار قرار دینا مناسب تھا مگر اس کے ساتھ بیل کو انعام دیا جانا چاہئے تھا۔

پروفیسر کا شاگرد کو دھوکا دینا

پروفیسر اور شاگرد کا ایک اور واقعہ کا تعلق امریکی سائنسدان رابرٹ ملیکن (Millikan 1953) سے تعلق رکھتا ہے جس کو 1923ء میں الیکٹران کا الیکٹرک چارج معلوم کرنے پر نوبیل انعام دیا گیا تھا۔ کیمبرج یونیورسٹی میں اس کیلئے ایک تجربہ تیار کیا گیا تھا جس میں پانی کے قطرے استعمال کئے گئے تھے لیکن اس کے خاطر خواہ نتائج حاصل نہیں ہوئے تھے کیونکہ قطرے فوراً بخارات بن کر ختم ہو جاتے تھے۔ اس دوران 1909ء میں ملیکن کی ٹیم شکاگو میں لیبارٹری تجربہ کو ریفائن کر کے اچھے نتائج کی امیدوار تھی۔ کئی ماہ کی نا امیدی کے بعد یہاں حسن اتفاق سے ایک گرایجوایٹ طالب علم ہاروی فلیچر آگیا (Fletcher 1981)۔ اس نے تجربہ میں پانی کے قطروں کی بجائے تیل کے قطرے استعمال کئے اور تجربہ نہایت خوبصورتی کیساتھ کامیاب رہا۔ اس کے بعد پروفیسر اور شاگرد باہمی تعاون سے کام کرتے رہے، دونوں نے ایک مقالہ تیار کیا جو 1910ء میں شائع ہوا تھا۔ تاھم ملیکن نے فلیچر سے کہا کہ یونیورسٹی پروٹوکول کے مطابق مقالہ پر صرف اس کا نام ہوگا۔ اس مقالہ کی وجہ سے اس کو نوبیل

انعام سے نوازا گیا تھا۔ فلیچر کی فراخدلی دیکھئے وہ تمام عمر اس معاملے کے متعلق حرف شکایت زبان پر نہ لایا۔

برطانوی پروفیسر کا ذلت آمیز سلوک

ایسٹرو فزکس کے بانی مبانی سر ایڈورڈ ایڈنگٹن (Sir E. Eddington 1944) نے جس طریق سے لاہور میں پیدا ہونیوالے نوجوان ہندوستانی طبیعات دان سبرامنیم چندراشیکھر (Chandrasekhar d1995) کیساتھ ذلت آمیز سلوک کیا، سائنس کی دنیا میں وہ بھی ایک المیہ ہے۔ 1935ء میں چندرا نے، ایڈنگٹن کے ماتحت کام کرنے کے دوران ایک تحقیقی مقالہ پیش کیا کہ وہ ستارے جو سورج سے 1.4times بڑے ہوتے ہیں وہ اپنی زندگی کے آخر پر خود ہی منہدم یا ڈھیر ہو جاتے ہیں۔ یہ پہلا موقعہ تھا جس سے انکشاف ہؤا کہ بلیک ہولز پائے جاتے ہیں۔ چندرا کو یہ معلوم نہیں تھا کہ چند سالوں سے ایڈنگٹن گرینڈ یونیورسل تھیوری پر کام کر رہا تھا جو بالکل بیکار ہو جاتی اگر یہ ثابت ہو جاتا کہ واقعی ستارے collapse منہدم ہو جاتے ہیں۔ جس اجلاس میں چندرا نے اپنا مقالہ پیش کیا وہاں ایڈنگٹن نے بدکلامی اور بدتمیزی کی کیونکہ اس کو معلوم تھا کہ وہاں موجود لوگوں میں سے کوئی اس کو چیلنج کرنے کی ہمت نہیں کریگا۔ خوش قسمتی سے چندرا نے اس چیلنج کو قبول کیا اور اگلے کئی سالوں تک اپنی کیلکولیشنز کے صحیح ہونے پر اصرار کرتا رہا۔ اس کی کیلکولیشنز کی فزکس کے قد آور سائنسدانوں نیلز بوھر Bohr، پال ڈائراک Dirac نے تصدیق کی تھی۔ اس سارے عرصہ میں ایڈنگٹن ہر موقعہ پر ہر اجلاس میں چندرا کیساتھ ذلت آمیز سلوک کرتا رہا، اور اس کے میتھے میٹکس کو نااہل قرار دیتا رہا۔ اور طرفہ یہ کہ اپنی تھیوری کو ثابت کرنے کیلئے ہر قسم کی دھوکے بازی کرتا رہا۔ نتیجہ یہ ہؤا کہ چندرا کی ستاروں کی پیش گوئی کہ یہ خود بخود ڈھیر ہو جاتے، چالیس سال تک پردہ اخفاء میں پڑی رہی۔ تاہم 1983ء میں اس کو اس قابل تعریف سائنسی کام کیلئے نوبیل انعام سے نوازا گیا۔ چالیس سال تک اسٹرو فزکس بلیک ہولز کو تسلیم کرنے سے محروم رہی صرف ایڈنگٹن کی ہٹ دھرمی اور سائنسی کمیونٹی کی خموشی اور چاپلوسیوں کی وجہ سے۔ کتابوں کے علاوہ، وکی پیڈیا انٹرنیٹ بہت سارا مواد اس موضوع پر موجود ہے ۔

https://physicstoday.scitation.org/doi/10.1063/1.2914790

اینٹی بیاٹکس کی دریافت

فزیالوجی یا میڈیسن کا 1952ء کا نوبیل انعام برطانوی بائیوکیمسٹ سلمان واکس مین (Selman Waksman 1973) کو دیا گیا تھا کیونکہ اس نے اینٹی بیاٹک دوائی سٹریپٹومائی سین streptomycin دریافت کی تھی۔ اس اینٹی بائیوٹک کی وجہ سے تپدق کا قابل تشفی علاج ملا تھا۔ یہ دریافت دراصل اس کے ڈاکٹریٹ کے طالبعلم البرٹ شاٹز (Albert Schatz 2005) نے واکس مین کی زیر نگرانی میں کی تھی۔ اس کے بعد دونوں نے اس اینٹی بائیوٹک پر مزید تحقیق کی، اور شائع ہونیوالے سائنسی

مقالے پر دونوں کے نام بطور مصنف درج تھے۔ اس کے باوجود نوبیل انعام صرف واکس مین کو دیا گیا۔ اب اس نے دوائی کا پیٹنٹ اپنے نام درج کروالیا، اور دواساز کمپنیوں سے رائیلٹی لینا شروع کر دی۔ یہ رائیلٹیز اس قدر تھیں کہ اس نے امریکہ کی رٹگرRutger یونیورسٹی میں واکسمین انسٹی ٹیوٹ آف مائیکرو بائیلوجی قائم کر دیا۔ یہ معلوم ہونے پر شاٹز کو احساس ہؤا کہ رائیلٹی میں اس کا بھی حصہ ہونا چاہیئے اور اس کیساتھ ہی مقدمہ دائر کر دیا۔ یہ دریافت دونوں نے کی تھی اس لئے دونوں کا اس میں حصہ ہونا چاہیئے تھا۔ سائنسی کمیونٹی اس بات پر سراسیمہ ہوگئی کہ شاگرد نے پروفیسر پر مقدمہ کر دیا ہے۔ تعلیمی اور ریسرچ اداروں کے دروازے شاٹز پر بند کر دیئے گئے، حتکہ وہ ساؤتھ امریکہ ہجرت کر جانے پر مجبور ہو گیا۔

امریکی میڈیکل ریسرچر ولیم سمرلن (W. Summerlin b.1938) کی دھوکے بازی کی کہانی بھی مضحکہ خیز ہے۔ 1970ء کی شروع دہائی میں یہ سائنسدان یونیورسٹی آف منی سوٹا، پاؤلو آلٹو ہاسپٹل اور نیویارک کے سلون انسٹی ٹیوٹ Sloan میں برسرروزگار تھا۔ اس کی تحقیق کی فیلڈ ڈرماٹالوجی تھی خاص طور پر کھال کی پیوندکاری(skin grafting)۔ ٹرانس پلانٹ اور گرافٹنگ میں وصول کرنیوالے مریض کا امیون سسٹم گرافٹڈ ٹیشو کو عام طور پر مسترد کر دیتا ہے۔ سمرلن اس موضوع پر کام کر رہا تھا جس کیلئے اس نے سیاہ اور سفید چوہے بطور معطی اور میزبان چن لئے تا پیوند کی ہوئی کھال نمایاں طور پر نظر آجائے۔ اس میں وہ صریح دھوکہ بازی کر رہا تھا جس کا کھوج اس کے نائب جیمز مارٹن نے لگایا۔ مارٹن نے سیاہ ٹرانس پلانٹ میں عجیب چیز دیکھی جو سفید چوہے نے وصول کیا تھا۔ اس نے دیکھا کہ یہ کھال کی ٹرانس پلانٹ نہیں تھی بلکہ اس کو سیاہ رنگ کے قلم-felt tipped pen سے بنایا گیا تھا۔ اس کے بعد جو تحقیقات ہوئی اس کے مطابق سمرلن کا ٹرانس پلانٹیشن کا تمام کیریئر مشکوک نتائج سے بھرپور تھا۔ سائنس میں فراڈ، اور دھوکے بازی کی یہ بدترین مثال تھی۔ اس کی قبیح حرکت کی وجہ سے ریسرچ میں فراڈ کو اب painting the mice کی اصطلاح سے موسوم کیا جاتا ہے۔

پولینڈ کے کیمیکل انجنیئر پروفیسر اندریز جندریز کو (Andrzej Jendryczko) کے ادبی سرقہ کی داستان 1997ء میں آشکار ہوئی تھی۔ اس کا طریقہ واردات یہ تھا کہ وہ یورپ اور امریکہ کے سائنسی جرنلز سے انگلش مضامین لے کر ان کو پولش میں ترجمہ کر کے اپنے نام سے شائع کر دیتا تھا۔ پولینڈ سے باہر بہت کم لوگ پولش کے جرنلز کا مطالعہ کرتے تھے اسلئے اس نے سوچا یہ طریقہ کار محفوظ ہو گا۔ کہتے ہیں کہ ایک سو سے زیادہ سرقہ شدہ سائنسی مضامین چالیس سال کے عرصہ میں اس کے نام سے شائع ہوئے۔ بعض مضامین میں شریک مصنفین کے نام ان کی اجازت اور علم کے بغیر بھی شامل کر دیئے گئے۔ کچھ عرصہ کیلئے اس نے سیلسیا میڈکل یونیورسٹیU of Silesia میں کام کیا تھا۔ جونہی یونیورسٹی کی انتظامیہ کو اس کے سائنسی فراڈ کا علم ہؤا، انہوں نے اس فراڈ کو فاش کر دیا۔ انٹرنیشنل ڈیٹا بیسز سے اس کے مقالے حذف کر دیئے گئے ہیں، اور جرنلز نے اس کے مضامین منسوخ کر دیئے ہیں۔

ساؤتھ کوریا کا ریسرچر ہؤانگ ووسوک(Huang Woo suk b.1953) سولSeoul نیشنل یونیورسٹی میں بائیو

ٹیکنالوجی پروفیسر تھا جس نے سٹیم سیل ریسرچ(stem cell research) کے متعلق سلسلہ وار مضامین لکھے جو معتبر جرنلز کے صفحات کی زینت بنے تھے۔ خاص طور پر دو آرٹیکلز جو رسالہ سائنس میں شائع ہوئے تھے۔ 2005ء تک اس کو اس فیلڈ میں ایکسپرٹ تسلیم کیا جاتا تھا۔ اس کا لقب پرائیڈ آف کوریا تھا۔ مئی 2006ء میں اس پر خیانت الزام لگایا گیا جب یہ پتہ چلا کہ اس کی سٹیم سیل ریسرچ جعلی تھی۔ سول نیشنل یونیورسٹی نے اس کو ملازمت سے برخواست کر دیا جبکہ حکومت نے اس کو کسی قسم کی سٹیم سیل ریسرچ کرنے سے پابندی لگادی۔ ہوانگ کو سول ڈسٹرکٹ کورٹ نے 2009ء میں دو سال جیل کی سزا سنائی۔

ہندوستانی پروفیسر کی دھوکے بازی

اس مضمون کو ہم ہندوستان کے فریبی پروفیسر پر ختم کرتے ہیں۔ چندی گڑھ کی پنجاب یونیورسٹی کے پروفیسر وسوات جیت گپتا کا فراڈ رسالہ نیچر میں 1989ء میں آسٹریلیا کے جیولوجسٹ جان ٹیلنٹ John Talent نے بے نقاب کیا تھا۔ قریب 25 سال سے ہمالیہ کی palaeontology and stratigraphy الجھن بنی ہوئی تھی کیونکہ کرہ ارض کے پرت میں دبے ہوئے زمانہ قدیم کے حیوانوں اور پودوں کے اجسام(Fossils) ایسی جگہوں پر دریافت ہو رہے تھے جہاں ان کو نہیں ہونا چاہئے تھا۔ عہد قدیم کے فوسل اونچے سٹریٹا پر پائے جا رہے تھے بجائے جدید دور کے، باوجود اس کے کوئی ارضیاتی انتشار یا توڑ پھوڑ نہیں ہوئی تھی۔ جان ٹیلنٹ نے پورے وثوق سے کہا کہ تمام کی تمام دریافت شدہ اشیاء ایک شخص گپتا نے رکھی تھیں جس نے ان کا ذکر 300 سے زیادہ مقالوں میں کیا تھا۔ مزید تحقیقات سے پتہ چلا کہ گپتا نے یہ فوسلز کشمیر اور بھوٹان کے درمیان خود رکھے تھے اور بعد میں خود ہی دریافت کر کے ان کا کریڈٹ لے لیتا تھا۔ (رسالہ سائنس نمبر 244، اپریل 1989ء صفحہ 277)

حرف آخر

ہر ایجاد ہر تخلیق ہر دریافت کے لئے آئیڈیا بیج کی طرح ہوتا ہے جو نمو دپا کر پھل پھول جاتا ہے۔ اس ضمن میں پاکستان میں چند آئیڈیاز پیش کئے گئے مگر ان پر ابھی تک عمل نہیں ہو سکا یا خاطر خواہ نتائج سامنے نہیں آئے۔ جیسے اکتوبر 1987 کو ہونیوالی اسلامک کانفرنس میں قائداعظم یونیورسٹی کے ڈاکٹر ایم ایم قریشی نے وہ طریقہ بتایا جس کے ذریعہ ایک نماز کا ثواب کیلکولیٹ کیا جا سکتا ہے۔ خلائی ریسرچ کے ادارے کے ڈاکٹر سلیم محمود کے ایک مقالے کا عنوان تھا: آئن سٹائین کا نظریہ اضافت اور واقعہ معراج۔ جون 1986 میں قرآن اور سائنس کے موضوع پر ایک سیمینار میں اپنے تحقیقی مقالے میں منافقت کی مقدار ناپنے کا فارمولا پیش کیا تھا۔ جرنل آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی میں ڈاکٹر صفدر جنگ نے اپنے مقالے میں بتایا تھا کہ جنات دراصل میتھین گیس سے بنتے ہیں۔ پاکستانی اٹامک سائنسدان بشیر الدین محمود نے 1980 میں نظریہ پیش کیا جنات آگ سے بنے ہوئے ہیں ان کو قابو میں لا کر توانائی پیدا کی جا سکتی ہے۔

()()()

(14)سائنسدانوں کی انوکھی باتیں

(1) آئزک نیوٹن جوانی کی عمر میں سکول سے فارغ ہو گیا کیونکہ اس کی والدہ نے اس کو سکول چھوڑنے کا کہا تھا تا وہ کھیتی باڑی (فارمنگ) میں اپنی فیملی کا ہاتھ بٹا سکے ۔ یادرہے کہ نیوٹن کی پیدائش 25دسمبر کو نہیں بلکہ چار جنوری1643 کو ہوئی تھی۔

(2) ایک دفعہ آتی ہوئی ٹرین کے آگے سے امریکن موجد ٹامس ایڈی سنEdison نے ایک بچے کو دبوچ کر بچالیا۔ بچے کے والد نے اس کے عوض اس کو ٹیلی گراف استعمال کرنے کے سبق دیئے۔ جلد ہی ایڈی سن امریکہ کا بہترین اور تیز ترین ٹیلی گرافر بن گیا۔

(3) لندن کے قبرستان ویسٹ منسٹر ابی میں دفن ہونا اعزاز سمجھا جاتا ہے۔ برطانیہ کی کوئین وکٹوریہ نے محض یہ اعزاز چارلس ڈارون کو دیا تھا۔ جب ڈارون کو1865 میں ایک اور اعزاز کوپلیCopley میڈل دیا گیا تو وہ اس کے بیالوجسٹ اور نیچر لسٹ ہونے کی وجہ سے تھا نہ کہ اس کی تھیوری آف ایولیوشن کی وجہ سے۔

(4) برطانیہ کے معروف انجنیئر سر الفریڈ ایونگEwing نے تجویز پیش کی تھی کہ ایجادات پر مارے ٹوریم لگا دیا جائے، تا کہ اب تک ہونے والی ایجادات کو assimilate & integrate کیا جاسکے۔

(5) آئین سٹائین کو اسرائیل کی صدارت پیش کی گئی تھی مگر اس نے یہ پیش کش یہ کہہ کر رد کر دی کہ وہ انسانی مسائل کیلئے رجحان نہیں رکھتا ہے۔ ہاں سائنسی مسائل اس کیلئے کوئی مشکل نہ تھے۔

(6)سگمنڈ فرائیڈ Freud کو ریلوے کا ٹائم ٹیبل پڑھنا نہیں آتا تھا اسلئے سفر کے دوران ضرور کوئی اس کا ہم سفر ہوتا تھا۔

(7) فرنچ سائنسدان لوئیس پاسٹور Pasteur جس کی وائن، ونیگر یعنی سرکہ اور بئیر پر تحقیقات کی بناء پر پا سٹورائزیشن وجود میں آئی تھی، اس کو گرد و غبار اور انفیکشن سے سخت خوف آتا تھا۔ وہ ہاتھ نہیں ملاتا تھا، اور کھانے سے قبل پلیٹ اور گلاس کو خود دھوتا تھا۔

(8) آسٹرین راہب گریگر جوہان مینڈلMendel جس نے جینیات کی سائنس کی بنیاد رکھی تھی، اس کی حوصلہ افزائی نہیں کی گئی تھی۔ وہ کالج میں ٹیچر بننا چاہتا تھا مگر امتحان میں تین دفعہ فیل ہو گیا۔ جینیات میں جو اس نے تجربات کئے وہ جب اس نے سوٹزر لینڈ کے بوٹانسٹ کو بھجوائے تو اس نے وہ منفی تبصرے کے ساتھ واپس بھجوا دیئے۔

جب اس نے اپنی تحقیق شائع کی تو کسی نے اس کا نوٹس نہ لیا۔ اس کی تحقیق کی اہمیت کو 1900 میں تسلیم کیا گیا یعنی وفات سے چھ سال قبل۔

(9) . آئین سٹائین کے آخری الفاظ کیا تھے؟ کسی کو معلوم نہیں کیونکہ اس نے جرمن میں کچھ کہا تھا مگر نرس کو جرمن نہیں آتی تھی۔ آئین سٹائین کا کہنا تھا کہ وہ اپنی سائنسی تحقیقات سے مادی فائدہ کا آرزومند نہیں ہے۔ اگر مجھے یہ پتہ ہوتا کہ جرمن اٹامک بمب بنانے میں کامیاب نہیں ہوں گے تو میں نے امریکہ میں بمب کی تیاری کیلئے کچھ بھی نہیں کرنا تھا۔ اس کے نظریہ اضافت کی بنیاد اس کا یہ خیالی تجربہ (تھاٹ ایکس پیریمنٹ) تھا کہ اگر وہ روشنی کی لہروں کے ہمراہ اتنی ہی تیز رفتاری سے حرکت کر سکے تو لائٹ ویو کس طرح کی نظر آئیں گی؟

(10) تین سائنسدانوں کی ماؤں کے عزم اور بلند نظری نے ان کو سائنس میں مستقبل بنانے پر مجبور کیا تھا یعنی ڈمیتری مینڈے لیو Mendeleev، ولیم ٹامپسن، اور ارنسٹ رادر فورڈ (نوبیل انعام یافتہ)

(11) ارنسٹ رادر فورڈ Rutherfrod (م1937ء) نیوزی لینڈ کا پہلا سائنسدان تھا جس نے کیمبرج کی کیونڈش لیبارٹری میں ایٹم کو Split کیا تھا۔ اس نے اپنے حلقہ میں روشن خیال اور ذہین ترین سائنسدانوں کا ایک گروپ جمع کیا ہوا تھا جن میں سے 14 کو نوبیل انعام کا حقدار قرار دیا گیا۔ ان کی تحقیقات سے نیوکلیئر انرجی کا آغاز ہوا جس سے آخر کار اٹامک بمب بنایا گیا۔

(12) فرنچ ریاضیدان پیئر بوگر Pierre Bouguer (d.1758) نے سب سے پہلے روشنی کی زور شدت کو ماپا تھا۔ پندرہ سال کی عمر میں وہ پیرس کے ہائیڈروگرافک کالج میں پروفیسر متعین ہوا تھا، اور دس سال کی عمر میں اپنے پروفیسر کو ریاضی کا لیکچر دیتا تھا۔

(13) امریکی موجد ٹامس ایڈیسن نے ایک خاص سائنسی دریافت کی جس کو ایڈیسن ایفکٹ کہا جاتا ہے یعنی ویکوم میں الکٹریسٹی کا گزرنا، اس نے اس کا پیٹنٹ بھی حاصل کر لیا مگر اس کا کوئی خاص استعمال نہ نظر آنیکی وجہ سے دیگر کاموں میں مشغول ہو گیا۔ بعد میں یہ ثابت ہو گیا کہ ایڈیسن ایفکٹ الیکٹرونکس انڈسٹری کی بنیاد ہے یعنی ریڈیو، ٹیلی ویژن اور سمارٹ فون وغیرہ۔

(14) ٹامس ینگ Young جس نے 1803ء میں لائٹ کی ویو تھیوری پیش کی تھی وہ بچپن سے ہی عبقری تھا۔ دو سال کی عمر میں وہ کتابیں پڑھ سکتا، چار سال کی عمر میں بائیبل کو دو دفعہ پڑھ چکا تھا، عالم شباب میں درجن زبانیں بولتا، اور متعدد موسیقی کے آلات بجا سکتا تھا۔ لائٹ کی تھیوری کے علاوہ وہ پہلا شخص تھا جس نے مصر کی تحریری

تصویروں یعنی ہیروغلیفیhieroglyphics کی رمز کشائی کی تھی۔

(15) امریکن سائنسدان آسپ ھالAsap Hall نے1877ء میں مریخ کے سیٹیلائٹ دریافت کئے تھے۔ پیشے کے اعتبار سے وہ ترکھان تھا، تعلیم اس نے خود کتابیں پڑھ کر حاصل کی تھی۔1857ء میں اس کو اسٹرانومی میں دلچسپی پیدا ہوئی، توہارورڈ کالج آبزرویٹری میں تین ڈالر ہفتہ وار کی ملازمت بطور نائب مل گئی۔ چھ سال بعد وہ پروفیسر بنادیا گیا۔

(16) چار سائنسدانوں کو سکول میں نکما طالب علم قرار دیا گیا تھا یعنی ایڈی سن، نیوٹن، پاسچور، اور آئین سٹائین۔ ایڈی سن کی والدہ تو اس سے بہت ہی ناراض تھی جب وہ سکول سے خراب رپورٹ لے کر آتا تھا، چنانچہ والدہ نے اس ہوم سکولنگ کی یعنی سکول کی بجائے گھر میں خود پڑھایا تھا۔

(17) جرمنی کے طفل کرسچین ہائی نیکنHeinecken کی زندگی صرف چار سال کی تھی(1721-25) مگر اس کو لوبک شہرlubeck کا ذہین بچہ کہا جاتا تھا۔ جب وہ ڈھائی سال کی عمر کا تھا تو اس کو اولڈ اینڈ نیو ٹیسٹامنٹ (نئے اور پرانے عہد نامے) پر مکمل عبور حاصل تھا۔ تین سال کی عمر میں وہ فرنچ اور لاطینی سیکھ چکا تھا۔ اس کے مقابلے میں کوریا کا بچہ Kim Ung Yong. b 1963 تھا جو کورین، انگلش، جرمن، اور جاپانی زبانیں بولتا تھا۔ اس کا I.Q. 210 تھا۔ چار سال اور آٹھ مہینے کا ہونے پر اس نے ٹوکیو ٹیلی ویژن پر انٹیگرل کیلکولس کو پرفارم کیا تھا۔

(18) جس شخص کو سب سے زیادہ دیر کے بعد نوبیل انعام دیا گیا وہ امریکہ کا ڈاکٹر فرانسس پیٹن رؤس Frances Peyton Rous 1879-1970 تھا۔ اس نے 1911ء میں ایک وائرس دریافت کی جس سے خاص نوع کا سرطان واقع ہوتا تھا مگر اس کو نوبیل انعام 55 سال بعد 1966ء میں دیا گیا جب اس دریافت کی اہمیت لوگوں پر آشکارہ ہوگئی۔ اس وقت وہ زندہ تھا یعنی 87 سال کا اور ابھی تک تحقیقی کام میں مصروف تھا۔ اس کی دریافت کا آغاز اس وقت ہؤا جب ایک دیہاتی خاتون نے اس کو مرغی لاکر دی جس کے پیٹ پر ٹیومر تھا۔ اس کے بعد پتہ چلا کہ جانوروں میں کینسر وائرس کے ذریعہ بھی ہو سکتا ہے۔

(19) سائنسدانوں میں قوت ارتکاز غضب کی ہوتی ہے، مگر اس کی بھی حد ہوتی ہے۔ جرمن ریاضیدان گاس Johan Karl Friedrich Gauss کا دماغ کسی سائنسی مسئلے کو سلجھانے میں پھنسا ہؤا تھا جبکہ اس کی بیوی اوپر کے کمرے میں بیمار پڑی تھی۔ جب ڈاکٹر نے اس کو بتایا تمہاری بیوی مر رہی ہے، گاس نے ہاتھ ہلا کر اس کو جواب دیا اس کو کہو انتظار کرے تاوقتیکہ میں مسئلہ حل کرلوں۔

(20) قریب پانچ سو سال قبل لیونارڈو ونچی Leonardo da Vinci نے متعدد ایجادات کے ڈیزائن اپنے پیچھے چھوڑے جو ایسے تھے جن کو آئینے کے سامنے رکھ کر ہی پڑھا جا سکتا تھا کیونکہ وہ الٹے لکھے گئے تھے۔ ایجادات یہ تھیں پیراشوٹ، لائف جیکٹ، پیڈل بوٹ، گھوڑے کے بغیر تانگہ، مشین گن، ائرپلین، سب میرین۔

(21) نپولین 1806 میں برطانیہ سے جنگ میں برسرپیکار تھا مگر اس کے باوجود اس نے برطانوی سائنسدان ہمفری ڈیوی کو اس سال کا بجلی پر سب سے عمدہ مضمون لکھنے پر انعام کا حقدار قرار دیا۔ ڈیوی نے قبول کرتے ہوئے کہا حکومتیں جنگ میں ملوث ہیں مگر سائنسدان نہیں۔

(22) لوہار کا بیٹا مائیکل فیراڈے Faraday خود آموختہ تھا۔ اس کو برطانوی کیمیا دان ہمفری ڈیوی Davy نے لیبارٹری میں بوتلیں دھونے پر ملازم رکھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ فیراڈے، ڈیوی سے بڑا سائنسدان بن گیا، ڈیوی عمر کے آخری حصہ میں اس سے حسد کرتا رہا۔

(23) موجد نکولا ٹیسلہ Nikola Tesla d. 1943 جس کے نام سے امریکہ میں الیکٹرک کار فروخت ہوتی ہے، وہ سربیا سے 1884ء میں امریکہ ہجرت کر کے آیا تھا۔ یہاں آکر اس نے ایڈی سن کیلئے کام کرنا شروع کر دیا اور جلد ہی روبا ٹکس، ریڈیو اور الیکٹریسٹی میں نئی دریافتیں کر ڈالیں جن میں سے بعض کا کریڈٹ ایڈی سن نے لے لیا۔ لائٹ بلب ٹیسلہ نے ایجاد کیا تھا نہ کہ ایڈسن نے۔ بجلی کی فیلڈ میں اس کی دریافتیں حیران کن ہیں۔ وہ نمبر 3 سے مسحور تھا کسی بھی عمارت کے گرد وہ تین بار گھوما کرتا تھا۔

اس کو کسی گول یا گندی چیز سے خوف آتا تھا اس لئے وہ کان کی بالیوں، بالوں سے خوف کھاتا تھا۔ ہر کھانے پر وہ 18 نیپ کن استعمال کرتا تاکہ کانٹے، چمچے صاف ہو کر چمک پڑیں۔

(24) جب کسی کو عبقری کہنا ہو تو اس کو آئن سٹائین (وفات 1954) کہا جاتا ہے۔ بلاشبہ وہ بیسویں صدی کا عظیم ترین سائنسدان تھا۔ مگر اس کے باوجود اس نے اپنی سائنسی تحقیق میں 1905-46 کے درمیان 23 غلطیاں کی تھیں۔ سب سے فاش غلطی کا نام cosmological constant ہے۔

(25) برطانوی تھیورٹیکل طبیعات دان پال ڈائراک (1984) عجیب و غریب کردار کا مالک تھا۔ گفتگو یا بحث سے اجتناب کرتا اور خاموش رہتا تھا۔ اب لوگوں

کا کہنا ہے کہ وہ خود محویت (autism) کے مرض کا شکار تھا۔

()()()

(15)چند معروف ایجادات جن کا جنم حادثاتی طور پر ہوا

بعض دفعہ سائنسدان کسی سائنسی موضوع پر تحقیقی کام شروع کرتے ہیں مگر اس دوران ان کے سامنے نئی دریافت سامنے آجاتی ہے۔ یا بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ سائنسدان تجربے کے دوران خاص نتیجے کی امید رکھتا ہے مگر نتیجہ کچھ اور نکلتا ہے۔ انگلش میں اس چیز کو serendipity کہا جاتا ہے۔ اس کی چھوٹی سی مثال یہ ہے کہ آپ موسم سرما آتے ہی کوٹ پہنتے ہیں تو اس میں سے بیس ڈالر کا نوٹ نکل آتا ہے۔ اس مضمون ہم چند ایسی ایجادات کا ذکر کریں گے جہاں اس چیز کا اطلاق ہوتا ہے۔

(1) کوکا کولا:

یہ بات 8 مئی 1886 کی ہے۔ امریکہ کی سول وار کو ختم ہوئے 21 سال گزر چکے تھے۔ امریکہ کی ریاست جارجیا کے دار لحکومت اٹلانٹا میں ایک فارماسسٹ جان پیم برٹنPemberton اپنے گھر کے عقب میں چند تجربات میں مصروف تھا۔ اس نے ایک بڑی کیتلی میں ایک مکسچر ڈالا ہوا تھا جس کو وہ کشتی کے چپو سے گھما رہا تھا۔ جب وہ تجربہ ختم کر چکا تو وہ اس وقت سر درد ختم کرنے، تھکاوٹ رفع کرنے اور اعصاب کو آرام دینے کی دوا تیار کر چکا تھا۔ پیم برٹن اس نئی نئی تیار کردہ دوائی کو جب مقامی فارمیسی میں فروخت کرنے کیلئے گیا تو اس نے جانے سے قبل اپنے نائب کو ہدایت کی کہ وہ اس شربت کو پانی میں ملا کر کے ٹھنڈا کر لے۔ اس کے واپس آنے کے بعد دونوں نے اس کو پیا تو واقعی یہ مزیدار تھا مگر اس کے نائب نے جب دوسرا گلاس پینے کیلئے تیار کیا تو غلطی سے اس نے شربت میں کاربونیٹڈ واٹر ڈال دیا۔ اب دونوں نے ارادہ کیا کہ وہ اس مشروب کو سافٹ ڈرنک کے طور پر فروخت کریں گے۔ اس کا نام انہوں نے کوکا کولا رکھا کیونکہ اس میں کوکا کے پتے اور کولا کا خشک میوہ ڈالا گیا تھا۔ 1886 میں انہوں نے ایک دن میں 9 بوتلیں فروخت کیں اور سالانہ آمد پچاس ڈالر تھی۔ اس سال پیم برٹن نے 75 گیلن شربت فروخت کیا، اس کو 150 ڈالر آمد ہوئی جبکہ خرچ 73 ڈالر تھا۔ اس وقت کے دنیا کے 200 سے زیادہ ممالک میں لوگ ہر روز 1.5 بلین بوتلیں پیتے ہیں۔ کوکا کولا کے 14، اجزاء کا ہر ایک کو علم ہے مگر پندرھویں کا نام X7 ہے۔ یہ دنیا کا خفیہ ترین نسخہ ہے جس کا علم کمپنی کے صرف چند افراد کو ہے۔ اور جن کو علم ہے ان کو اکٹھے سفر کرنیکی اجازت نہیں ہے۔

(2) پوٹیٹو چپ:

امریکہ میں ہر سال لوگ 6 بلین ڈالر پوٹیٹو چپس خریدنے پر خرچ کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ 1853 میں ساراٹوگا

سپرنگ (نیویارک سٹیٹ) میں سب سے پہلے بنائے گئے تھے۔ امریکہ کے مالدار لوگ یہاں چھٹیاں گزارنے آیا کرتے تھے۔ ایک ریستوران میں سرخ فام امریکن جارج کرم کچن میں کام کرتا تھا۔ ایک روز ایک گاہک تیل میں تلے آلوؤں کی پلیٹ بار بار واپس بھیجتا رہا کہ ان کو اور بھی پتلا کرو۔ جارج کو غصہ آگیا اس نے آلو اس قدر پتلا کاٹ کر تیل میں ان کو تلا کہ وہ بہت ہی کرسپ ہوگئے۔ ان کے اوپر اس نے نمک چھڑکا اور گاہک کو بھجوا دیئے۔ حیرانگی کی بات یہ ہے کہ ہر ایک نے ان کو پسند کیا۔ اس قسم کے چپس کا نام ساراٹوگا چپس رکھا گیا تھا۔

(3) چائے کی دریافت:

چائے کی دریافت چین میں 2737 قبل مسیح چین کے بادشاہ نے کی تھی۔ ایک روز بادشاہ محل کے باہر کیتلی کے اندر پانی گرم کر رہا تھا کہ اس میں قریبی جھاڑی سے پتے گر گئے۔ قبل اس کے کہ وہ ان پتوں کو نکالتا، پانی ابلنا شروع ہو گیا۔ بادشاہ اس کے بھینی بھینی خوشبو اچھی لگی، اس کو پیا تو واقعی یہ مزیدار تھا۔ چائے اس وقت پانی کے بعد دنیا کا مرغوب ترین مشروب ہے۔ یورپ میں چائے 1610 میں پہنچی تھی۔ کسی زمانے میں ایشیا کے متعدد ممالک میں چائے کے بلاک پیسے کے طور پر استعمال ہوتے تھے۔ ہر سال ۹۰۰ بلین چائے کے کپ پیئے جاتے ہیں۔ ٹی بیگ ایک امریکی بزنس مین ٹامس سولی وان Sullivan نے 1904ء میں دریافت کئے تھے۔ اس سے پہلے وہ چائے کے نمونے ٹین کے ڈبوں میں دکانوں کو بھیجا کرتا تھا۔ ایک روز اسنے چائے کے یہ نمونے ریشم کے چھوٹے تھیلوں میں بھیجے جو لوگوں نے پسند کئے۔ یوں ٹی بیگ کا آغاز ہو گیا۔

(4) اسپرین:

ہزاروں سال سے ڈاکٹر لوگوں کو یہ مشورہ دیتے آئے تھے کہ سر درد ختم کرنے کیلئے وہ ولو ٹری willow tree کی کھال کو منہ میں رکھ کر چبائیں۔ مشہور یونانی طبیب بقراط نے سر درد کیلئے اس درخت کے پتوں سے بنی چائے لوگوں کو دی تھی۔ انیسویں صدی میں سائنسدانوں نے پتہ لگایا کہ ولوٹری کے اندر salicyclic acid ہوتا جس سے سر درد اور بخار دور ہو جاتا تھا۔ 1853ء میں ایک فرنچ کیمسٹ چارلس گیر ہارڈٹ Gerhardt نے اس تیزاب کے ساتھ ایک اور تیزاب ملا کر نیا مکسچر تیار کیا مگر اس کو تیار کرنے میں دیر لگتی تھی۔ 1854 میں جرمن کیمسٹ ہاف مین اپنے والد کے جوڑوں کے درد کو دور کرنے کیلئے نئی دوا تیار کر رہا تھا کہ اس نے acetyl-solicylic acid یا اسپرین دریافت کرلی تھی۔ اسپرین دنیا میں اس وقت 100 ملین پاؤنڈ تیار کی جاتی ہے۔ امریکہ میں لوگ ہر

سال30 بلین اسپرین کی گولیاں کھاتے ہیں کیونکہ یہ دل کے حملہ اور فالج کے دفاع کیلئے عمدہ دوائی ہے، بلکہ ذیابیطس کے مریضوں کیلئے بھی مفید ہے۔

(5) پینی سی لین:

الیکزنڈر فلیمنگFleming نے ستمبر1928ء میں پین سی لین اتفاقاً ایجاد کی تھی۔ فلیمنگ پیشہ کے اعتبار سے بیکٹیریالوجسٹ تھا یعنی وہ شخص جو جراثیم کا مطالعہ کرتا ہے۔ وہ اپنے تجربات اکثر لندن کے سینٹ میری ہاسپٹل میں کیا کرتا تھا۔ ایک روز اس نے تجرباتی پلیٹ جس میںstaphylococci بیکٹیریا تھا، اس کو کھڑکی کے پاس رکھدیا۔ اس کے چند گھنٹوں کے بعد جب وہ واپس لوٹا تو اس نے دیکھا کہ کچھ کھڑکی پر لگی پھپھوندی کہیں سے اڑ کر آگئی تھی اور اس نے بیکٹیریا کو خراب کر دیا تھا۔ کوئی اور ہوتا تو اپنے پلیٹ کا باہر پھینک کر تجربہ دوبارہ شروع کر دیتا مگر اس نے پلیٹ کو غور سے دیکھا اور جب اس کو اپنی مائیکرو اسکوپ کے نیچے رکھا تو دیکھا کہ staphylococci کے اوپر لگ رہی تھی۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ پھپھوندی کے ارد گرد تمام حلقہ صاف تھا۔ ہوا یہ کہ پھپھوندی اس زہریلے سٹیفالوکاکی کو ہڑپ کر رہی تھی یو اتفاقاً فلیمنگ نے پین سی لین ایجاد کر لی۔ 1945ء میں فلیمنگ، فلوری، اور چین کو پین سی لین ایجاد کرنے پر نوبل انعام دیا گیا تھا۔ امریکہ میں ڈاکٹر ہر سال100 ملین سے زیادہ نسخے لکھ کر دیتے ہیں۔

(6) آئیوری سوپ:

امریکہ اور کینیڈا میں نہانے کیلئے صابن کثرت سے استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کا فارمولا125 سال قبل دو بھائیوں جیمز اینڈ ڈیوڈ گیمبلCampbell نے تیار کیا تھا۔

شروع میں انہوں نے اس کا نام وائٹ سوپ رکھا تھا مگر اس وقت یہ پانی میں تیرتا نہیں تھا۔ مگر اس کی ایجاد ایک حادثہ سے ہوئی۔ ایک روز فیکٹری میں ایک ورکر بڑی مشین پر کام کر رہا تھا مگر لنچ کے وقت وہ مشین بند کرنا بھول گیا۔ مشین لگاتار چلتی رہی جب وہ لنچ کے بعد واپس آیا تو اس نے دیکھا کہ صابن کے مکسچر کے اندر ہوا شامل ہو گئی تھی۔ بجائے مکسچر کو پھینکنے کے اس نے اس کو سانچے کے اندر ڈال دیا۔ جب صابن سخت ہو گیا تو اس کو کاٹا گیا اور تین یا چار صابنوں کے پیکج بنا کر دکانوں پر فروخت کیلئے بھجوا دیا گیا۔ جلد ہی پراکٹر اینڈ گیمبل کو آرڈر ملنا شروع ہو گئے کیونکہ یہ صابن تیرتا تھا۔ ورکر کی معمولی سی غلطی سے صابن فروخت کی وجہ بن گیا تھا۔ 1879ء میں اس کا نام آئیوری سوپ رکھدیا گیا۔

(7) اینٹ کی ایجاد

اینٹ: نیویارک کی بلند عمارت ایمپائر سٹیٹ بلڈنگ کی تعمیر میں 10 ملین اینٹیں استعمال ہوئی تھیں۔

چین کی دیوار اعظم میں 4 بلین اینٹیں لگی ہوئی ہیں۔ انسان نے اینٹوں کا استعمال دس ہزار سال قبل شروع کیا تھا۔ پہلی اینٹ کسی مصری نے اتفاقاً دریائے نیل کے کنارے جمع شدہ گارے اور تہ نشیں ریت سے بنائی تھی۔ جب دھوپ میں پڑا کیچڑ سخت ہو گیا تو کسی نے اس کے سلیب بنائے۔ کسی دوسرے مصری کو خیال آیا کیوں نہ اس بلاک کو کاٹ کر مکان بنانے میں استعمال کیا جائے۔ اینٹ جس طرح ہزاروں سال قبل بنائی جاتی تھی اسی طرح آج بھی بنائی جاتی ہے۔ امریکہ میں ریاست ارکانسا کا شہر میل ورن اینٹوں کی وجہ سے مشہور ہے۔ یہاں ہر سال ایک میلہ لگتا ہے جس کا اینٹوں کا میلا Brickfest ہے۔ ریاست ٹینی سی کے شہر جانسن سٹی میں اینٹوں کا ایک میوزیم ہے۔ دنیا کی سب سے پرانی اینٹ اسرائیل کے شہر جیریکو میں ملی ہے جو نو ہزار سال پرانی ہے۔ ہندوستان کے شہر کالی بنگا میں فائر برک ملی جو پانچ ہزار سال پرانی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اسرائیل میں بادشاہ سلیمان کے قلعہ کی اینٹ 64 پاؤنڈ وزنی ہے۔

(8) پوسٹِ اٹ نوٹ:

آپ نے آفس میں پیلے رنگ کا Post it Note تو ضرور استعمال کیا ہو گا۔ کاغذ کے پیچھے معمولی سی گوند لگی ہوتی ہے مگر کاغذ دوسرے کاغذ سے آسانی سے الگ ہو جاتا ہے۔ اس قسم کے کاغذ کی ایجاد 1970ء میں امریکہ کی مشہور زمانہ کمپنی تھری ایم 3M کی ریسرچ لیبارٹری میں ہوئی تھی۔ ہؤا یہ کہ اس کمپنی کا ایک سائنسدان سپینسر سلور Silver لیبارٹری میں کوئی مضبوط قسم کی گوند adhesive بنانے میں مصروف تھا۔ اس نے ایک گوند تیار کی لیکن یہ پہلی والی سے بھی زیادہ کمزور تھی جو کہ تھری ایم میں پہلے ہی تیار کی جا رہی تھی۔ یہ گوند جس چیز کو لگائی جاتی وہ دوسری چیزوں سے چپک جاتی مگر آسانی سے الگ بھی ہو جاتی تھی یعنی یہ گوند سپر سٹرانگ ہونے کے بجائے سپر ویک تھی۔ ایک اور سائنسدان آرتھر فرائی ایک روز چرچ میں ترنم سے نغمے گا رہا تھا مگر کتاب کے جس صفحہ پر اس نے کوئی نشانی رکھی ہوئی تھی وہ گر جاتی تھی۔ چنانچہ اس نے مسٹر سلور والی گوند کو کاغذ کے پیچھے لگا کر کتاب میں نشانی کیلئے لگا دیا اور یہ نشانی اپنی جگہ پر تمام وقت لگی رہی۔ تھری ایم نے ان پوسٹ اٹ نوٹ کا نام دیا اور یہ امریکہ میں 1980ء میں بازار میں بکنا شروع ہو گئے۔ اس وقت یہ سٹیشنری سٹوروں پر سب سے زیادہ بکنے والی چیز ہے۔ افسوس آئی فون آنے کے بعد اس کا استعمال قریب ختم ہو گیا ہے۔

(9) ٹاور آف پیسا:

دنیا کے سات عجائبات میں سے ایک اٹلی کے شہر پیسا کے Piazza dei Miracoli میں واقع مینار دنیا بھر میں مشہور اور سیاحوں کی آماجگاہ ہے کیونکہ یہ 17 فٹ (پانچ ڈگری) جھکا ہؤا ہے۔ اس کے اندر 296 سیڑھیاں ہیں۔ یہ سفید سنگ مرمر سے بنا ہؤا ہے اور 184'.5" اونچا ہے۔ اس شہرہ آفاق مینار کی تعمیر 1174ء میں اطالوی آرکی

ٹیکٹ پیسانو Pisano نے شروع کی۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ ایک روز یہ مینار سیاحت کا عالمی مرکز بن جائیگا۔ اور نہ ہی اس کو یہ معلوم تھا کہ اس کی ایک غلطی اس میں پوشیدہ رہیگی۔ مینار کے بلندی 185 فٹ طے پائی تھی۔ تعمیر کا کام جب شروع ہؤا اور تین منزلیں جب مکمل ہو گئیں تو اس نے ایک طرف جھکنا شروع کر دیا۔ مینار کے نیچے ایک طرف کو مٹی قدرے نرم تھی اور دس فٹ کی بنیاد اس قدر پکی نہ تھی کہ اس کے وزن کو سپورٹ کر سکتی، چنانچہ اس نے اس جھکاؤ کو روکنے کیلئے جس طرف مینار چھوٹا تھا اس طرف نئ منزلیں بنانی شروع کر دیں۔ مگر اس عمل سے یہ اور بھی زیادہ جھکنے لگا تھا۔ چنانچہ تعمیر کا کام اگلے سو سال تک رکا رہا۔

اس پر 1275 میں تعمیر کا کام دوبارہ شروع ہوا۔ کشش ثقل کے مرکز کو بدلنے کیلئے دو منزلیں دوسری دو منزلوں سے ہٹ کر تعمیر کی گئیں چنانچہ چودھویں صدی میں تعمیر کا کام مکمل ہو گیا۔ مگر یہ ہر سال ایک چوتھائی انچ جھکتا رہا اور اب یہ پانچ ڈگری یا 17 فٹ جھکا ہؤا ہے۔ 1934 میں اطالوی حکومت نے اس کی بنیادوں میں کنکریٹ ڈالا تا جھکاؤ رک جائے۔ مگر یہ جھکاؤ اور بھی زیادہ ہوتا رہا۔ کہا جاتا ہے کہ اطالوی ہیئت دان گیلی لیو گیلی لائی نے گرنے والے اجسام کی رفتار معلوم کرنے کیلئے اس مینار پر سے تجربات کئے تھے۔

وقت گزرنے کے ساتھ اس جھکاؤ زیادہ ہو رہا تھا اس لئے 1990 میں اس کو بند کر دیا گیا۔ چند سال قبل اس کے جھکاؤ کو روکنے کے لئے مرمت کا کام جو شروع ہؤا تھا وہ 2018 میں مکمل ہؤا تھا۔ اور اب یہ 1.5 "سیدھا ہو گیا ہے اور اس کی اونچائی 186 فٹ ہے۔

()()()

(16)عالم اسلام کی 25 بااثر اورانسپائرنگ خواتین

بی بی سی نے نومبر 2020 میں جو انسپائرنگ اور انفلوئینشل 100 خواتین کی عالمی فہرست جاری کی تھی اس میں بیس ممالک کی 25 مسلمان خواتین بھی شامل ہیں۔ اس سال کی فہرست میں ہالی ووڈ کی ایکٹریس اور کلائمیٹ ایکٹو وسٹ جین فانڈا اور ثنامیرین شامل ہیں۔ 35 سالہ ثنامیرین فن لینڈ کی وزیر اعظم ہیں۔ Unsung Hero کے عنوان کے تحت جگہ خالی رکھی گئی ہے اور لکھا گیا ہے کہ یہ ان لوگوں کی یاد میں ہے جنہوں نے تبدیلی لانے میں اپنی جانیں کھو دیں۔

جن مسلمان خواتین کے نام اس فہرست میں شامل ہیں ان میں ایک ایوارڈ وننگ فلم میکر، ایک روباٹک ٹیم لیڈر، ایک جینیات دان، ایک شاعر، سپیس ایجنسی کے چیئر پرسن، متعدد عورتوں کے حقوق اور عالمی امن کے لئے کام کرنیوالی خواتین شامل ہیں۔

عائشہ یوسفو۔ Aisha Yesufu افریقہ کی متعدد خواتین میں سے ایک نائیجیریا کی سول رائیٹس ایکٹویسٹ اور #Bringbackourgirls کی کینویز عائشہ یوسفو ہے ۔ اس سے پہلے یوسفو ایک تحریک #ENDSARS- Special Anti Robbery Squad کی صدر رہ چکی ہیں جو پولیس کے مظالم اور تشدد کے خلاف سوشل میڈیا پر گلوبل آئی کان icon بن چکی ہے۔ وہ ایک اور تحریک End SARS کی بھی رہبر اول رہ چکی ہے۔

متحدہ عرب امارات: اس فہرست میں متعدد پالیسی میکرز کے نام بھی شامل ہیں۔ جن میں متحدہ عرب امارات کی منسٹر فار ایڈوانسڈ ٹیکنالوجیز اور ملک کی موجودہ سپیس ایجنسی کے چیئر پرسن سارہ الامیری Sara Al-Amiri ہے۔ اس سے پہلے وہ امارات کے مارس مشن Mars Mission کی ڈپٹی پراجیکٹ مینجر تھیں جو کہ کسی عرب ملک کی سب سے پہلی انٹر پلینے ٹری مہم تھی۔ اس آربٹر کا نام ہوپ (اَمال) ہے جو فروری 2021 میں سرخ سیارے پر قدم رنجہ ہو گا۔

ہندوستان: بلقیس بانو (82) عرف بلقیس دادی، اس فہرست میں سب سے زیادہ عمر والی خاتون ہیں۔ بلقیس ان خواتین میں شامل ہیں جنہوں نے ہندوستان کے سیٹزن شپ قانون CAA کے خلاف امن پسند مظاہروں میں حصہ لیا تھا۔ یہ قانون مسلمانوں کے خلاف امتیازی سلوک کا روادار تھا۔ شاہین باغ میں ہونیوالے پر امن مظاہروں کی وہ علامت بن گئی تھی۔ وہ صدیوں عورتوں کے ہمراہ ایک ٹینٹ کے اندر تین ماہ تک بیٹھی رہی تھی۔ 23 ستمبر 2020 کو ٹائم میگزین نے بلقیس بانو کو Time100 کی بااثر خواتین میں شامل کیا تھا۔ دسمبر 2020 میں اس نے کسانوں کے احتجاج میں شامل ہونے کی کوشش مگر پولیس نے گرفتار کر لیا۔ اس کا کہنا ہے کہ عورتوں کو اپنے گھروں سے باہر نکلنا چاہئے اور اپنی صدا کو

بلند کرنا چاہیئے خاص طور پر ناانصافی کے خلاف۔ اگر وہ اپنے گھروں سے باہر نہیں نکلیں گی تو وہ اپنی قوت کا مظاہرہ کیسے کر سکیں گی۔ ہالی ووڈ کی ونڈر ویمن گال گیڈاٹ نے ان کو personal wonder women کے الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا ہے۔

انڈونیشیا کی سلسابیلا خیر النساء Salsabila Khairunnisa سب سے کم عمر کی خاتون ہے جس کو فہرست میں شامل کیا گیا ہے۔ جکارتا کی رہائشی خیر النساء کی شہرت کا باعث منسٹری آف انوارئن منٹ اور فارسٹری کے سامنے ہر جمعہ کے روز سکول کے بچوں کے ساتھ ڈی فارسٹیشن کے خلاف احتجاج کرنا ہے۔

فہرست میں شامل ہونے والی ایک اور ٹین ایجر 18 سالہ سوما یہ فاروقی ہے جو اس ٹیم کی ممبر ہے جس نے 2020 کے شروع میں افغان عورتوں پر مشتمل روبا ٹکس ٹیم نے کروناوائرس کے مریضوں کے لئے بہت کم نرخ والا وینٹی لیٹر ایجاد کیا تھا۔ اس وینٹی لیٹر کے ڈزائن کو سات افغان ڈریمرز نے چار ماہ میں فائنالائز کر لیا تھا جس کی بنیاد MIT design تھا۔ ان عورتوں کی رہ نمائی ہارورڈ یونیورسٹی کے ایکس پرٹس نے کی تھی۔ یہ وینٹی لیٹر آسانی سے منتقل کیا جا سکتا، اس کی بیٹری پاور دس گھنٹوں تک کے لئے ہے اور قیمت محض 700 امریکن ڈالر ہے۔ جبکہ ایک ٹرینڈیشنل وینٹی لیٹر کی قیمت $20,000 ہوتی ہے۔

شام کی فلم میکر، پترکار اور ہیومن رائٹس ایکٹیوسٹ واد الکاتیب Waad al-Kateab بھی شامل ہے۔ یہ ایوارڈ ونگ فلم میکر حلب (الیپو) سے سول وار کے دوران پر خطر حالات میں خبریں بھیجنے پر ایمی ایوراڈ حاصل کر چکی ہے۔ پچھلے سال 2020 میں اس کو ڈاکومنٹری For Sama بنانے پر آسکر ایوارڈ کے لئے نامزد کیا گیا ہے۔

افغانستان کی لالے عثمانی Laleh Osmany عورتوں کے حقوق کے لئے بر سر پیکار خاتون ہے۔ ملک کے سرکاری کاغذات میں والدہ کے نام کو نا شامل ہونے کی بناء پر وہ ناخوش تھی۔ چنانچہ اس نے WheresMyName تحریک کی داغ بیل ڈالی۔ تین سال بعد افغان حکومت نے ماؤں کے نام کو بچوں کے قومی شناختی کارڈ میں شامل کرنے کا اعلان کیا۔

بنگلہ دیش کی رینا اختر Rina Akter عورتوں کے حقوق کے لئے آواز بلند کرتی رہی ہے۔ ڈھاکہ میں اس کی ٹیم نے 400 سیکس ورکرز کو کھانے مہیا کئے کیونکہ کروناوائرس کی وجہ سے ان کا بزنس قریب قریب ختم ہو گیا تھا اور وہ بھوکوں مر رہی تھیں۔

مصر کی ندیم اشرف فلاسفی کی طالبعلم ہے جو سوشل میڈیا کو تبدیلی کے لئے ایک آلے کے طور پر استعمال کرنا

چاہتی ہے۔ وہ علم کی ترویج کے لئے جنون کی حد تک پر سرپیکار ہے تا عوام تک اس کی رسائی ہو جائے۔

چین کے Uyghur مسلمانوں سے تعلق رکھنے والی رائٹر موئی سر عبد الاحد ہینڈن Muyesser Abdul'ehed Hendan نے ایک شاعر اور مضمون نگار کی حیثیت سے عالمی شہرت حاصل کی جب وہ میڈیسن کی تعلیم حاصل کر رہی تھی۔ جب اس نے پبلک ہیلتھ میں ماسٹرز کی ڈگری حاصل کی تب وہ رائیٹنگ کو پیشے کے طور پر اپنانے کا فیصلہ کر چکی تھی۔

فرانس کی رائیٹر اور السٹریٹر نیدین کادان Nadine Kaadan بچوں کی کتابیں تصنیف کرنے والی ایوارڈ ونگ خاتون ہے جو شام سے ہجرت کر کے یہاں آئی تھی۔

اس کی کتابیں دنیا کی مختلف زبانوں اور ممالک میں شائع ہو چکی ہیں۔ اس کا مشن ہے کہ کتابوں کی بیان کی گئی کہانیوں میں ہر بچہ خود کو دیکھ سکے۔

انڈونیشیا کی فیب وی ستیاوتی Febfi Setyawati ایک آرگنائزیشن Untukteman.id کی فاؤنڈر اور ایکٹیوسٹ ہے جو غیر محفوظ لوگوں کی مدد کرتی ہے۔ خاص طور
پر بیمار لوگوں، مالی مشکلات میں مبتلا اور کرونا وائرس کی وجہ سے مفلوک الحال لوگوں کی مدد کرتی ہے۔

ایران میں پیدا ہونیوالی جینیات دان ڈاکٹر پردیس ثابتی(Pardis Sabeti ولادت دسمبر 1975(، ہارورڈ یونیورسٹی، امریکہ میں پروفیسر ہے۔ اس نے انفارمیشن تھیوری، microbial genomics، اور افریقہ میں تعلیم کے لئے سرتوڑ کوشش کی ہے۔ 2014 میں اس کو TIME Magazine's Persons of the Year قرار دیا گیا تھا۔ ہاورڈ ہیوز میڈیکل انسٹی ٹیوٹ میں وہ Sabeti Lab کی سربراہ ہے۔ ثابتی راک بینڈ Thousand Days کی لیڈ سنگر اور نغمہ نگار بھی ہے۔

ایران کی نسرین ستودہ Nasrin Sotoudeh (b1963) انسانی حقوق کی وکیل اور ہیومن رائیٹس ایکٹیوسٹ ہے۔ اس کی زندگی قانون کی حکمرانی، سیاسی قیدیوں کے حقوق، حزب مخالف کے ممبران، عورتوں اور بچوں کے حقوق کیلئے لڑتے گزری ہے۔ وہ ملک کے محکمہ انصاف کی ناانصافیوں کے خلاف سیسے کی دیوار بن کر کھڑی ہوئی جس پر اس کو لمبی سزا دی گئی۔ اس نے حزب مخالف کے ممبران کے مقدمے لڑے نیز ان لوگوں کے جن کو موت کی سزا سنا دی گئی تھی جبکہ انہوں نے جرائم بچپن میں کئے تھے۔ اس نے نوبیل انعام یافتہ شیریں عبادی کا مقدمہ لڑا تھا۔ جو عورتیں

حجاب کے بغیر پبلک میں آئیں ان کو سزائیں دی گئیں اس نے ان کے مقدمے بھی لڑے۔

اسی طرح ایران کی کیمیا علی زادے زنوزی (ولادت 1998) عالمی ایتھلیٹ ہے جس نے 2016 کے اولمپکس میں ٹائی کوانڈو میں برونز میڈل جیتا تھا۔ 2014 میں اس نے چین کے یوتھ اولمپکس گیمز میں گولڈ میڈل جیتا تھا۔ جنوری 2020 میں اس نے ایران کی حکومت پر کڑی تنقید کی کہ حکومت اس کا نام پروپیگنڈے کے طور پر استعمال کر رہی ہے۔ چنانچہ ایران سے ہجرت کر کے وہ جرمنی جا کر مستقل آباد ہو گئی۔ ٹوکیو میں ہونیوالی اولمپکس 2021 میں وہ جرمنی کیلئے کھیلے گی۔

عراق کی نسرین الوان Nasrin Alwan برطانیہ میں پبلک ہیلتھ ڈاکٹر اور اکیڈیمک ہے۔ اس کی تحقیق کا موضوع عورتیں بچے اور حاملہ عورتیں ہیں۔ قرغستان کی گل نازز ہوبیوا Gulnaz Zhuzbaeva ملک کی فیڈریشن آف بلائنڈ کی بانی ہے۔ وہ دن رات کوشش کر رہی ہے حکومت کے تمام سرکاری غذات نابینا لوگوں کیلئے Braille پر موجود ہوں۔ نیز ان لوگوں کے لئے جزوی طور پر نابینا ہیں۔

لبنان کی ایکٹیوسٹ حیات مرشاد Hayat Mirshad ایک آرگنائزیشن Fe-Male کی شریک بانی ہے جس کا مشن عورتوں اور لڑکیوں کو انصاف تک رسائی دلانا، اور انسانی حقوق کی حفاظت ہے۔ سعودی عرب کی منا الضویان فوٹو گرافر اور آرٹسٹ ہے۔ اس کا آرٹ وَرک دنیا کی مختلف نمائشوں میں دکھایا جا چکا ہے۔

مراکش کی ہدا عبوز Houda Abouz ایک موسیقار اور Rapper ہے جو منفرد سٹائیل اور نغموں کی وجہ سے دنیا میں مشہور ہے۔ میوزک کی انڈسٹری میں مرد چھائے ہوئے ہیں مگر اس کے باوجود اس نے خود اپنی محنت سے نام پیدا کیا ہے۔ وہ اپنے میوزک کو تبدیلی لانے کیلئے آلے کے طور پر استعمال کرنا چاہتی ہے۔

پاکستان کی ماہرہ خاں (ولادت دسمبر 1984) ملک کی مقبول ترین ایکٹریس ہے جو جنسی تشدد اور نسل پرستی کے سخت خلاف ہے۔ اس نے ملک میں عورتوں کی جلد کو سفید کرنے کی کریموں اور ٹوٹکوں کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی ہے۔ وہ وطن عزیز کے اندر اپنی فلموں اور ٹیلی ویژن پروگراموں کے ذریعہ تبدیلی لانے کی متمنی ہے۔

پاکستان کی ڈاکٹر ثانیہ نشتر (ستارہ امتیاز) گلوبل ہیلتھ میں نیز پائیدار ترقی کی نامور لیڈر رہے۔ 2018 سے لے کر اب تک اس نے "احساس پاور ٹی الائنس" کے ذریعہ ملین سے زیادہ افراد کی زندگی میں موبائل بینکنگ اور سیونگ اکاؤنٹس کے ذریعہ خوش آئند تبدیلی پیدا کی ہے۔ لندن سے اس کو اعزازی ڈاکٹریٹ تفویض ہو چکی ہے۔ 2017 میں اس نے WHO کے ڈائریکٹر جنرل بننے کیلئے کوشش کی مگر کامیابی نہ ہوئی۔ وہ وفاقی وزیر برائے سائنس اینڈ ٹیکنالوجی بھی رہ چکی ہیں۔

پاکستان کی جلیلہ حیدر (ولادت 1988) کوئٹہ کی رہائشی ہیومن رائیٹس وکیل اور پولیٹیکل ایکٹیوسٹ ہے۔ وہ ہزارہ کمیونٹی سے تعلق رکھنے والی پہلی خاتون وکیل ہے۔ وہ ایک نان پرافٹ ادارے - We the Humans Pakistan کی بانی ہے۔

صومالیہ کی علواد ایلمان Ilwad Elman نوجوان ایکٹیوسٹ ہے جس نے اپنے وطن میں امن کے قیام میں حصہ لیا ہے۔ وہ تنازعات کو ختم کرنے میں گلوبل اتھارٹی جانی جاتی ہے۔ اسی طرح صومالی لینڈ کی ایجوکیٹر اوبا علی Ubah Ali ایک تحریک Solace for Somaliland Girls کی بانی ہے جو FMG کو ختم کرنے کی جدوجہد میں ہے۔

شام کی ڈاکٹر صفا کمانی Dr Safaa Kumani پلانٹ ویرالوجسٹ ہے جو فصلوں کو تباہ کرنے والی بیماریوں سے نجات حاصل کرنے کیلئے کوشاں ہے۔ اس نے اپنے وطن میں فوڈ سیکیورٹی کیلئے جو بیج دریافت کئے تھے ان کو محفوظ جگہ پر پہچانے کیلئے اس نے اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر حلب (الیپو) جا کر ان کو بچالیا۔

ترکی کی سوشل جسٹس ایکٹیوسٹ گل سوم کاو Gulsum Kav پیشے کے اعتبار سے اکیڈیمک اور میڈیکل ڈاکٹر ہے اور ایک تحریک We will Stop Femicide کی بانی ہے۔ پچھلے کئی سالوں سے ملک کے اندر عورتوں اور بچیوں کے قتل کی شرح بڑھنے کے پیش نظر اس نے اس مسئلہ کو اجاگر کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

یمن کی ایمان غالب حملی Iman Ghaleb al-Hamli دس عورتوں کے ایک گروپ کی مائیکرو گرڈ مینیجر ہے جنہوں نے سورج سے انرجی حاصل کرنے کیلئے Solar microgrid تیار کی ہے تاکہ صاف اور کم منفی اثر والی انرجی پیدا کی جاسکے۔ یہ کام انہوں نے تن تنہا یمن میں سول وار کی فرنٹ لائن سے صرف بیس میل دور انجام دیا ہے۔

()()()

(17)عورتوں پر ظلم،ماضی اور حال

وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ؟

دیکھنے کی بات یہ ہے کہ کیاواقعی عورت کے وجود سے کائنات میں رنگینی ہے؟

عورت: ایثار کا پیکر، وفا کی دیوی، کلیوں کا حسن، گلوں کی نکہت، پھولوں کی صباحت، شبنم کی پاکیزگی، چاند کی نرم وسبک چاندنی، ستاروں کی چمک، حسین گلوں کی نزاکت، ان سب کو ملا کر عورت کا خمیر بنا اور پھر عورت زندگی کی بہار، ویرانوں کی رونق، کاشانوں کی زینت، اندھیرے دلوں کا اجالا، پریشان زیست کا سکون بنی، بڑی بڑی جابر ہستیوں نے اس کا لوہا مانا، اس کو دل سے چاہا، اس کی عظمت وعلمیت کا اعتراف کیا، اس کی زیرکی کو سراہا، اس کے تقدس کے آگے سرنگوہوئے، اس کو سر آنکھوں پر جگہ دی۔ پھر عورت آرائش خانہ بنی، گھروں کا سنگھار کہلائی، شوہر نامدار کی جاں نثار، سرتاپا مہر ومحبت، سلیقہ شرم وحیا کی دولت سے مالا مال عورت نے قرنوں تک اپنے فرائض منصبی کو ادا کرنا اپنی زندگی کا نصب العین بنالیا، انہی مقاصد عالیا کے وہ جیتی رہی اور انہی کے لئے آسودہ خاک ہوئی۔

عورت ہی وہ ہستی ہے جس کے بغیر عالم رنگ وبو کی رنگینیاں بے کیف، جس کی رفاقت کے بغیر مرد کبھی خوشگوار وپر سکون زندگی کا تصور نہیں کر سکتا۔ ٹوٹے دلوں کو جوڑنے والی، ذخموں پر مرہم رکھنے والی، زیست کی الجھنوں کو سلجھانے والی جس کی تخلیق ہی محبت، وفا، جاں نثاری اور ہمدردی کیلئے ہوئی۔

عورت اور زرخیزی

پرانے دور میں عورت اور زمین کو زرخیزی سے تشبیہہ دی جاتی تھی۔ جو عورتیں اولاد کو پیدا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتیں ان کو بانجھ یعنی infertile کہا جاتا تھا۔ ہمارے دور میں ایسے کلینک جہاں اولاد کی خواہش مند عورتیں علاج کیلئے جاتیں ان کو فرٹیلٹی کلنک کہا جاتا ہے۔ ہندو دھرم میں عورت کو دیوی کا درجہ حاصل تھا اور دھرتی کو ماں کہا جاتا تھا۔ اسی لئے وطن کو انگلش میں مدر لینڈ کہا جاتا ہے۔ اور تو اور کمپیوٹر میں پرنٹڈ سرکٹ بورڈ، مدر بورڈmotherboardہوتا ہے جو اہم کمپونٹس کو آپس میں ملاتا جیسے سی پی یو، میموری، ان پٹ اور آؤٹ پٹ ڈی واسز۔ عراق کے صدر صدام حسین نے 1992 کی گلف وار کو مدر آف بیٹلز(ام المعارک) کہا تھا۔ انسان کی مادری زبان کو مدر ٹنگ کہا جاتا ہے۔

عورت قدیم فلاسفروں کی نظر میں

اتنی ساری سنہری خوبیوں کے باوجود حقیقت یہ ہے کہ تاریخ عالم میں عورت پر ظلم کی داستاں سب سے زیادہ بھیانک اور

دردناک ہے۔ ابتدائے آفرینش سے لے کر اب سے چند سو سال قبل تک عورت کے ساتھ ہر قسم کا وحشیانہ سلوک روا رکھا گیا تھا۔ اس کے ساتھ ذلیل ترین برتاؤ کیا گیا، مرد اس کی آغوش کو بے رحمی سے زخمی کرتا رہا جس میں وہ پرورش پاتا تھا۔ ابھی کچھ عرصے کی بات ہے کہ دنیا کے فلاسفر اور حکماء عورت کے بارے میں کہتے تھے کہ وہ دنیا کی بدترین لعنت ہے۔ عورت گلشن کائنات میں ایسے کانٹے کی مانند ہے جس سے لوگوں کو اذیت پہنچتی ہے۔ سقراط نے عورت کے متعلق کہا تھا کہ عورت سے زیادہ فتنہ و فساد کی اور کوئی چیز نہیں ہے۔ میں نے جس مسئلہ پر غور و فکر کیا اس کو گہرائیوں تک آسانی سے پہنچ گیا لیکن آج تک میں عورت کی فطرت کو سمجھ نہیں سکا۔

پھر افلاطون نے کہا تھا کہ سانپ ڈسنے کا علاج تو موجود ہے لیکن عورت کے شر کا علاج ممکن نہیں۔ اسلئے اگر ممکن ہو تو اس مجسمہ شر کو ذلت کے آخری غار میں دھکیل دیا جائے۔ چنانچہ یہ سقراط اور افلاطون کی تعلیم ہی کا نتیجہ تھا کہ قدیم یونان میں عورت کو بازاروں میں بھیڑ بکریوں کی طرح فروخت کیا جاتا تھا۔ عورت کو سامان عیش سمجھا جاتا تھا یا پھر گھر کی ذلیل و کمترین خادمہ۔

یونان کے بعد روم کی سلطنت میں عورت کی حالت لونڈیوں سے بھی بر تر تھی کیونکہ اس کے ساتھ جانوروں جیسا سلوک کیا جاتا تھا۔ قصوروار عورت کو ہولناک سزا دی جاتی تھی۔ سر بازار اس کی عصمت لٹنے کا تماشہ دیکھا جاتا تھا۔ عورت کی حیثیت کا اندازہ اس بات بھی لگایا جاسکتا ہے کہ روسی مفکرین میں کئی سال تک یہ بحث چلتی رہی کہ عورت کیا انسان بھی ہے یا نہیں؟ چنانچہ ایک کانفرنس منعقد کی گئی اور طے پایا کہ عورت حیوان نجس ہے جو روح سے خالی ہے۔ اس کیلئے ہنسنا اور بات کرنا جائز نہیں اس لئے اس کو چاہئے کہ وہ اپنا منہ ہمیشہ بند رکھے۔

مصر، یورپ کی تہذیب

روم کے بعد مصر کی تہذیب نے اپنی عظمت کا پرچم لہرایا لیکن یہاں بھی عورت کو غلام بنایا جاتا تھا۔ مصر کا فرعون طاقت کے نشے میں اپنی بہن سے بھی شادی کر لیتا تھا۔ دیوتاؤں کو سکون پہچانے اور خوش کرنے کیلئے عورت کی قربانی دی جاتی تھی۔ دریائے نیل کی خوشنودی پانے کیلئے ہر سال ایک کنواری دوشیزہ کو دریا میں غرق کر کے اس کو عروس نیل کا خطاب دیا جاتا تھا۔ جرمنی انگلستان اور فرانس میں بھی چودہ سو سال قبل عورت کو ایک ذلیل مخلوق سمجھا جاتا تھا۔ کمزور اور بد صورت بیٹیوں کو موت کی آغوش میں دھکیل دیا جاتا تھا۔ چھٹی صدی عیسوی میں برطانیہ میں عورت کو باقاعدہ منڈی میں خریدا جاتا تھا۔ عورت کو سوسائٹی کا بدنما داغ سمجھا جاتا تھا۔ برطانیہ کے مشہور فلاسفر ٹامس ہارڈنگ نے لکھا تھا کہ اگر ہم دس سال تک غور کرتے رہیں تب ہی وہ عیاریاں ہمارے ذہن میں آسکتیں جو عورت ایک لمحہ میں سوچ سکتی ہے۔ عورت ایک شیطانی جادو ہے جس کے اثر سے محفوظ رہنا دشوار ہے۔ وہ ایک ایسی غذا ہے جس کا ذائقہ مزیدار لیکن اس کو ہضم کرنا مشکل۔ قدیم میکسیکو میں ابھی کچھ عرصہ پہلے ایک

کنواں دریافت ہؤا جس میں سورج دیوتا کے نام پر ہر سال ایک کنواری لڑکی کو دلہن بنا کر دھکیل دیا جاتا تھا۔

جرمن فلاسفر نیٹشے Nietsche نے لکھا ہے عورت کا مقصد صرف یہ ہے کہ وہ مرد کی قید میں رہے اور اس کی خدمت پر مامور رہے۔ نپولین نے عورت کے بارے میں کہا تھا عورت فطرت کی طرف سے مرد کیلئے ایک عطیہ ہے تا کہ بچوں کو جنم دے سکے۔ عورت ہماری جائیداد ہے ہم عورت کی جائیداد نہیں ہیں۔ ہٹلر نے کہا تھا ڈاکو آپ سے دو چیزوں میں سے ایک طلب کرتا ہے اپنا مال دے دو یا اپنی جان دے دو۔ مگر عورت جان بھی لیتی ہے اور دولت بھی۔ برطانیہ کی ملکہ ایلزبتھ اور جیمز اول کے دور حکومت میں دو ہزار عورتوں کو زندہ جلایا گیا تھا۔ یورپ میں تین سو سال تک ((1500-1800 کے عرصہ میں دو لاکھ عورتوں کو وچ ہنٹ کے دوران تشدد کا نشانہ بنایا گیا زندہ جلایا یا پھر پھانسی لگایا گیا۔ ایک قدیم روسی شاعر نے لکھا تھا کہ میں سانپ اور بچھو سے دوستی کر لوں گا لیکن عورت سے نہیں۔ چین میں بھی عورت کی حیثیت کچھ اس سے مختلف نہیں تھی۔ چینی حکماء کا کہنا تھا عورت ایک ایسے پھل کی مانند ہے جو دیکھنے میں اچھا لیکن ذائقے میں تلخ ہوتا ہے۔ چین میں مرد نے عورت کو کس قدر بے بس بنا دیا تھا اس کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ لڑکی کو بچپن میں ہی لوہے یا لکڑی کے جوتے پہنائے جاتے تھے تا کہ اس کے قد کے ساتھ اس کے پاؤں بھی لمبے نہ ہوں۔ اس کے نتیجہ میں لڑکی جوان ہو جاتی تھی مگر اس کے پیر ننھے منھے سے رہ جاتے تھے۔

ایران، مصر میں عورت

آج سے دو ہزار سال قبل ایران تہذیب یافتہ ملک سمجھا جاتا تھا مگر عورت کی حیثیت ایک حقیر جانور کی سی تھی۔ عورت متعدد بھائیوں کی بیوی بن سکتی تھی۔ لڑکیوں کی پیدائش کو باعث ندامت سمجھا جاتا تھا۔ عورت تمام حقوق سے محروم تھی۔ باپ کی وفات کے بعد اولاد اپنی ماں کو ترکہ کے طور پر اپنے تصرف میں لے آتی تھی۔ اب آج دو ہزار سال بعد ایران میں ملائیت کا نظام جاری ہے اور عورت کو چادر اور برقعے کی قید میں رکھا جاتا، ان پر طرح طرح کی پابندیاں ہیں۔ عورتیں برقعے کے خلاف مظاہرے کرتی ہیں تو ان کو پابند سلاسل کر دیا جاتا ہے۔ یہ ملائیت فاشزم کا دوسرا نام ہے 1979 میں جب امام خمینی نے عنان حکومت سنبھالی تو پہلا کام انہوں نے یہ کیا کہ عورتوں کا رول گورنمنٹ اور سوسائٹی میں محدود کر دیا جیسے: تمام عورتوں ججز کو معزول کر دیا گیا کیونکہ ان میں اتنی ذہنی استعداد نہیں کہ وہ شریعت کے مطابق عدالتی فیصلے کر سکیں۔ مضحکہ خیز بات یہ ہے کہ امام نے آٹھ سال کی لڑکی کو شادی کی اجازت دے دی کہ وہ ذہنی طور پر اس قابل ہے کہ اپنا فیصلہ خود کر سکے۔

مصر میں اگرچہ جمال عبدالناصر نے عورتوں کو ووٹ کا حق دے دیا تھا مگر گھر سے باہر جانے کیلئے عورت کو شوہر کی اجازت یا کورٹ آرڈر لینا ضروری ہوتا تھا۔ اگر کوئی بیوی شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر چلی جاتی تو وہ اس کا گھر سے مستقل اخراج کر دیتا تھا۔ اس کا ذکر نجیب محفوظ نے ناول Palace Walk میں کیا ہے۔ لیکن سب سے زیادہ گھناؤنا اور سیاہ قانون بیت

الطاء(اطاعت کا گھر) تھا جس کے مطابق خاوند گھر سے نکالی عورت کو مجبور کر سکتا تھا کہ وہ واپس آئے تاوہ اس کے ساتھ سیکس کر سکے چاہے وہ شوہر سے حد درجہ نفرت کرتی ہو۔ بعض حالتوں میں ضرورت ہو تو پولیس کو بلایا جا سکتا تھا تاوہ عورت کو گھسیٹ کر کے واپس شوہر کے گھر لے جائیں۔ ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے والے شوہروں کیلئے ضروری نہیں ہوتا تھا کہ وہ پہلی بیوی کو بتائیں ۔ بعض بیویوں کو شوہر کی وفات کے وقت پتہ چلتا تھا جب جائیداد اور اثاثوں کی تقسیم کا وقت آتا تھا۔

G. Brooks, Nine Parts of Desire, page 188, NY 1996

عورت امام الغزالیؒ کی نظر میں

عربوں (بالخصوص شام اور فلسطین) میں عورت کو زندہ در گور کیا جاتا تھا۔ عہد وسطیٰ میں عورت کم ترین مخلوق سمجھی جاتی تھی۔ اسلام کے مایہ ناز عالم امام الغزالیؒ کے نقطہ نظر کے مطابق مرد کو عورت پر فوقیت حاصل ہے۔ یونانی فلسفی ارسطو اور ابو حمید الغزالی کی نگاہ میں عورت کا معاشرے میں سب اچھا کردار بچوں کی نگہداشت کرنا ہے، اور یہ کہ گھر کے کام کاج کیلئے عورت ہی زیادہ موزوں ہے۔ ارسطو نے اس لحاظ سے عورت کو مثبت رول دیا تھا جبکہ الغزالی کے نزدیک یہ رول منفی تھا۔ حجۃ الاسلام کے نزدیک عورت مرد کے ماتحت ہوتی، ان کے نزدیک شادی کے بعد عورت مرد کی غلام ہو جاتی ہے۔ ارسطو کے نزدیک ایک اچھے خاندان کی بنیاد عورت ہوتی ہے۔ جبکہ غزالی کے خیال میں گھرانے میں صرف ایک ماسٹر ہو سکتا اور تابعدار بیوی۔ غزالی کے نزدیک عورت کیلئے تعلیم بے سود تھی اسلئے گھر سے باہر عورت کے مفروضہ کام کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ غزالی اپنی تالیف نصیحۃ الملوک میں فرماتے ہیں :

جب تک کوئی عورت خدا کے احکامات پر عمل کرتی اور اپنے شوہر کی تابعدار ہوتی، وہ چرخے کو ہاتھ میں پکڑتی اور چلاتی، یہ ایسا ہے

جیسے وہ اللہ کے اسماء حسنیٰ کا ورد کر رہی ہو، نماز میں شامل ہو رہی ہو اور غیر مسلموں کے خلاف جدال میں مصروف ہو۔ جب تک کوئی عورت چرخہ کاتتی رہتی گویا اس کے گناہ دھو دیئے گئے۔ چرخہ کاتنا عورت کیلئے جائے پناہ اور محفوظ مقام ہے۔ تین قسم کی صدائیں اللہ کے عرش تک پہنچتی ہیں۔ (1) کافروں کے خلاف تیر کمان تیار کرنے کی صدا (2) عالم کے قلم کی صدا (3) نیک عورتوں کے چرخہ کاتنے کی صدا۔ Nasihatul Maluk, pp 158-173 Eng. Trans.

نصیحۃ الملوک کے آخری باب ہفتم 'عورتوں کے اچھے اور برے پہلو' (فارسی: اندر صفت زنان و خیر و شر ایشان) میں غزالی تسلیم کرتے ہیں کہ دنیا کی اکثریت عورتوں پر انحصار کرتی کیونکہ وہ اولاد جنم دیتی ہیں، نسل انسانی ان سے ہی چلتی ہے۔ لیکن یہ مردوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ رفیق حیات کے انتخاب اور بیٹیوں کو شادی میں دیتے وقت تحفظ کے تمام پہلوؤں کو مد نظر

رکھیں۔ بادشاہ کو نصائح کرتے ہوئے وہ عورتوں کی تشبیہ کے ذریعہ اخلاق اور کردار سازی کے معاملات کی وضاحت کرتے جیسے بخیلی، بددلی، غصے میں آجانا، اور عورتوں کی شہوت بازی۔ کتاب کے شروع میں وہ مردوں کو عورتوں سے متعلق تنبیہ کرتے اور ضرر ونقصان جو عورت کے ذریعہ پہنچ سکتا۔ منفی اوصاف کی مثالیں دیتے ہوئے وہ بادشاہ کو نصیحت کرتے کہ اگر وہ ان کمزوراوصاف کا حامل ہو گا تو اسکارویہ عورتوں کی طرح ہو گا۔

فارسی: خداوند کتاب گوید کہ آبادانی جہان ونسل آدمی از زنان است۔ وآبادانی ھر گز بی رای وتدبیر راست نیاید، وگفتہ اند کہ شاوروھن وخالفوھن۔ وواجب است ہر مردم داناوھشیار کہ احتیاط کند درکار زن خواستن ودختر بہ شوھر دان، خاصہ کہ دختر رسیدہ گشت تابہ عار وعیب ودردسر نیفتد۔

(نصیحتہ الملوک، تہران 1989، چاپ اول جامی، صفحات 219-222 ()

اسی کتاب کے صفحہ 227 پر یہ تحریر پڑ کر دل کڑھتا اور شرم سے سر جھک جاتا: آپ لکھتے ہیں :

عورتوں میں دس جانوروں کے مزاج اور صفات ہوتے ہیں جیسے سوَر، سگ، چوہے، عقرب، فاختہ، بھیڑیا اور بھیڑ۔ (فارسی: چون خوک، چون پکی، چون سگ، چون مار، چون استر، چون کژدم، چون موش، چون کبوتر، چون روباہ، چون گوسفند)۔

عربی میں تصنیف شدہ کتاب کسر الشہواتین میں صفحہ 12 پر لکھتے ہیں :

"عورتیں شیطان کا پھندہ ہیں، اگر (مرد) میں یہ جنسی خواہش نہ ہوتی تو عورتیں مردوں پر کبھی بھی حکمرانی نہ حاصل کر سکتیں۔"

شیخ احمد سرہندی کا ارشاد

ہندی صوفی عالم دین شیخ احمد سرہندی (1624) نے خدا تعالیٰ کی طرف سے مردوں پر خصوصی عنایات کا دعویٰ کیا۔ انہوں نے مردوں کو چار عورتوں سے شادی کرنے، حسب منشاء لونڈیاں رکھنے، اور طلاق کے ہتھکنڈے کو استعمال کرتے ہوئے بیویوں کو بدلنے کی اجازت دی۔ کیونکہ عورتیں کی ساری زینت باری تعالیٰ کی جناب سے محض مردوں کے لطف اندوز ہونے کی غرض سے عطا کی گئی ہے۔۔۔ چونکہ عورتوں کی فطرت اتنی مکار ہے اس لئے ہر حرام کاری (adultry) میں عورت ہی کو بڑا مجرم گردانا چاہئے اور یہ کہ اس کی رضامندی کے بغیر یہ عمل ناممکن ہوتا ہے۔ (قرآن نے جرم کی مذمت کرتے ہوئے زانیہ کو سزا پہلے اور زانی کو بعد میں رکھا ہے 24:2)

شیخ احمد سرہندی، مکتوبات امام ربانی جلد اول، مکتوب نمبر 192۔ نول کشور ایڈیشن، تاریخ اشاعت ندارد لکھنو اول، صفحات 190-91)

بادشاہ جہانگیر (1605-1627)

مغل بادشاہ جہانگیر سے منسوب اخلاقی مواعظ کا نسخہ درج ذیل ہدایات پر مبنی ہے: "بیٹیوں کی موت پر آزردہ مت ہو، عورتوں کی نصیحت پر عمل نہ کرو، ان کی دلجوئی نہ کرو، ان کے فریب، اور چالبازی سے کبھی غافل نہ ہو" (پند نامہ جہانگیری، خواجہ نعمت اللہ الحراوی کی کتاب کا ضمیمہ، ڈھاکہ 1962، صفحہ 703) اگرچہ اس طرح کے نصائح خود جہانگیر کی اپنی یادداشتوں میں نہیں پائے جاتے۔

رامائن میں عورت

ہندی کے مشہور شاعر تلسی نے رامائن میں لکھا ہے: پشو، شودر اور ناری، تینوں تاڑن کے ادھ کاری۔ یعنی چوپائے، شودر (بھنگی چمار) اور عورت تینوں کو ڈانٹ ڈپٹ ہی سیدھے راستے پر رکھ سکتی ہے۔ ہندوستان میں ماہواری کے لائق (دس سے پچاس سال کی نجس ناپاک) عورتوں کو کیرالہ میں واقع صابری مالا مندر میں داخل ہونے کی اجازت نہیں تھی۔ اس مندر میں ہر سال پچاس ملین پجاری آتے ہیں۔ ستمبر 2018 میں انڈیا کی سپریم کورٹ نے ماہواری والی عورتوں کو مندروں میں جا کر پوجا کرنے کی اجازت دے دی یہ کہہ کر کہ عورتوں کے خلاف کسی قسم کا امتیازی سلوک چاہے اس کی بنیاد دھرم ہو غیر آئینی ہے۔

اسلامی ممالک میں عورت سے سلوک

قدیم دور میں عورت کے ساتھ جو سلوک روا رکھا گیا وہ جدید دور میں بھی تبدیل نہیں ہو سکا۔ نسل در نسل عورت کے متعلق رویے اتنے ہی بھیانک رہے ہیں۔ ماں کی تو بہت عزت کی جاتی مگر بیوی کو بعض مرد جوتی کی نوک پر بھی نہیں بٹھاتے اور بلا وجہ اپنی فرسٹریشن اور غصہ بیوی پر نکالتے ہیں۔

اسلام کے گہوارے میں عورت پر جو ظلم ڈھایا جاتا رہا ہے اور جس بے دردی اس کے انسانی حقوق کی پائمالی کی گئی ہے اس کا سن کر انسان پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ کسی عورت کو ملک کے اندر یا باہر جانے کیلئے اس کے شوہر، بیٹے یا پوتے کا تحریری اجازت نامہ لینا ضروری ہوتا ہے۔ کسی بیوہ دادی یا نانی کا کوئی قریبی مرد رشتہ دار نہ ہو تو اس کو پوتے یا نواسے سے سفر کیلئے اجازت نامہ لینا پڑتا۔ عورت کو ملازمت کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ 1986 میں سعودی عرب میں ورک فورس میں چار فی صد عورتیں تھیں۔ عورتوں کو ملازمتوں کے مواقع حاصل نہیں تھے۔ اقوام متحدہ کی طرف 1975 میں میکسیکو سٹی میں انٹرنیشنل ویمن ائیر کانفرنس منعقد ہوئی جس میں عورتوں کا وفد مردوں پر مشتمل تھا۔ عورتوں کو کار ڈرائیونگ کی اجازت نہ تھی۔ اگرچہ 2022 میں عورتوں کو ڈرئیونگ کی اجازت ہے۔ کئی ممالک میں عورت کو گھر سے باہر جانے کیلئے اس کے ساتھ کسی مرد کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ اگر کوئی سمجھ دار عقل مند زیرک عورت ملازمت کرنا چاہے تو اس کیلئے شرائط لگائی جاتی

ہیں۔1)شوہر کو بیوی کی ملازمت ختم کرنے کا حق ہے(2)اگر شوہر خطرہ محسوس کرے کہ اس کی بیوی کو کسی طرح کا گزند پہنچے گا،اس کی عزت لوٹی جاسکتی ہے یا اس کو جنسی طریق سے بہلایا جاسکتا ہے۔عورتیں سٹڈیم میں جاکر سپورٹس نہیں دیکھ سکتی تھیں ۔عورت برقعہ پہنے بغیر گھر سے باہر نہیں جاسکتی تھیں۔اگرچہ اب عرب میں ولی عہد محمد بن سلمان کی بالغ نظری کی وجہ سے معاشرتی اصلاحات عمل میں لائی جارہی ہیں۔دسمبر 2021 میں بالی ووڈ ایکٹر سلمان خاں نے ریاض میں کنسرٹ کیا تھا جس میں ہزاروں80,000لوگوں نے شرکت کی تھی۔سلمان،شلپا شیٹی اور منیش پال نے جسم میں بجلی دوڑا دینے والے مقبول گیتوں منی بدنام ہوئی،مجھ سے شادی کروگی،پر اعلی درجے کی پرفارمنس دی۔

سعودی عرب میں سب سے زیادہ استحصال اور ظلم وجبر کا شکار وہ عورتیں ہیں جو گھروں میں کام کیلئے انڈونیشیا،فلپائن،سری لنکا اور بنگلہ دیش سے لائی جاتی ہیں۔یہ محنت کش خواتین گھروں میں سالوں سال مقید رہتیں کیونکہ خواتین کے گھر سے نکلنے کے لئے ان کے ساتھ کسی محرم(باپ،بھائی)کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔اس قید میں جسمانی کے ساتھ جنسی تشدد کے واقعات بھی معمول کی بات ہیں اور شرعی قوانین کے مطابق عورت کو اپنے ساتھ ہونے والی جنسی زیادتی(ریپ)چار خواتین یا دو مرد گواہوں کی ضرورت ہوتی ہے۔جو ان مظلوم عورتوں کو کبھی میسر نہیں آسکتے۔یہ ایک نہ ختم ہونے والی دہشت گردی اور وحشت ہے۔سعودی عرب میں گزشتہ ساڑھے تین برسوں کے دوران 218,000 سے زائد بنگلہ دیشی خواتین(ڈومیسٹک ورکرز)سعودی عرب جاچکی ہیں جہاں ان کو کئی قسم کی مشکلات کا سامنا ہے۔مالکان ان کو خوراک نہیں دیتے ان کا تنخواہوں کے معاملے استحصال کیا جاتا ہے۔ان کو جسمانی تشدد کا نشانہ بنایا جاتا بلکہ جنسی طور پر ہراساں بھی کیا جاتا ہے۔اس سال67,000، عورتیں ملازمت کیلئے ملک سے باہر گئیں جن میں59,000 سعودی عرب گئیں تھیں۔جن میں سے پانچ ہزار مخدوش حالت میں ملک واپس آگئیں ہیں۔سعودی عرب کے بوڑھے کھوسٹ کراچی اور ہندوستان(حیدر آباد)جاتے اور نوجوان لڑکیوں سے شادی کرکے کچھ دن بعد ان کو طلاق دے دیتے ہیں۔یعنی رنڈی بازی کو حلال کر دیا گیا ہے۔بے غیرتوں کو شرم نہیں آتی۔

نیشنل کرائم ریکارڈ بیورو کے مطابق 2015 میں انڈیا میں ہر پندرہ منٹ میں عورت کا ریپ کیا گیا۔ہر بائیس منٹ پر عورت کو جنسی تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔فلسطین اور دیگر عرب ممالک میں غیرت کے نام پر بھائی جس طرح بہن کا بے دردی سے قتل کر دیتے ہیں اس دکھ بھری طویل داستان کیلئے تو کتاب درکار ہوگی۔آئے روز لڑکیوں کو یورپ اور امریکہ سے پاکستان ہندوستان واپس لے جاکر ان کی شادیاں زبردستی ان کی مرضی کے خلاف کر دی جاتی ہیں۔اگر لڑکی نہ مانے تو اس کا گلا دبا کر اس کو لقمہ اجل بنا دیا جاتا ہے۔سال اپریل 2018 میں اٹلی میں رہنے والی صنا چیمہ کے غیرت کے نام پر قتل میں گجرات کے رہائشی اس کا باپ غلام مصطفی،بھائی اور چچا ملوث پائے گئے تھے۔کاروکاری کی منحوس رسم کی وجہ سے کتنی معصوم لڑکیوں کو اپنی جانوں سے ہاتھ

دھونے پڑے ہیں۔

دسمبر 2021 میں پاکستان قومی اسمبلی کو بتایا گیا کہ گزشتہ چار سالوں کے دوران ملک میں عصمت دری کے 41,000 واقعات رپورٹ ہوئے۔ پنجاب میں گزشتہ چھ ماہ کے دوران 2,439 خواتین کی عصمت دری کی گئی، 9529 کو اغوا کیا گیا، 22,030 کو تشدد کا نشانہ بنایا گیا اور 90 کو بے دردی سے قتل کیا گیا۔ جبکہ بلوچستان میں 2021 میں 49 خواتین کو غیرت یا خاندانی عزت کے نام پر قتل کیا گیا۔ اس ہفتے فروری 2022 میں خبر آئی کہ سرگودھا میں پولیس ایک گم شدہ بچی کو تلاش کر رہی تھی کہ وہ ایسی جگہ پر پہنچ گئے جہاں 151 لڑکیاں موجود تھیں جن کو طوائفوں کے طور پر اور قحبہ خانوں میں استعمال کیا جا رہا تھا۔

اس صورت حال نے پاکستان کو خواتین کے جنسی طور پر ہراساں کرنے کے انڈیکس میں ٹاپ 10 ممالک میں لا کھڑا کیا ہے۔ پاکستان میں یونیورسٹیوں میں طالبات، خواتین نوکریوں کی جگہوں پر شاہراہوں پر گلیوں میں گھروں کے اندر بھی محفوظ نہیں۔ ملک کے وزیر اعظم نے بجائے درندوں کو کیفر کردار تک پہنچانے کے خواتین کے ڈریس کوڈ کو ایسے بہیمانہ واقعات کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے۔

اگر وجود زن سے کائنات میں رنگ ہے تو پھر اس ذات پر کیوں اتنا ظلم کیوں کیا جاتا ہے؟

http://www.humsub.com.pk/177102/zakaria-virk-2/

()()()

(18) کوئین وکٹوریہ اور منشی عبدالکریم، پاک محبت کی سچی کہانی

ستمبر 2017ء میں برطانیہ کینیڈا اور امریکہ میں ٹیلی ویژن پر ایک ڈاکومنٹری وکٹوریہ اینڈ عبدل کے نام سے ریلیز ہوئی تھی۔ اور ابھی بھی یوٹیوب پر دیکھی جاسکتی ہے۔ اس ڈاکومنٹری کو ہندوستانی قلم کار مس شرابانی باسو Shrabani Basu کی کتاب وکٹوریہ اینڈ عبدل کی بنیاد پر بنایا گیا تھا۔ یہ کتاب 2010 میں پہلی بار منصہ شہود پر آئی اب اگست 2017 میں یہ تیسری بار زیور طبع سے آراستہ ہوئی ہے۔ مستند حوالوں سے لکھی کتاب، دلچسپ اور حقائق سے بھرپور داستان ہے جس کو قلم بند کرنے کیلئے مصنفہ نے تین ملکوں کا سفر کیا تھا۔ کہیں بھی فکشن نہیں ہے۔ کہیں کہیں محلاتی سازشوں اور رنگ و نسل، زبان کے تعصبات کو ظاہر کیا گیا ہے۔

قیصر ہند ملکہ معظمہ وکٹوریہ کو ہندوستانی کھانے مرغوب تھے خاص طور پر چکن کری (مرغی کا شوربے دار سالن) بریانی اور دال۔ یہ مصالحے دار ہندوستانی کھانے لنچ کے وقت ہندوستان سے آئے ملازم ملکہ وکٹوریہ کیلئے ہر روز تیار کرتے تھے۔ ان میں سے ایک 24 سال کا ہندوستانی آگرہ کی جیل کا کلرک عبدالکریم تھا جو ملکہ کی گولڈن جوبلی (1887) کے موقعہ پر گھریلوں ملازم کے طور پر لندن لایا گیا تھا۔ گولڈن جوبلی میں پچاس بادشاہوں اور شہزادوں نے شرکت کی تھی۔ جلد ہی وہ ملکہ کا قابل اعتماد مصاحب اور صائب الرائے مشیر بن گیا۔ اعتماد کی یہ حالت تھی کہ ملکہ کے صیغہ راز میں لکھے گئے، امور مملکت سے متعلق تمام خطوط منشی پڑھ سکتے تھے اور ہندوستانی امور میں ملکہ کو مشورے دیا کرتے تھے۔ ملکہ کے اردو جرنلز میں وہ بلاٹنگ پیپر ابھی تک تھے جو سو سال قبل منشی نے ملکہ کی تحریر پر استعمال کئے تھے۔ عبدالکریم کو منشی (ٹیوٹر) کا خطاب ملکہ نے خود دیا تھا، جبکہ انگلش میں سرکاری خط و کتابت میں اس کو انڈین سیکرٹری لکھا جاتا تھا۔

منشی عبدالکریم اور ایمپریس آف انڈیا ملکہ وکٹوریہ کے درمیان جن خطوط کا تبادلہ ہؤا تھا وہ ماسوا چند ایک کے تمام نذر آتش کر دیئے گئے تھے۔ نیز ملکہ نے روزنامچے (ڈائری) میں جہاں جہاں منشی کا ذکر کیا تھا ملکہ کی وفات کے بعد اس کی بیٹی Beatrice Princess نے وہ فقرے بلیک آؤٹ کر دیئے تھے۔ برطانوی تاریخ نویسوں نے عبدالکریم کی تصویر rogue کے طور پر رقم کی جس نے سوشل مقام حاصل کرنے کیلئے ملکہ کو بے جا استعمال کیا تھا۔ مگر اس دوستانہ تعلق میں ملکہ بھی اتنی ہی ذمہ دار تھیں۔

ملکہ قیصر ہند جس کے ہاتھوں میں عنان حکومت چونسٹھ سال 1837-1901 تک رہی، اور عبدالکریم کا تعلق 13 سال تک قائم رہا۔ اس کی صحیح صورت معلوم کرنے کیلئے لندن میں رہنے والی جرنلسٹ قصرونڈ سرگئی، اس نے ملکہ کے گیارہ ہندوستانی

جرنلز (مشق کی کاپیاں exercise books) کو دیکھنے کی درخواست کی جن میں عبدالکریم ملکہ کو اردو بولنے، لکھنے اور پڑھنے کے سبق دیا کرتے تھے۔ مس باسو Basu نے انڈین دربار روم (بینکویٹ ہال) میں منشی عبدالکریم کی پورٹریٹ دیکھیں جن میں وہ ملازم کے بجائے نوبل مین نظر آتے تھے۔ ان کے سینے پر طرح طرح کے تمغے آویزاں تھے۔

عبدالکریم کی پیدائش جھانسی میں 1863 میں ہوئی تھی جہاں ان کے والد وزیر الدین دواساز یا ڈاکٹر hospital assistant تھے۔ عبدالکریم اردو، فارسی، عربی اور انگریزی پڑھتا ہوا، نیز قرآن پاک حفظ کرتا ہوا ہندوستان سے لندن آیا تھا۔ ملکہ اور اس کے مابین جلد ہی platonic تعلق قائم ہو گیا۔ کیونکہ ملکہ معظمہ کے شوہر البرٹ وفات (1861) پا چکے تھے اور اس کے بعد ان خادم خاص، قابل اعتماد سکاٹش جان براؤن بھی لمبی خدمت کے بعد دار لبقاء کو روانہ ہو چکا تھا۔ ملکہ حد درجے تک محل کے اندر تنہائی محسوس کرتی تھیں۔ ملکہ نے منشی کو اردو بولنے کا کہا، وہی لفظ ملکہ نے دہرائے اور خود اپنی آواز سن کر اتنی خوش ہوئیں کہ منشی پر بری طرح لٹو ہو گئیں۔ اگلے ہی لمحے خادم عبدالکریم، منشی عبدالکریم بنا دیئے گئے۔ دونوں میں ماں بیٹے جیسا پیار بھرا رشتہ اتنی جلد استوار ہو گیا کہ ملکہ نے اپنے محل کے در و دیوار ہندوستان سے آئے ہوئے تحائف، سوغاتوں اور اپنا تن بدن راجوں مہاراجوں کے بھیجے ہوئے قیمتی زیوارت سے سجالیا۔ شاہی محل کے دیگر مکین عبدالکریم کو ایک نوکر کی حیثیت سے دیکھتے تھے مگر وہ ملکہ کی آنکھ کا تارا تھے۔ ملکہ ہر سفر میں ان کو اپنے ہمراہ رکھتی تھیں۔ محل میں ملکہ کے رشتہ دار، وزراء، شہزادے، شہزادیاں، مصاحب، ملازم تو تین تین روز تک انتظار کرتے کہ ملکہ سے ملاقات کی سعادت نصیب ہو، جبکہ عبدالکریم ملکہ کے خلوت خانے میں راز و نیاز کیا کرتے بلکہ مذہب، سیاست، فلسفہ، گھریلو سیاست پر تبادلہ خیال کرتے تھے۔ کبھی وہ کسی کیلئے سفارش کرتے اور کبھی اپنا منصب بڑھانے کیلئے فرمائشیں کرتے۔

اپنے چہیتے منشی عبدالکریم کی خاطر ملکہ وکٹوریہ خدا جانے کس کس سے لڑی، کس کس سے پنجہ آزمائی کی، کتنی بار آٹھ آٹھ آنسو روئی اور جب عبدالکریم کو بخار ہو گیا تو کتنی بار اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھ رکھ کر دیکھا کہ اس کا بخار کم ہوا یا کہ نہیں۔ ایک دفعہ منشی کی گردن پر کاربنکل نمودار ہوا، ملکہ نے بغیر سوئے رات گزار دی۔

دیگر ہندوستانی ملازم

منشی عبدالکریم کے علاوہ شاہی محل میں اور ہندوستانی بھی برسر روزگار تھے جیسے منشی کے دوست جرنلسٹ اور بیرسٹر رفیع الدین احمد، احمد حسین، غلام مصطفی، خدا بخش، شیخ چڈا، عبداللہ، دلیپ سنگھ ابن مہاراجہ رنجیت سنگھ، مرزا یوسف بیگ، منشی کے اقرباء جیسے: والد ڈاکٹر وزیر الدین، منشی کی اہلیہ، منشی کی ساس، حرمت علی منشی کے برادر نسبتی، منشی کے بھتیجے عبدالرشید۔ عبدالکریم اور محمد بخش ہندوستان سے ملکہ کی جوبلی تقریبات میں امداد کیلئے بطور خدمت گار ایک ہی

بحری جہاز میں لندن لائے گئے تھے۔ ڈاکٹر وزیر الدین پہلے ہندوستانی تھے جنہوں نے ونڈسر محل میں حقہ پیا تھا۔ (بعض تاریخ نویسوں کا کہنا ہے کہ وزیر الدین آگرہ جیل میں دواساز تھے)

دو سال بعد جب عبد الکریم کو قیصر ہند ملکہ معظمہ کا مکمل اعتماد حاصل ہو گیا تو انہوں نے شکایت کی کہ آگرہ میں وہ جیل کلرک تھے جب کہ یہاں شاہی محل میں ان کا درجہ کم ہے اور ان کو خدمتگار کے فرائض دیئے گئے ہیں۔ انہوں نے اپنی ناخوشی کا اظہار کرتے ہوئے یہ بھی کہا کہ وہ ہندوستان واپس چلا جانا چاہتے ہیں۔ ادھر جرمنی میں جب ملکہ معظمہ کی بیٹی Vicky کا خاوند جو جرمنی کا بادشاہ تھا وفات پا گیا تو ملکہ نے کئی روز اپنے غم اور افسوس کا اظہار عبد الکریم سے کیا جنہوں نے پوری دلجمعی کے ساتھ ملکہ معظمہ سے دلجوئی کی۔ ملکہ اب کوئی بھی بات عبد الکریم سے کسی جھجک کے بغیر کر لیتی تھیں۔ چنانچہ 1888 میں عبد الکریم کو اردلی سے منشی کا عہدہ دے دیا گیا یعنی وہ ملکہ برطانیہ کے استاد تھے۔

ملکہ کا اردو پڑھنا سیکھنا

ملکہ معظمہ کو عبد الکریم سے اردو سننا بہت بھاتا تھا۔ پھر ان کے مصالحے دار چکن کری، دال اور بریانی نے تو قیصر ہند کے دل کو موہ لیا تھا۔ ملکہ نے عبد الکریم سے اردو سیکھنے کا کہا تو ان کا دل بلیوں اچھلنے لگا۔ اس ضمن میں عبد الکریم سنجیدہ استاد اور taskmaster ثابت ہوئے۔ عبد الکریم نے شاہی سٹیشنری مہیا کرنے والوں سے لائینوں والی کاپیاں لانے کا مطالبہ کیا۔ ہر شام وہ ملکہ معظمہ کو سبق دیتے تھے۔ شروع میں روزانہ استعمال ہونے والے الفاظ سکھانے شروع کئے (مثلاً ۔ کوئی، جانور، پھر، صلاح، خفا)۔ ایک پاکٹ بک میں ہندوستانی محاورے لکھے جاتے تھے جو رومن اردو میں ہوتے اور ان کے معنی انگلش میں دیئے جاتے تھے۔ جیسے تم گھر جاسکتے ہو، تم منشی کو بہت یاد کروگے، چائے اوسبورن میں ہمیشہ خراب ہے۔ یہ سرخ رنگ والی پاکٹ بک ملکہ معظمہ کے پاس ہر وقت ہوتی تھی۔ ملکہ کی مہارت جب زیادہ ہو گئی تو عبد الکریم ایک لائن اردو میں لکھتے، اس کے نیچے انگلش میں اور اس کے نیچے یہی لائن رومن اردو میں ہوتی تھی۔ ملکہ ان لائنوں کو نقل کیا کرتی تھیں۔

کچھ ہفتوں بعد ملکہ نے اپنی روزانہ کی ڈائری میں لکھا: "میں ہندوستانی کے کچھ الفاظ سیکھ رہی ہوں تا کہ اپنے خدمتگاروں سے گفتگو کر سکوں۔ زبان اور عوام دونوں میں مجھے بہت دلچسپی ہے۔ اس سے پہلے میرا کبھی ان سے ٹھیک رابطہ نہیں ہوا تھا"۔ ملکہ کو اردو سننا اور بولنا بہت اچھا لگتا تھا، اور عبد الکریم کے بولے الفاظ کو وہ دہراتی تھیں۔ عبد الکریم اردو سکھانے کے دوران امپریس آف انڈیا کو ہندوستان کی باتیں اور خاص طور پر آگرہ اور تاج محل کی کہانیاں بھی سنایا کرتے تھے اور ملکہ کو یوں لگتا گویا وہ ہندوستان پہنچ گئی ہیں۔ عبد الکریم ملکہ معظمہ سے گفتگو انگلش میں کرتے تھے جو

انہوں نے محل میں انگریزی کے اساتذہ سے سیکھی تھی۔ ملکہ اپنی اردو کی مشق ہندوستان سے آنے والے راجوں، مہاراجوں اور رانیوں سے کیا کرتی تھیں۔ عبد الکریم نے ملکہ معظمہ سے سیاسی صورت حال پر گفتگو کرتے ہوئے آگاہ کیا کہ آگرہ میں محرم کے موقعہ پر مسلمانوں اور ہندوؤں میں فسادات ہوتے ہیں اس کا تدارک ہونا چاہئے۔ اس کے بعد ہندوستانی سیاست کے ضمن میں ملکہ معظمہ کی رائے پر منشی کا اثر نمایاں نظر آتا تھا۔

اب ان کا پورا نام منشی حافظ عبد الکریم تھا اور ان کو تمام ہندوستانی ملازمین کا انچارج بنا دیا گیا۔ ایمپریس آف انڈیا، ملکہ برطانیہ دیگر ملازمین کیلئے ہدایات منشی کی وساطت سے دینے لگیں۔ منشی کے ذمہ ان تمام ملازمین کی دیکھ بھال میں یہ کام شامل تھے: ان کی تنخواہ، اخراجات کا حساب کتاب، تعطیلات، یونیفارم کس موقعہ پر کون سا پہننا ہے۔ خود ان کی سال کی تنخواہ اب 144 پاؤنڈ ہو گئی اور ہر سال یکم جولائی کو اس میں بارہ پاؤنڈ کا اضافہ ہونا تھا۔ تمام ایسی تصاویر جن میں وہ ٹیبلز پر انتظار کرتے نظر آتے تھے وہ خاکستر کر دیں گئیں۔ سکاٹ لینڈ کے محل میں وہ کمرہ جو ملکہ کے سکاٹش خدمت گار کا مسکن ہوتا تھا وہ اب منشی کو دے دیا گیا۔ جب ایک بار ایک شہزادی اپنے بچوں کے ساتھ بال مورال پیلس آئی تو ملکہ نے بچوں کی حفاظت کے بارے میں اس کو لکھا :

My good and excellent Abdul Karim, I am so very fond of him. He is so good & gentle & understanding all I want & is a real comfort to me' (Basu, page 102)

لندن آنے کے سال بعد نومبر 1888 کو منشی عبد الکریم چار ماہ کی رخصت پر ہندوستان روانہ ہو گئے، تو ملکہ پھوٹ پھوٹ کر روئیں اور منشی کے نام خطوط کا تانتا بندھ گیا۔

۔1893 میں جب ملکہ معظمہ منشی کو خط لکھتیں تو اختتام پر 'تمہاری والدہ' کے ساتھ دستخط اردو میں کرتی تھیں۔ خود منشی کا یہ حال تھا کہ وہ ملکہ کے ہاتھ سے لکھے انگلش خطوط پڑھ لیتے اور انگلش میں بہ آسانی بہ قلم خود دستخط کر لیتے تھے۔ آخری سالوں میں ملکہ کے نام ان کے انگلش میں لکھے جو خطوط موجود ہیں وہ نہایت شستہ زبان میں گرائمر کی کسی غلطی کے بغیر زیب قرطاس کئے ہوئے ہیں۔

منشی کی اداکاری Tableau

محل میں کبھی کبھی ملازمائیں گاتیں تو ملکہ مسکرا دیتیں، اوسبورن ہاؤس میں ہونے والے خاموش نظاروں والے ڈراموں (Queen of Sheba) کے دوران جہاں کہیں رنگ دار اور ڈاڑھی والے اداکاروں کی ضرورت ہوتی تو ہندوستانی ملازم یہ فریضہ نہایت خوش اسلوبی سے سرانجام دیتے۔ محمد بخش اور منشی عبد الکریم بھی ڈراموں میں حصہ لیتے اور ملکہ سے داد وصول کیا کرتے تھے۔ منشی نہ صرف ڈراموں میں اپنی اداکاری کے جوہر دکھاتے بلکہ ان کو آرگنائز بھی

کرتے، میوزک، لباس اور ایکٹروں کا انتخاب بھی کرتے تھے۔ دی انڈین بازار آرگنائز کرنے پر ملکہ نے ان پر تعریف کے ڈونگرے برسائے تھے جس میں منشی کے علاوہ مرزا یوسف بیگ، غلام مصطفی، احمد خاں، خدا بخش نے حصہ لیا تھا۔

شکایات کا دفتر

عبد الکریم کے قیصر ہند کے ساتھ قریبی اور گہرے مراسم پر محل میں لوگ برہم، خفا اور حسد کرتے تھے۔ ملکہ تین محلوں ونڈسر، بالمورال اور بکنگھم پیلس میں جو کوئی منسٹر یا سرکاری افسر یا افراد خانہ میں سے اس کے چہیتے کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتا تو ملکہ فوراً اس کے منہ پر قفل چڑھا دیتی تھیں۔ ایسے لگتا تھا گویا جادوگر منشی نے ملکہ معظمہ کو شیشے میں اتار لیا ہو۔ محلاتی دشمنوں نے عبد الکریم پر الزام عائد کیا کہ وہ ہندوستان کے شورش پسندوں کے ساتھ مل کر مسلم لیگ Muslim Patriotic League بنا رہا ہے، اس کے قریبی دوست سلطنت برطانیہ کے راز کابل کے بادشاہ کو ارسال کر رہے ہیں نیز یہ کہ وہ سوزاک gonorrhea اور جریان gleet جیسے موذی امراض میں مبتلا ہے؟۔

ملکہ معظمہ کے طبیب سر جیمز ریڈ Sir James Reid منشی عبد الکریم کے پکے دشمن تھے۔ منشی اس کو ایک آنکھ نہ بھاتے تھے۔ ڈاکٹر ریڈ نے شکایات کا رجسٹر dossier خفیہ طور پر تیار کیا ہوا تھا جس میں وہ تمام باتیں ضبط تحریر میں لائی گئیں تھیں جو لوگوں کو یا اس کو خود ناگوار گزرتی تھیں۔(1) فرانس سے جب ملکہ واپس آئیں تو منشی نے ملکہ سے شکایت کی کہ ریل گاڑی میں ان کا کمپارٹمنٹ ان کی شاہی حیثیت سے مناسبت سے ٹھیک جگہ پر نہیں لگایا گیا تھا۔(2) ایک موقعہ پر ملکہ نے اپنے سکرٹری سے کہا کہ اہم موقعوں پر منشی کو ان گاڑیوں میں بٹھایا جائے جن میں شاہی خاندان کے افراد بیٹھتے ہیں۔(3) منشی ایک دفعہ روم (اٹلی) گئے اور صرف ایک رات کے سفر پر 22 پاؤنڈ خرچہ ہوا (4) ایک مرتبہ منشی نے حکم دیا کہ ریل گاڑی کے جس ڈبے وہ بیٹھے اس میں کسی اور ہندوستانی کو بیٹھنے نہ دیا جائے۔(5) ملکہ کی خادمائیں شکایت کرتی ہیں کہ منشی کی اہلیہ اور ساس برطانیہ کے غریب ترین مزدوروں سے بھی گھٹیا ہیں، یہ قالینوں پر تھوکتی ہیں، اور نشست گاہ میں حوائج ضروریہ سے بلا تکلف فارغ ہو لیتی ہیں۔(6) منشی نے اٹلی میں ایک دکان کی بڑی کھڑکی میں فریم لگوایا جس میں ملکہ معظمہ کی نو تصاویر دائرے کی شکل میں لگوائیں اور عین درمیان اپنی تصویر لگوائی تھی۔ اٹلی کے لوگ اس کو ہندوستان کا شہزادہ کہتے جس کی محبت میں ملکہ گرفتار ہیں اور اسی وجہ سے اس کا فوٹو سینٹر میں لگا تھا۔ (7) منشی نے ملکہ سے گلہ کیا تھا کہ لندن کے اخبارات اس کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے، چنانچہ ملکہ معظمہ نے اخبارات کو پیغام بھجوایا کہ وہ اپنے کالموں سے کثرت سے ان کا ذکر خیر کیا کریں۔ (منشی عبد الکریم کے بارے میں ڈاکٹر ریڈ نے اپنی سبز کی رنگ کی ڈائری میں ناگفتہ بہ باتیں، شکایات، اور افواہیں درج کی تھیں لیکن ان کی وصیت کے مطابق ان کے انتقال

کے بعد یہ نذر آتش کر دی گئی۔ مثلاً منشی جب ہندوستان گئے ہوئے تھے تو انہوں نے وہاں سے ملکہ سے درخواست کی کہ مجھے نواب(Viscount or duke)کا خطاب دیا جائے۔ اسی طرح انہوں نے جوبلی کی خوشی میں ایم وی او Member of Royal Victorian Order دیئے جانے کی بھی خواہش کی۔1895 میں ملکہ معظمہ نے منشی کا تقرر نئے عہدے پر کیا یعنی Companion of the Order of the Indian Empire (CIE) ۔اب منشی نے سر کا خطاب KCIE دیئے جانے کی خواہش کی مگر اس کے بجائے CVO - Commander of the Victoria Order کے عہدے پر تقرر کر دیا گیا۔ منشی کے والد کو خان بہادر کا خطاب دیا گیا تھا۔اس کے علاوہ منشی اپنے سینے پر جو میڈل لگاتے تھے ان میں Star of India, Order of Red Eagle ہوتے تھے جن میں سے آرڈر آف ریڈ ایگل قیصر جرمنی نے 1890 میں دیا تھا۔ تقدیر بھی بعض اوقات عجب عجب رنگ دکھاتی ہے کہاں آگرہ کا کلرک اور کہاں یہ تمغے اور عہدے اس کے سینے پر سجے ہوئے۔

ایک دلچسپ واقعہ

ڈاکٹر ریڈ Dr. Reid نے ایک واقعہ زیب قرطاس کیا۔ جرمنی میں ملکہ برطانیہ کے خاندان کے دو بچوں کی شادی تھی جس میں شرکت کیلئے ملکہ وکٹوریہ پورے شان و شوکت کے ساتھ پہنچیں۔ دولہا کے باپ نے ماں کے نام پیغام بھیجا کہ شادی کی تقریب میں منشی گرجا گھر میں اہل دربار کے ساتھ نہیں آئیگا۔ بلکہ اس کو ملازموں کے ساتھ بٹھایا جائیگا۔ ملکہ کو یہ بات اچھی نہ لگی اور طے پایا کہ منشی کو گرجے کی گیلری میں بٹھایا جائیگا جہاں کوئی اور نوکر نہیں بیٹھے گا۔ وہاں پہنچ کر منشی نے دیکھا کہ ان کے آس پاس گھوڑوں کی رکھوالی کرنے والے بیٹھے ہیں۔ مشتعل ہو کر وہ وہاں سے اٹھ کر چلے گئے۔ گھر جا کر منشی نے ملکہ کے نام خط لکھا جس کو پڑھ کر وہ سخت پریشان ہوئیں اور روتی رہیں۔ اس کے بعد منشی ہر روز شاہی گھوڑا گاڑی میں بیٹھ کر جاتے جس کے پیچھے ایک گارڈ کھڑا ہوتا تھا۔ ان کو تزک و احتشام والی سرکاری دعوتوں اور شاہی تقریبات میں مدعو کیا جاتا تھا۔

منشی کی خود نوشت سوانح

ڈاکٹر ریڈ کو اطلاع دی گئی کہ منشی حافظ عبد الکریم اپنی سوانح قلم بند کر رہے ہیں اور اگلے سال یہ دو جلدوں میں شائع کرنے کا بندوبست کر رہے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسودہ لکھا جا چکا تھا اور اتنا ضخیم تھا کہ دو جلدوں میں شائع ہونا تھا۔ مگر اس مزعومہ مسودے کا بھی وہی حشر ہوا جو ان کے دیگر کاغذات، دستاویزات کا ہوا، نذر آتش کر دیا گیا۔

اخبار ڈیلی گرافک کی 16 ستمبر 1897 کی اشاعت میں ایک تصویر چھپی جس میں ملکہ اپنی میز پر بیٹھیں ہیں، ان کا

کتا ان کے ان کے قدموں میں اور کاغذات پر دستخط کر رہی ہیں۔ چہرے پر خفیف مسکراہٹ، سامنے منشی عبد الکریم کاغذات پکڑے کھڑے ہیں۔ نظر آتا کہ منشی کا بانکپن جاچکا اور مٹاپا چہرے پر چھایا ہوا ہے جس پر لکھا نظر آتا کہ وہ قیصرہ ہند ملکہ برطانیہ کے منظور نظر ہیں۔ تصویر کے نیچے لکھا تھا ہائی لینڈز میں ملکہ کے شب و روز، ہر مجسٹی منشی حافظ عبد الکریم سی آئی اے سے ہندوستانی زبان کا سبق لے رہی ہیں۔ ڈاکٹر ریڈ کو یہ عبارت توہین آمیز لگی تو فوٹو گرافر کے پاس پہنچے جس نے کہا کہ منشی نے اس کو اس طرح تصویر اتارنے کا حکم دیا تھا۔

ملکہ معظمہ کی آخری اردو تحریر

منشی حافظ عبد الکریم کے والد خان بہادر وزیر الدین علیل تھے اسلئے وہ نومبر 1899 کو آگرہ ان کی عیادت کیلئے لوٹ آئے۔ اگلے سال جون میں ان کی وفات ہوگئی۔ منشی کے برطانیہ واپس آنے پر ملکہ نے اردو سیکھنے کے سبق دوبارہ شروع کر دیئے۔ 7 نومبر 1900 کو اس نے آخری تیرھویں جرنل میں لکھا: "آج بالمورال سے بہ خیریت واپسی ہوئی۔ موسم اچھا نہیں تھا۔ افسوس کہ ہم سبق اچھا نہیں لکھتے کیونکہ سال بھر کے بعد لکھا ہے۔ منشی پرسوں واپس آئے۔ سارا سال ہم نے صدمات و تشویش میں گزارا۔ بڑے بڑے نامور لوگ لڑائی میں ضائع ہوئے۔ ہمارے بیٹے ڈیوک آف کوبرگ نے انتقال کیا۔ پرنس گریسش وکٹر دس روز ہوئے فوت ہوئے"۔

ملکہ کے آخری ایام

ملکہ کی زندگی کے آخری دنوں میں اس کے رائیل فزیشن کے ذمہ یہ کام تھا کہ وہ سانس اور نبض پر نظر رکھے۔ 17 جنوری 1901 کو اس نے دیکھا کہ ملکہ معظمہ کے چہرے پر فالج کا اثر ہے۔ اس پر غشی کا عالم طاری تھا۔ اس کے جذبات کا خیال رکھتے ہوئے منشی عبد الکریم کو اس کے کمرے میں لایا گیا جنہوں نے اچکن اور پگڑی زیب تن کی ہوئی تھی۔ منشی نے اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لیا اور آنسوؤں کے سیلاب کو روکتے ہوئے دعائیں زیر لب پڑھتے ہوئے باہر چلے گئے۔ ملکہ زندگی کے ٹمٹماتے دیئے سے لڑے جارہی تھی۔ آخر 22 جنوری شام ساڑھے چھ بجے آرک بشپ نے دیکھا کہ ملکہ کے چہرے پر اچانک سکون پھیل گیا اور سر ایک طرف ڈھلک گیا۔ ملکہ اس دنیا سے رخصت ہو چکی تھیں۔ منشی عبد الکریم سے کہا گیا کہ وہ ملکہ کو الوداع کہہ لیں۔ وہ اسی اوسبورن Osborn House کیمرے میں گئے جہاں سے ملکہ نے ان کو خط میں لکھا تھا کہ میں نے اپنی آخری وصیت میں تمہارا خاص خیال رکھا ہے۔ پھر جب قیصر ہند، ملکہ معظمہ وکٹوریا کا جنازہ اٹھا اور دنیا بھر کے فرماں رواں، بادشاہ، وزیر اور سفیر اس کے ساتھ چلے وہاں ان معززین میں منشی عبد الکریم کو بھی جگہ دی گئی۔ منشی ملکہ کا دیدار کرنے والا آخری شخص تھا۔

منشی اب اس اعلیٰ عہدے، مرتبے مقام پر پہنچ چکے تھے کہ خلعت فاخرہ زیب تن کر کے شہزادوں کی طرح چلتے تھے۔ ان کی آنکھوں سے ذہانت ٹپکتی تھی۔ جب وہ ہندوستان رخصت پر جاتے تو وائسرائے سے ملاقات کرتے اور ان کے والد کو خان بہادر کا خطاب ملنے کے بعد دربار میں بلایا جاتا اور راجوں مہاراجوں اور شرفاء سے میل ملاقات کرتے تھے۔ بالمورال محل میں ان کے گھر کا نام کریم کاٹج تھا۔ منشی کی گیسٹ بک میں یورپ کے شاہی خاندان کے افراد، بادشاہوں، شہزادوں، شہزادیوں، سفیروں، لارڈ اور لیڈیز کے نام لکھے ہوتے تھے۔ ان کی کاٹج بادشاہوں سے ملنے والے تحائف سے لدی ہوتی تھی۔ جیسے شہنشاہ روس نے اس کو سونے کا میناکاری والا ٹی سیٹ تحفے میں دیا تھا۔ شہنشاہ روس اور اس کی ایمپریس، ملکہ برطانیہ اور پرنسیس بیٹریس کے ہمراہ کریم کاٹج بہ نفس نفیس گئے، جہاں منشی نے روس کی ایمپریس کو انڈین امبرائڈری کا لباس تحفے میں دیا تو اس نے وزیٹر بک میں اپنے نام درج کیا۔ جب امیر افغانستان کے فرزند سردار ہزہائی نس نصر اللہ خاں نے ونڈسر محل میں منشی سے ملاقات کی تو اس کو والکنگ سٹک جس پر اس کا موتی ہیرے میں جڑا مونوگرام (طغریٰ) تھا تحفے میں دی۔ پرتگال کے بادشاہ 'ڈان کارلوس' کو جب بالمورال میں دعوت دی گئی تو منشی کا نام اہل خانہ کے اسماء کی فہرست میں شامل تھا۔ ملکہ

قیصر ہند نے منشی کو کچھ زمین 1890 میں تحفے میں دی تھی۔ آٹھ سال بعد اس نے سونا اگلنے والی 147 ایکڑ ملحقہ زمین آگرہ کے وسط میں واقع موضع سرائے میں خرید لی۔

جب برطانیہ کے ترکی کے ساتھ تعلقات میں کشیدگی تھی تو ملکہ معظمہ نے سلطان عبد الحمید کے پاس منشی عبد الکریم کو سفیر کے طور پر بھیجا تھا۔ بلکہ قیصر ہند نے تو فارن آفس کو سفارش کی تھی کہ منشی حافظ عبد الکریم کو استنبول کی برٹش ایمبسی میں متعین کیا جائے۔

جون 1897 میں جب ملکہ معظمہ کی ڈائی منڈ جوبلی کی تقریبات منعقد ہوئیں تو منشی اس میں ایک اہم شخصیت تھے۔ دس سال پہلے وہ ملازم کے طور پر لندن آئے تھے اور اب وہ انڈین راجوں اور شہزادوں کے ہمراہ سواری کرتے تھے۔ جب ملکہ برطانیہ نے امپیریل سروس ٹرپس اور انڈین کیولری کارپس کا ونڈسر محل کے ایسٹ لان پر معائنہ کیا تو کورٹ سرکلر میں منشی عبد الکریم کا نام مہمانوں میں درج تھا۔ منشی اب انڈین رائیلٹی کے ساتھ کندھے سے کندھا ملا کر خراماں خراماں چلتے تھے۔ ایمپائر کی خواتین نے ملکہ معظمہ کو اس کے شوہر پرنس البرٹ کا مجسمہ پیش کیا جس پر سنسکرت میں عبارت تھی۔ ملکہ نے اپنے جرنل میں اردو میں لکھا: "ہم کو بہت خوشی ہوئی کہ آج ساٹھ سال بخریت ختم ہوئے۔ سب بچوں اور عالی جاہ بہت اخلاق سے پیش آئے"۔ اگلے روز پھر دوبارہ جرنل میں لکھا: "آج ہماری سواری کا جلسہ بہت

خوشی اور عمدگی سے ختم ہوا۔ موسم بہت اچھا تھا"۔

ایمپریس آف انڈیا، قیصر ہند کی رحلت 1901

عالی دماغ، عالی ظرف ملکہ معظمہ منشی کو ہر روز خط لکھا کرتی تھیں۔ خط میں وہ اس سے dear abdul سے مخاطب ہوتیں اور آخر پر مختلف الفاظ ہوتے تھے جیسے your dearest friend, your true friend, your dearest mother۔ ملکہ کی وفات پر اعلیٰ حکام نے فیصلہ کیا کہ منشی کے پاس ملکہ برطانیہ کے جو خطوط ہیں یہ ضبط کر لئے جائیں۔ ملکہ نے یہ خطوط ان کو ونڈسر کیسلWindsor، بال مورالBalmoral، یورپ کے مختلف عالی شان ہوٹلوں سے روانہ کئے تھے۔ نئے بادشاہ ایڈورڈ ہفتم کے حکم پر منشی کے تین میں سے ایک مکانFrogmore cottage کے باہر آلاؤ روشن کیا گیا اور تمام کاغذات اس میں جھونک دیئے گئے۔ اس وقت منشی اور ان کا بھتیجا سر جھائے کھڑے تھے۔ دوسری دفعہ آگ آگرہ میں جلائی گئی منشی کی وفات کے بعد۔ بادشاہ ایڈورڈ ہفتم نے اس کو حکم دیا کہ وہ فوراً واپس ہندوستان چلا جائے۔ ہندوستان کے وائسرائے لارڈ منٹو Minto کی درخواست پر منشی کی بیوہ کو ملکہ وکٹوریا کے ہاتھ سے لکھے ہوئے کچھ خطوط اپنے پاس رکھنے کی اجازت دے دی گئی۔ ہندوستان لوٹ آنے کے بعد ان کو بارہ روپے ماہوار کی پنشن ملتی رہی تھی۔ کثیر العیال تھے اسلئے گروسری سٹور خرید لیا۔

ملکہ کی وفات کے بعد منشی حافظ عبد الکریم آگرے واپس چلے گئے جہاں ان کی وفات 46 سال کی عمر میں حرکت قلب بند ہونے سے 1909 میں ہوئی تھی۔ ان کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ آگرہ میں پنچ کوئن قبرستان میں ان کا مزار ہے جہاں ان کی قبر کے دائیں طرف والد کی قبر اور بائیں طرف اہلیہ کی قبر ہے جن پر سنگ مرمر کی لوح نصب ہیں۔۔ تقسیم ہند کے بعد ان کے رشتہ دار کراچی منتقل ہو گئے۔ برطانیہ میں ان کی رہائش گاہ "کریم کاٹیج" کہلاتی تھی آگرہ میں ان کا ذاتی مکان کریم لاج اور بڑی جائیداد حکومت ہندوستان نے ضبط کر لی۔ منشی کی ذاتی ڈائری اور کچھ خط و کتابت اخفائے راز میں رہی، جو ایک سو سال بعد 2010 میں پبلک کو دکھائی گئی تھی۔

()()()

(19) نارتھ پول میں پہلی مسجد کا روح پرور احوال

کینیڈا کی شمالی ترین خطہ زمین نوناوٹNunavut جہاں سال میں تیس دن رات نہیں ہوتی ، اور 56 دن سورج لگا تار چمکتا رہتا ہے وہاں حقیقت میں کرہ ارض کے کنارے پر ایک مسجد بھی تعمیر ہو چکی ہے جو آرکٹک سرکل کے اندر واقع ہے۔ قطب شمالی (نارتھ پول) محور زمین کا بعید ترین شمالی نقطہ ہے۔ یہ آرکٹک اوشین کے اندر واقع ہے۔ کینیڈا کے دس صوبے اور تین علاقے Terrotries ہیں۔ ان علاقوں میں سے ایک کا نام نارتھ ویسٹ ٹیرٹریزNWT ہے جو کہ کینیڈا کا شمالی ترین حصہ ہے۔ آج سے گیارہ سال قبل ستمبر 2010 میں یہاں کے شہر اینوِک Inuvik میں ایک مسجد صوبہ مینی ٹوبہ کے شہر ونی پیگ میں تعمیر ہو کر یہاں لائی گئی تھی۔ یوں آرکٹک میں یہ مسلمانوں کی پہلی مسجد تھی۔ اس مسجد کی عمارت کو مینی ٹوبہ میں جوڑا گیا Prefabricate اور چار ہزار میل کا سفر ٹرک اور مال بردار جہاز کے ذریعہ طے کر کے اس قریہ میں پہنچی تھی جس کی آبادی تین ہزار سے کچھ اوپر ہے۔ مسجد کا استقبال کرنے کیلئے چالیس مسلمان شپ یارڈ میں موجود تھے۔ جنہوں نے اس کا والہانہ استقبال گرم جوش مصافحوں، بغلگیر ہو کر اور دعاؤں کے ساتھ کیا تھا۔

م سجد کی عمارت 1554 sq foot ہے۔ عمارت کے اندر کچن، لائبریری اور بچوں کیلئے کھیلنے کا کمرہ ہے۔ مسجد کے اندرونی حصہ کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے تا مرد اور عورتیں الگ الگ نماز پڑھ سکیں۔ مسجد کے فرش پر نہایت اعلی قسم کا کارپٹ ڈالا گیا ہے جو دوبئ کے متول تاجر نے بطور تحفہ دیا تھا۔ چونکہ آرک ٹک Arctic میں بلڈنگ میٹرئیل دستیاب نہیں بلکہ بہت ہی مہنگا ہے اس لئے اس کی عمارت کا ڈھانچہ مینی ٹوبہ کے صوبہ میں تیار کیا گیا تھا۔ مسجد دو صوبوں میں سے ہوتی ہوئی میکن زی دریا کے ذریعہ اینووک میں پہنچی تھی۔ اس کی تعمیر کے لئے اسلامی چیرٹی "زبیدہ طلاب فاؤنڈیشن" نے دو سال تک چندہ اکٹھا کیا تھا۔ اس مسجد کا انتظام وانصرا اسلامک سوسائٹی آف نوناوٹ Nunavut کے ہاتھوں میں ہے جس کو سرکاری طور پر 2009 میں رجسٹرڈ کیا گیا تھا۔

مسجد کی تعمیر کا کام رضاکاروں نے کیا ان میں سے ایک ہملٹن (صوبہ اونٹاریو) کا کارپینٹر فتح اللہ فراگاٹ Fathallah Faragat تھا۔ اس نے فلسطین میں مساجد کی تزئین وزیبائش کا کام کیا ہوا تھا۔ اس کی ائرلائن ٹکٹ کے پیسے اسلامک سوسائٹی نے دیئے اور وہ اینوِک پہنچ گیا۔ بلڈنگ کی تکمیل کے آخری مراحل میں شب وروز محنت اور مشقت سے کام کر کے عمارت کو مکمل کیا۔ اس نے مسجد کا فریم بنایا، ڈرائی وال لگائی، منبر بنایا، کارپٹ ڈالے، کچن بنایا، دروازے لگائے، بلکہ مسجد کا محراب اور گنبد ڈیزائین کیا۔ اس نے مسجد کا دس میٹر (تیس فٹ) اونچا مینارہ بھی تیار کیا جس میں سب سے اوپر ہلال لگا ہوا ہے۔ وہ چھ ہفتے تک مشقت کا کام کرتا رہا اور ایک پیسہ بھی اس نے معاوضہ کے طور پر نہیں لیا۔ اسلامک سوسائٹی ہر قسم کے فلاحی کاموں میں پیش پیش ہے۔ اس ضمن میں محتاج لوگوں کے لئے فوڈ بنک کا 2015 میں قیام ہے جہاں سے مقامی محتاجوں اور غریبوں کو مفت گروسریز دی جاتی ہیں۔ سوائے مچھلی (Trout, Pike) اور شکار کئے ہوئے جانوروں (caribou, moose, reindeer) کے باقی ہر چیز دوسرے شہروں سے لائی جاتی ہے۔۔ فوڈ بنک میں حلال گوشت فراہم کیا جاتا ہے۔ دودھ یہاں بارہ

ڈالر گیلن ہے۔

مسجد کے ڈھانچے کو ایک سیمی ٹریلر کے ذریعہ کل 3,500 کیلو میٹر کا سفر ہائی وے ریگولیشنز کو مد نظر رکھتے ہوئے، تیز تند ہواؤں سے مقابلہ کرتے، نیز چار تنگ پلوں کے اوپر سے گزرنا تھا۔ عمارت کا وزن دس ٹن اور چوڑائی تیس فٹ تھی۔ نارتھ ویسٹ ٹیری ٹریز اور البرٹا کی سرحد پر Reindeer Creek کے پل پر سے گزرتے ہوئے مسجد کا ڈھانچہ قریب قریب الٹنے لگا تھا۔ چند ہفتوں کے بعد یہ نارتھ ویسٹ میں پہنچ گیا جہاں اس کو مال بردار بحری جہاز barge پر لاد دیا گیا۔ اب یہ ڈھانچہ 1800 کیلو میٹر کا سفر میکنزی دریا پر طے کر کے اپنی منزل مقصود Inuvik پہنچ گیا۔

یہ مسجد کمیونٹی سینٹر بھی ہے جہاں مسلمان بچوں کو دینی تربیت فراہم کی جاتی اور با قاعدہ دینی کلاسز ہوتی ہیں۔ زبیدہ طلاب فاؤنڈیشن کے جنرل مینجر ڈاکٹر حسین گشتی Guisti جس نے پہلی آذان دی تھی اس کا کہنا ہے کہ یہ مسجد بنا کر ہم نے ثابت کر دیا ہے کہ مسلمان اینوِوک کا سالم حصہ ہیں۔ اگر مسجد نارتھ پول میں تعمیر کی جاسکتی ہے تو پھر روئے زمین کے کسی بھی حصہ پر مسجد بنا ئی جاسکتی ہے۔ مسجد کی تعمیر پر $800,000 خرچ ہوئے ہیں۔ مسجد کی تعمیر کے وقت درجہ حرارت -56 c ہوتا تھا۔ گرمیوں کے مہینوں میں یہاں 56 دن تک رات نہیں ہوتی اور چوبیس گھنٹے سورج چمکتا رہتا ہے۔ سال میں 30 دن ایسے بھی ہوتے جب چوبیس گھنٹے اندھیرا ہوتا ہے۔ اس لئے مسجد کے باہر بورڈ کے اوپر کلمہ طیبہ کے نیچے لکھا ہوا ہے Midnight Sun Mosque۔ مکہ معظمہ سے اینوِوک کے فاصلے کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ اکیسویں صدی کی مسجد اقصیٰ (دور ترین کی مسجد) کہلانے کے بھی لائق ہے۔ زمین کے اس کنارے پر جہاں بعض اوقات نہ سورج چڑھتا اور نہ غروب ہوتا ہے نمازیں کیسے ادا کی جائیں؟ یہاں صبح، دوپہر، سہ پہر، شام، طلوع آفتاب، غروب آفتاب کا تصور غیر ممکن ہے۔ اس کا حل یہ نکالا گیا کہ رمضان المبارک کے مہینے میں روزے اور نمازیں یہاں کینڈا کے شہر ایڈمنٹن کے اوقات کی مطابق ادا کی جاتی ہیں۔ اینوِوک اور ایڈمنٹن کے درمیان 1,993 کیلو میٹر کا فاصلہ ہے۔

اس مسجد کی شاندار تکمیل کے بعد اگلے دس سال میں نارتھ میں الاسکا سے لے کر نوناویٹ تک سات مساجد تعمیر ہو چکی ہیں۔ چونکہ یہاں ہر ملک اور براعظم سے مسلمان آباد ہیں اس لئے جمعہ کا خطبہ انگلش میں دیا جاتا ہے۔ سوڈان، مصر اور ساؤتھ ایشیا سے آئے مسلمانوں کی تعداد بھی زیادہ ہے جو لبرل خیالات کے حامل ہیں۔ شاید اس لئے عورتوں کا کمرہ مرَدوں کے کمرے سے زیادہ بڑا ہے، اور وہ ایک ہی فلور پر مردوں کے برابر نماز ادا کرتی ہیں۔ نارتھ امریکہ کی اکثر مساجد میں عورتیں بیسمنٹ میں نماز یں ادا کرتی ہیں۔ اور ان کے داخلے کا دروازہ بھی الگ ہوتا ہے۔

()()()

سفر نامہ

(20) چلتے ہو تو بہاماز چلو

بہاماز Bahamas کا نام ایک عرصے سے سن رکھا تھا چند سال قبل گرمیوں کے ایام میں ہمیں وہاں کی سیر و سیاحت کا موقعہ نصیب ہوا تھا۔ بچپن میں سکول کے زمانے میں گرمیوں کی تعطیلات کے بعد ماسٹر جی کا حکم ہوتا تھا کہ مضمون لکھ کر لائیں جس میں یہ بیان ہو 'میں نے گرمیوں کی تعطیلات کیسے گزاریں'۔ تو اس سفر نامے کے بہانے ہمیں بچپن میں جو سیکھا وہ بیان کرنے کا موقعہ مل رہا ہے۔

سفر نامے کے شروع میں بہاماز کا محل وقوع بیان کر دیا جائے تو قاری کو سمجھنا آسان ہو جائیگا۔ بہاماز فلوریڈا ریاست کے شہر میامی سے صرف چالیس میل دور بحر الکاہل میں واقع 127 جزیروں کا نام ہے۔ کیریبین کے جزائر میں سے یہ ایک خوبصورت ملک ہے۔ بہاماز سب سے بڑا جزیرہ ہے جس کے دار لخلافہ کا نام ناساNassau ہے۔ کرسٹوفر کولمبس اکتوبر 1492ء میں یہاں کے جزیرے Guanahani جزیرے پر اترا تھا۔ یورپین کالونی یہاں 1648ء میں بنی تھی۔ اٹھارویں صدی میں غلاموں کی تجارت کے دوران افریقہ سے غلام لائے گئے اور اس وقت 85 فی صد آبادی انہی غلاموں کی اولاد ہے۔ بہاماز کو برطانیہ سے آزادی جولائی 1973ء میں ملی تھی۔

ہم نے ٹورنٹو سے ہارٹ فورڈ (Hartford) کا سفر کار کے ذریعہ کیا جہاں ہمارا بیٹا عدنان اپنی فیملی کے ساتھ رہتا تھا۔ وہاں کچھ روز اپنے پوتوں کیساتھ پانچ روز گزارنے کے بعد ہم ہارٹ فورڈ ائرپورٹ سے امیریکن ائرلائنز سے میامی گئے۔ ہارٹ فورڈ کا ائرپورٹ چھوٹا ہے جہاں ایک ہفتہ کیلئے کار پارک کرنے کا عمدہ انتظام تھا۔ میامی میں جب ہوائی اڈے پر اترے تو لوگوں کا غم غفیر تھا ہر کوئی افراتفری کے عالم ادھر ادھر بھاگ رہا تھا۔ پتہ چلا کہ ہمیں ٹرین لے کر کسی اور ٹرمینل پر جانا ہے چنانچہ جلد ہی ہم وہاں پہنچ گئے۔ چیکنگ ہوئی اور جہاز میں بیٹھ گئے۔ ائیر ہوسٹس نے اعلان کر دیا کہ ہم نصف گھنٹے میں بہاماز پہنچ جائیں گے اسلئے سوائے پانی کے سفر کے دوران اور کچھ نہ ملا۔ کچھ سال قبل میں نے امریکہ میں جہاز سے سفر کیا تھا اور ہمیں مونگ پھلی کھانے میں دی گئی تھی۔ نصف گھنٹے کے ہوائی سفر کے بعد ہم ناسا پہنچ چکے تھے۔

بہاماز ائرپورٹ اترے اور امیگریشن لائن میں کھڑے ہو گئے۔ ہمارے آگے کوئی چالیس پچاس امیریکن طالب علم تھے جن کو جلد ہی فارغ کر دیا گیا۔ ہمارا کینیڈین پاسپورٹ دیکھ کر امیگریشن آفیسر نے صرف دو سوال کئے: قیام کس ہوٹل میں ہے اور واپسی کب ہے۔ ائرپورٹ سے باہر آئے تو گرمی اپنے جوبن پر تھی۔ ایک خاتون پولیس آفیسر نے پوچھا

کیا آپ کو ٹیکسی چاہیئے؟ مثبت میں جواب ملنے پر اس نے ایک ٹیکسی والے کو اشارہ کیا، اس کا نام اور لائسنس پلیٹ نمبر اپنی کتاب میں لکھ کر ہمیں ہدایت کی کہ اس کے ساتھ چلے جائیں۔ دس منٹ میں ہم ہوٹل پہنچ گئے، اور بیس ڈالر امریکن اس کے ہاتھ میں تھما دیئے۔ یہاں امریکن ڈالر اور بہاماز ڈالر کا ایک ہی بھاؤ ہے، اس لئے کئی دفعہ امریکن ڈالر دو تو واپسی میں بہاماز ڈالر مل جاتے ہیں۔

ہمارا ریزارٹ ہوٹل Coco-pulm ساحل سمندر (Beach) سے پانچ منٹ کی واک پر واقع تھا۔ ہر طرف راحت بخش نیلا پانی نظر آرہا تھا۔ ہر طرف سبز درخت جھاڑیاں اور بعض درختوں پر آنکھوں کو بھاتے رنگ برنگے پھول۔ سڑک پر کافی ٹریفک تھی مگر بڑے عمدہ طریق سے رواں دواں تھی۔ ہوٹل میں چیک ان ہونے کے بعد ہم نے فرنٹ ڈیسک سے پوچھا کہ لذیذ کھانا کہاں مل سکتا ہے۔؟ خاتون نے ہدایت کی باہر سڑک پر جائیں، اور شمال کی طرف جاتی بس میں بیٹھ جائیں اور ڈرائیور کو ہدایت کر دیں کہ Fish Fry Heritage Village اترنا ہے۔ بس کا کرایہ ایک ڈالر تھا۔ اگرچہ بس چھوٹی مگر کافی عمدہ اور ائر کنڈیشنڈ تھی۔ بیس مسافر بیٹھ کر آسانی سے سفر کر سکتے تھے۔ مسافروں نے جب اترنا ہوتا تھا تو وہ بس سٹاپ کا لفظ بولتے اور ڈائیور بس کھڑی کر دیتا تھا۔ قریب پندرہ منٹ میں فش فرائی ہیرے بیچ ولیج پہنچ گئے جو بیچ کے قریب ریستورانوں کا مجموعہ تھا۔ یہاں بہاماز کی فش، فرائیز، کریب، جھینگے مل رہے تھے۔ ہم ایک ہوٹل میں گئے جس کی ہمیں تاکید کی گئی تھی، یہ سی فوڈ کے مشتاق لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔ جو ٹیبل ہمیں ملا وہاں بیٹھ گئے۔ خاتون نے آرڈر جلد ہی لے لیا، اب کھانے کا انتظار شروع ہوا، مگر ایک گھنٹے بعد بھی کھانا ندارد۔ آخر پوچھ ہی لیا کھانا کب ملے گا تو پتہ چلا کہ یہ لنچ کا وقت تھا اور ہر چیز تازہ تیار کی جارہی تھی۔ میں نے چاول، مٹر اور شرمپ (جھینگے) آرڈر کئے تھے جو واقعی دیکھنے میں پر لطف اور لذیذ تھے۔ مقامی sauce نے تو مزا دوبالا کر دیا۔ ہماری پتنی نے چکن آرڈر کیا تھا یہ بھی ایسا مزیدار تھا کہ بقول کنٹکی فرائڈ چکن finger licking good ۔

آگ برستی گرمی

کھانا تناول کرنے کے بعد باہر نکلے تو گرمی جوبن پر تھی۔ ایسا محسوس ہوتا تھا گویا سورج سوا نیزے پر آگیا ہے۔ بس سٹاپ کی طرف چلنا شروع کیا تو پبلک واش روم نظر آیا جو کافی صاف ستھرا تھا اور کسی قسم کی بدبو نہیں تھی۔ یہ بھی گرم ملک ہے مگر ہمارے ہندو پاکستان کے پبلک واش روم کا تو نہ ہی پوچھیں۔ خاص طور پر دہلی ریلوے اسٹیشن کا مجھے برا تجربہ ہوا۔ اس کی بدبو اور تعفن ایسی کہ انسان کا دماغ پھٹ جاتا ہے۔ ایک اور چیز یہ مشاہدہ کی بہاماز میں کہیں مکھیاں نظر نہیں آئیں، کوئی مچھر نہیں، کہیں گاربیج کا ڈھیر نظر نہیں آیا۔ صفائی کا خیال ہر کسی کا بزنس تھا۔ لوگ غریب اور مفلوک

الحال نظر آتے تھے مگر کسی نے بھیک نہیں مانگی۔ کسی نے ہماری طرف اس نظر سے نہیں دیکھا کہ اس کو کیسے بیوقوف بنا کر پیسے ہتھیا لئے جائیں۔ ہر جگہ بے خوف و خطر سفر کیا۔ امن و امان ہر جگہ، پولیس والے بہت کم نظر آئے۔ ہر کوئی اپنے حال پر سان میں خوش تھا۔ سڑکوں کے ساتھ ہر جگہ دلربا پھولوں سے لدے درخت جو دل کو ٹھنڈک اور آنکھوں کو استراحت بخشتے تھے۔ ہر طرف سبزہ ہی سبزہ۔ ہوا صاف کسی قسم کی کثافت نہیں۔ مکانوں اور عمارتوں کو پینٹ کیا ہوا تھا۔ سڑکوں پر کوئی گاربیج نظر نہیں آیا۔ دکاندار لین دین میں ایماندار، یہ نہیں کہ باہر سے ٹورسٹ آیا ہے اسلئے چیز کی قیمت زیادہ کر دو۔ گروسری سٹورز میں ہر چیز پر قیمت کے سٹکرز لگے ہوئے تھے۔ مرد پتلے اور عورتیں فربہ جسم۔

بس سٹاپ کے پاس برلب شاہراہ فروٹ سٹینڈ تھا جہاں ایک عجوزا کبیر فروٹ بیچ رہی تھی جیسے تربوز، خربوزے، پپیتہ، آم، کیلے اور لیچی کی مانند فروٹ۔ فروٹ بیچنے والی کی حالت قابل زار اور قابل رحم تھی۔ پھٹے پرانے کپڑے، چہرے پر جھریاں، پریشانیوں نے آثار قدیمہ پیدا کئے ہوئے تھے۔ لگتا تھا اس کا تعلق اٹھارویں صدی کے کسی خاندان سے ہے جو افریقہ سے یہاں غلام بنا کر لایا گیا تھا۔ اتنی صدیاں یہاں رہنے کے باوجود اس کی اقتصادی اور معاشی حالت روزاول جیسی تھی۔ ہم نے فروٹ خریدا، اور بس لے کر واپس ہوٹل آگئے کیونکہ دوپہر کی دھوپ میں ہیٹ سٹروک کا خطرہ تھا۔ ہوٹل سے ایک سٹاپ پہلے ہمیں بڑا گروسری سٹور نظر آگیا، اترے، واٹر باٹلز، اور دیگر کھانے کے لوازمات خرید لئے۔ پانچ منٹ چلا اور پسینے سے شرابور ہو گیا، دوپہر چار بجے کی دھوپ، چلنا دوبھر ہو رہا تھا، دماغ میں بچپن کا ربوہ گھوم رہا تھا گرمیوں میں جب سکول جاتے اور کوئی درخت مل جاتا تو اس کے نیچے کھڑے ہو کر تھوڑا سستا لیتے، یہی ہم نے یہاں کیا درختوں کا جھنڈ آیا اور ہم سستانے کیلئے رک گئے۔ جس طرف ہمارا چلنے کا رخ تھا دھوپ ہمارے چہروں پر پڑ رہی تھی۔ ارادہ کیا اگلی بار بہاماز کا قصد کیا تو کرسمس کی تعطیلات میں یہاں آئیں گے۔ پانچ منٹ چلنے کے بعد ہمارا ہوٹل آگیا اور ائیر کنڈیشنڈ کمرے نے جنت کا سماں پیدا کر دیا۔ ہوٹل کا اپنا سومنگ پول تھا جس سے میں نے کماحقہ فائدہ اٹھایا۔

اگلے روز جی چاہا کہ علی الصبح سیر کی جائے اور ساتھ میں اگر کہیں کافی مل جائے تو سونے پر سہاگہ۔ اسلئے میں ہوٹل سے نکل کر ساؤتھ کی طرف پیدل چل پڑا۔ قریب دس منٹ کے بعد شاپنگ سینٹر آگیا جہاں وینڈیز Wendy's کے علاوہ اور شاپس تھیں۔ راستے میں چند مقامی سیاہ فام باشندے چلتے ہوئے ملے، مگر بے خوف و خطر سبک خرامی سے بامقصد ہیلو کہہ کر چلتا گیا۔ مجھے کسی نے نصیحت کی تھی کہ مقامی باشندوں سے زیادہ بات چیت مت کرنا، اور ڈٹ کے سینہ تان کر چلنا۔ وینڈیز میں ناشتہ کیا، پھر برابر میں بڑے گروسری سٹور میں چلا گیا۔ مجھے بیچ ٹاول Beach Towel کی ضرورت تھی حالانکہ ہوٹل والوں نے اپنے ویب سائٹ پر لکھا تھا تولیہ ہم دیں گے۔ میں نے ایک صاف

ستھرا بزنس دیکھا، دروازے پر گھنٹی دی تو اس نے دروازہ کھولا۔ نہایت نفیس، صاف ستھری اعلیٰ درجے کی شاپ تھی۔ قلو پطرہ سے ملتی جلتی کلرک بھی نہایت سلجھی ہوئی، میک اپ کیا ہوا، اور ادب سے مخاطب ہوتی تھی۔ سولہ ڈالر میں بیچ ٹاول خریدا، کوالٹی ایک دم زبردست۔ شاپنگ سینٹر میں باہر کچھ مقامی لوگ تھے مگر اکثر ٹورسٹ تھے۔ کچھ یہاں مزید خریداری کی اور واپس ہوٹل۔

آج کے متفقہ فیصلے کے مطابق ہم آرام دہ، پر سکون بس نمبر A10 لے کر ڈاؤن ٹاؤن پہنچ گئے۔ جتنا عرصہ یہاں رہے بس سے سفر کیا، جو زیادہ پر امن اور سیف تھا۔ شکر ہے میں نے چلنے سے پہلے کرائے کی کار رینٹ نہیں کی تھی۔ بڑی شاہراہ سے ہٹ کر سمندر کی طرف گئے۔ یہ ناساجزیرے کی ہاربر تھی جہاں اس وقت پانچ بڑے بڑے بحری جہاز cruise ships لنگر انداز تھے۔ یہ کروز شپس اتنے دلکش، دلفریب اور عالی شان تھے کہ انسان ان کی ہیبت سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ ایک جہاز میں کم از کم تین ہزار ٹورسٹ سفر کر سکتے تھے۔ ایسے جہاز عموماً میامی سے شروع ہوتے اور کیریبین کے چھ جزیروں پر جاتے، ہر جزیرے پر دو یا تین دن رکتے اور آگے روانہ ہو جاتے۔ ہاربر پر پانی کے ساتھ کھلی شاہراہ تھی جہاں ٹورسٹ کا ہجوم تھا۔ ایک عورت ناریل بیچ رہی تھی اور اس کا رنگ براؤن نہیں تھا جیسا کہ سٹورز میں ملتا ہے۔ ایک ناریل پانچ ڈالر میں خریدا، اس نے قصاب کی طرح بڑے چاقو کیساتھ اس کو کاٹ کر پانی ہمیں پلا دیا اور باقی کھانے کو دیدیا۔ ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ سمندری گھونگھے، سیپیاں، اور طرح طرح کے سمندری نوادرات کی دکانیں تھیں۔

اب ہم شہر کی بڑی شاہراہ (Bay street) پر آگئے جہاں جیولری، کپڑوں، نوادرات، کی دکانیں تھیں جو سامان سے بھری ہوئی تھیں۔ جیولری کے آئٹم کی قیمت چار ہزار ڈالر تھی۔ جیولرز زیادہ تر ڈائمنڈ فروخت کر رہے تھے۔ ایک رولیکس کی گھڑی بارہ ہزار ڈالر کی تھی۔ اس سے مجھے اندازہ ہوا کہ یہاں کروز شپس سے جو لوگ خریداری کیلئے آتے ہیں وہ مالدار ہی ہوں گے۔ چنانچہ ہم ایک جیولری شاپ میں گئے، میں تو الگ ہو کر کرسی پر براجمان ہو گیا اور میدان کارزار ہماری پتنی کے لئے خالی تھا۔ سیلز گرلز بہت با اخلاق، بامروت اور حوصلے والی تھیں۔ جو چیز طلب کی سامنے لا کر رکھدی۔ مختلف ہار، بالیاں، بندے دیکھنے کے بعد آخر ایک آئیٹم پسند آ ہی گیا، اور خدا کا شکر ادا کیا، ورنہ شکایت سنتے میری شنوائی کم ہو جاتی کہ آپ نے کوئی تحفہ خرید کر نہیں دیا۔ ایک ورائٹی سٹور میں پوتے پوتیوں کیلئے بہاماز کے یادگاری ٹی شرٹ خریدنے گئے تو وہاں اعلیٰ قسم کی سرخ رنگ کی جس میں پیلے رنگ کا ربڑ لگا ہوا تھا، غلیل نظر آگئی۔ فوراً چودہ ڈالر دے کر خرید لی اور بچپن کی یاد تازہ ہو گئی جب ہم پرندوں کا غلیل سے شکار کیا کرتے تھے۔

برابر میں انڈین ریستوران تھا۔ اس کے مالک کی بیٹی نے ہمیں خوش آمدید کہا مگر اس کے روکھے پن سے پتہ چلا

کہ وہ یہاں شاید مکھیاں مارنے پر معمور ہے یا وقت پاس کر رہی ہے، دل اس کا کہیں اور تھا۔ ریستوران کا مالک آیا پتہ چلا کہ وہ راجستھان سے ہیں مگر گزشتہ بیس سال سے کیریبین کے مختلف جزائر پر بزنس کر رہے ہیں۔ کچھ مہینے ہر جزیرے پر گزارتے ہیں۔ جب ہم نے بتایا کہ ہمارا تعلق پنجاب سے ہے تو وہ ہماری ہندی سے بہت متاثر ہوئے اور بلا تکلف داد دی۔ کھانے میں ہم نے توے کی روٹی کی فرمائش کی تھی اور ساتھ میں اچار، چنانچہ دونوں چیزیں مزیدار تھیں۔ توے سے اترا، تازہ تارہ پھلکا، دل باغ باغ ہو گیا۔ باقی کا کھانا کری چکن، سیخ کباب، چٹنی بھی مزیدار تھے۔ دیویندر نے ہمیں بتایا کہ آخری بس سات بجے چلتی ہے، اسلئے جلدی میں پچاس ڈالر ادا کئے اور رفو چکر ہو گئے۔ وقت پر پہنچ گئے اور آخری بس مل گئی۔ کچھ روز کے بعد ہم مقامی فوڈ کھانے کے شوق میں ایک ایسے ریستوران میں گئے جن کا دعویٰ تھا کہ ہم لوکل سی فوڈ خود تازہ بناتے ہیں۔ لوکل فش کے علاوہ شرمپ، اور فش کے پکوڑے واقعی مزیدار تھے۔

بحر الکاہل سمندر میں سنورکلنگ Snorkling

ہمارے ہوٹل کے فرنٹ ڈیسک پر کئی قسم کے فلائرز رکھے ہوئے تھے۔ ایک فلائر Flying Cloud Boats کا تھا۔ اس پر لکھا تھا کہ ہم آپ کو سنورکلنگ کیلئے اپنی 57foot catamaran بوٹ پر لے جائیں گے اور اسکے لئے ضروری سامان مہیا کریں گے۔ اور تو اور یہ کہ وہ ہمیں ہمارے ہوٹل سے پک اپ کر لیں گے۔ فون کیا اور ٹائم 11:30am طے ہو گیا۔ ڈرائیور عین وقت پر پہنچ گیا اور ہم بیس منٹ میں پیراڈائز آئی لینڈ کے اس مقام پر تھے جہاں سے بوٹ نے چلنا تھا۔ پانی کی بوتلیں خریدیں جو صرف ایک ڈالر میں ایک تھی۔ 57فٹ Cataraman بوٹ میں پندرہ کے قریب لوگ مختلف کونوں میں ٹولیاں بنائے بیٹھے ہوئے تھے جس سے لگتا تھا کہ ہر ٹولی والے آپس میں رشتہ دار ہیں۔ جلد ہی بوٹ Flying Cloud کے کیپٹن نے موٹر چلائی، اس کا ایک نائب تھا جو ساتھ میں کھڑا تھا۔ بوٹ کے پچاس فٹ اونچے بادبان ہوا میں لہلہا رہے تھے۔ بوٹ کے اندر ایک خاتون Marlene اسی ڈالر فی کس ٹکٹ دی رہی تھی، ہم نے بھی خرید لیا۔ یہ خاتون خوش مزاج، مسکراتی، اور گاتی ہوئی کام میں مصروف تھی۔ جوں جوں ہم پیراڈائز جزیرے سے دور ہو رہے تھے، دور سے آبادی مدھم ہوتی نظر آ رہی تھی۔ بوٹ کے باہر سمندر کے پانی کو دیکھا، صاف شفاف نیلے رنگ کا پانی۔ بعض جگہ پانی کا رنگ سبز یا براؤن تھا، پتہ چلا کہ جس قسم کی ریت نیچے سمندر کی تہ میں ہے اس قسم کا پانی نظر آتا ہے۔ کیپٹن نے اعلان کیا کہ ہم ساحل سے کوئی چھ میل دور آ چکے ہیں۔ اس کے نائب نے مجھ سے پوچھا کیا آپ روز آئی لینڈ Rose Island پر اترنا پسند کریں گے یا کہ ہمارے ساتھ سنورکلنگ snorkling کریں گے؟ میں نے لیت و لعل سے کام لیا تو ایک خاتون نے میری طرف سے کہہ دیا نہیں ہم سب سنورکلنگ کریں گے بشمول ان کے۔ نائب نے کہا

آپ گھبرائیں نہیں جہاں ہم رکیں گے وہاں پانی صرف بیس فٹ گہرا ہے۔ میں نے پریشانی کا اظہار کرتے پوچھا کہیں ڈوب نہیں جاؤں گا؟ اس نے جواب دیا not on my watch ۔ ہمیں تسلی ہو گئی اور سوچا آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا۔ نائب کپتان گھبرو جوان تھا، اس مضبوط سیاہ ورزشی جسم، اس کی باتوں اور حرکات سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ سمندر دیدہ ہے۔ پانی میں وہ ایسے تیرتا تھا گویا مچھلی ہو۔

چند میل اور جانے کے بعد بوٹ رک گئی اور بوٹ میں ہل چل محسوس کی، بچوں بڑوں نے خود کو سنورکلنگ کے ساز و سامان سے لیس کرنا شروع کر دیا تھا۔ میں نے دیکھا بوٹ کے نصف حصہ میں جہاں سنورکلنگ کا سامان تھا لوگ وہاں تیار ہو کر ایک ایک کر کے پانی میں چھلانگ مار رہے تھے۔ مائیکل (کیپٹن کے نائب) نے مجھے بھی سامان دیا اور میں بادل نخواستہ تیار ہو گیا، سامان میں گاگلز، سر کے اوپر نکلتی ہوئی ٹیوب جس میں سے ہوا اندر جاتی تھی۔ منہ کو بند رکھنے کیلئے ایک چیز، تیر کرنے کیلئے ویسٹ vest ، اور پاؤں میں ربڑ کے خاص جوتے جو مچھلیوں کے پچھلے حصہ سے ملتے جلتے تھے۔ پانی میں جانے کیلئے ریمپ بنا ہوا تھا، وہ خود پانی میں تھا اس نے مجھے ہوا بھری ٹیوب دی کہ اس کو پکڑ کر پانی میں آجاؤ۔ اس نے مجھے طریقہ بتلایا کہ غوطہ مارنے کے بعد آنکھیں کھلی رکھنی، منہ بند رکھنا اور سانس ٹیوب میں سے لینی ہے۔ میں نے ہدایات پر عمل کیا غوطہ زن ہو کر نیچے پانی میں دیکھا تو سطح سمندر پر مختلف چیزیں، اور رنگ برنگ کی مچھلیاں تیر رہی تھیں۔ یہ تو کوئی اور ہی دنیا تھی جو سطح سمندر سے نظر نہیں آتی تھی۔ میں کوئی تین منٹ غوطہ زن رہا اور پانی میں شفاف مستور نظارے سے محظوظ ہوتا رہا۔ اس کے بعد اوپر آیا، تو اس نے دوبارہ غوطہ لگانے کو کہا، کئی بار ایسے کیا، ایک بار میرے منہ میں پانی آگیا جو اتنا نمکین تھا کہ ایسا پانی زندگی میں کبھی غلطی سے بھی نہیں پیا تھا۔ میں نے مائیکل سے کہا کافی ہو گیا اور واپس بوٹ پر آگیا۔

بچے بڑے، مرد و زن سنورکلنگ سے جی بھر کر محظوظ و مسرور ہو رہے تھے۔ اب ایک گھنٹے سے زیادہ ہو رہا تھا، سب لوگوں کو بوٹ میں واپس بلا لیا گیا۔ ہماری تواضع ڈرنکس اور پوٹیٹو چپس سے کی گئی البتہ ٹھنڈے یخ پانی کی بوتل ایک ڈالر کی تھی۔ ہر کس و ناکس خوشگوار موڈ میں تھا، مارلین نے ریڈیو نکالا اور گانے لگا دیئے بس پھر کیا تھا خواتین نے محدود علاقے میں ناچنا گانا شروع کر دیا۔ پتہ بھی نہیں چلا اور ہم واپس پیراڈائز آئی لینڈ واپس پہنچ چکے تھے۔ ایک شخص کیمرہ لے کر ساحل پر کھڑا تھا اور لوگوں کو تصاویر فروخت کر رہا تھا جو اس نے ہمارے جانے سے قبل لی تھیں۔ تصویر بہت ہی اچھی تھی، اس کے بیک گراؤنڈ میں لکھا تھا Lifestyle of rich and famous : بیس ڈالر دے کر یادگار کے طور پر ایک خرید لی جو اب ہمیں بہاماز میں گزرے وقت کی یاد دلاتی ہے۔

ایک روز ہم ڈاؤن ٹاؤن آئے تو کراچی کی ایمپریس مارکیٹ کی طرح کی بڑی عمارت میں مارکیٹ تھی جہاں کوئی

ستر کے قریب چھوٹی چھوٹی دکانیں تھیں، ہر طرف سٹریٹ ہاکرز تھے اور گاہک بھاؤ لگا کر چیزیں (کھلونے، جیولری، کپڑے، عینکیں، جوتے، ڈیکوریشنز کی چیزیں، پلاسٹک کے پھل، درخت اور پھول، لکڑی سے بنی چیزیں) خرید رہے تھے۔ لوگوں کا جم غفیر تھا، ہر طرف گاہک ہی گاہک۔

بہاماز میں مسجد اور اسلامک سینٹر

انٹرنیٹ پر سرچ کیا تو معلوم ہؤا کہ ناساجزیرے کی کارمائیکل روڈ پر مسجد بھی موجود ہے، جماعت اہل السنۃ (اسلامک سینٹر) کا اپنا دیدہ زیب ویب سائٹ تھا۔ مسلمان یہاں غلامی کے دور سے رہتے آرہے ہیں مگر چھپ چھپ کر۔ ساٹھ کی دہائی میں نیشن آف اسلام نے یہاں سینٹر بنانے کی کوشش کی۔1980 کی دہائی میں تبلیغی جماعت کا اثر ورسوخ پیدا ہونا شروع ہؤا۔ اس وقت 300 کے قریب یہاں مسلمان موجود ہیں۔ یہاں مسلمان فرقہ واریت سے بالا ہو کر آپس میں بلا تفریق عقیدہ بھائی بھائی بن کر آباد ہیں۔ بس ڈرائیور نے ہمیں کہا مسجد آگئی ہے اتر جاؤ۔ مسجد دیکھ کر دل خوش ہو گیا، اونچا مینارہ، سبز گنبد باقی کی عمارت سفید۔ البتہ پینٹ کی سخت ضرورت تھی۔ باہر پارکنگ کیلئے کافی جگہ تھی، اندر سے مسجد وسیع تھی اور کوئی دو سو افراد آسانی سے نماز ادا کر سکتے تھے، عورتوں کیلئے داخلہ اور نماز کی جگہ الگ تھی۔ وضو کیلئے عمدہ انتظام تھا۔ مسجد کے نوٹس بورڈ پر ان افراد کے نام کی فہرست تھی جنہوں نے وصیت کر کے اپنی جائیداد اسلامک سینٹر کے نام کر دی تھی۔ امام الصلوۃ کیلئے اونچا منبر تھا جس پر کھڑے ہو کر وہ خطبہ جمعہ دیتا تھا۔ مسجد کے باہر چند پاکستانی احباب نظر آئے جو اپنے ویزوں کے بارے میں صلاح مشورہ کر رہے تھے۔

بس لے کر واپس ڈاؤن ٹاؤن آگئے۔ اب غلامی اور آزادی کا میوزیم Museum of slavery and emancipation دیکھنا شروع کیا جو چھوٹی سی عمارت میں واقع تھا۔ عمارت پر Pink paint کیا ہؤا تھا اور سامنے دو ستون corinthian columns تھے۔ یہ عمارت 1760 میں تعمیر ہوئی تھی جہاں سے اشیاء کے علاوہ غلام بھی فروخت ہوتے تھے۔ داخلہ صرف پانچ ڈالر۔ یہ میوزیم دیکھ کر اتنا دکھ ہؤا کہ غم گین ہو گیا، کیا ایک انسان دوسرے انسان پر اتنا ظلم بھی کر سکتا ہے۔ مختلف ادوار کی افریقن غلاموں کی تصاویر دیواروں پر لگی ہوئی تھیں جن کے ساتھ ان کے بحری جہازوں میں افریقہ سے سفر کے نقشے تھے۔ کمرے کے درمیان میں ہتھکڑیاں، بیڑیاں، لوہے کے بھاری بھر بال، نیز ایذا رسانی کا دیگر سامان شیشے کے بند شوکیس میں رکھا ہؤا تھا۔ ایک شوکیس میں ایذا رسانی کا سامان دیکھ کر تو میرا دل دہل گیا۔ ایسا غلام جو سرکش ہوتا اس کے گلے میں لوہے کا رنگ ring) دائرہ (ڈال دیا جاتا، جس کے ساتھ لوہے کی لگی دو سلاخیں ٹخنوں تک آتی تھی جس میں بیڑیاں تھیں۔ اس کے ساتھ ایک ٹن کے قریب لوہے کا بال جو اس کو اٹھا کر

چلنا ہوتا تھا۔ طبیعت مکدر ہو گئی۔ واقعی انسان کا سب سے موذی دشمن انسان ہی تو ہے۔

پیراڈائز آئی لینڈ

بہاماز کے تمام جزائر میں سے سب سے جنت نظیر جزیرہ پیراڈائز آئی لینڈ ہے جو اسم با مسمیٰ ہے۔ اس کا اندازہ اس وقت صحیح معنی میں نہیں ہوتا جب تک انسان وہاں جا کر اس کو خود نہ دیکھ لے۔seeing is believing ایک ہزار قسم کے جاذب نظر پھول، سبز درخت، کیاریاں، سبز گھاس ہر طرف پھیلا ہوا ہے۔ پودوں پر لگے پھول ہر ایک دوسرے سے زیادہ خوبصورت، رنگا برنگا اور دل کو استراحت بخشتا ہے۔ ناساشہر سے بوٹ کے ذریعہ یہ آئی لینڈ زیادہ دور نہیں ہے۔ جب ہم بوٹ پر سوار ہوئے تو ایک ملاح نے لطائف سے ہمیں محظوظ کرنا شروع کیا اور ساتھ کے ساتھ بہاماز کی ہسٹری اور پیراڈائز آئی لینڈ کی ہسٹری اور یہاں کی معروف عمارتوں اور ان کے شہرہ آفاق مکینوں کا بتانا شروع کیا۔ مثلاً اس نے بتایا کہ آئی لینڈ کی سب سے عظیم الشان عمارت اٹلانٹس ہوٹل میں سنگر مائیکل جیکسن قیام کیا کرتا تھا جس کے چند کمروں کا کرایہ پچیس ہزار ڈالر یومیہ تھا۔ ساحل کے ساتھ ساتھ سفر کرتے ہوئے اس نے ہمیں ایک اور امریکن ہالی ووڈ ایکٹر Nicholas Cage کے گھر کی نشاندہی کی۔ یہ گھر اس وقت فروخت کیلئے تھا کیونکہ ایکٹر مالی مشکلات میں مبتلا تھا۔ اس نے اور بھی دل چسپ باتیں بتائیں۔ آخر جب کنارے پہنچنے والے تھے تو وہ اپنا ہیٹ لے کر ہر ایک کے سامنے گیا کہ چاہے تو کچھ دے دیں چاہے نہ دیں، مگر اکثر سواریوں نے ایک ایک ڈالر ہیٹ میں ڈال دیا۔ آئی لینڈ پر ہر طرف حسن کی دیویاں رونق افروز تھیں اس لئے بعض مواقع پر غض بصر سے شدید طور پر کام لینا پڑا، اور اعوذ باللہ کا ورد کرتے آنکھیں بند کر کے گزر گئے۔ سہ پہر کا وقت تھا لنچ سب وےsubway ریستورانمیں کیا، امیریکن ریستوران ہر طرف موجود ہیں، اور ان کا صفائی ستھرائی کا سٹینڈرڈ بھی امیریکن ہے۔ فوڈ پرائی سز سرزمین امریکہ سے زیادہ ہیں۔

پیراڈائز آئی لینڈ کی سب سے بڑی ایٹریکشن اٹلانٹسAtlantis ہے جو کہ ہوٹل ریزارٹ اور واٹر پارک ہے۔ اس کی بلند و بالا چھ دلکش عمارتیں دور ہی سے نظر آجاتی ہیں، پاس پہنچو تو اور بھی پر ہیبت و دلفریب۔ یہاں فریش واٹر اینڈ سالٹ واٹر پولز ہیں جن میں آٹھ ملین پانی ہے۔ آبشاریں ہیں، گالف کورس ہیں، 140 ایکڑ پر پھیلا واٹر پارک ہے جس کا نامacquaventure ہے۔ ایک عمارت کا نامThe Cove Atlantis ہے جس میں چھ سو لکژری سوئٹس ہیں جبکہ Reef Atlantis میں 497 سوئٹس ہیں۔The Royal Towers کے دو ٹاورز آپس میں بہت بلندی پر پل کے ذریعہ جڑے ہوئے ہیں۔ رائیل ٹاورز میں ایک سوئیٹsuite کا کرایہ $25,000 ہے۔ یہ سوئٹ دس کمروں پر مشتمل ہے جس میں گولڈ کے صوفے، کوشنز، گلٹ مررز، اور شینڈلیئرز ہیں۔ اس کا لونگ روم پندرہ میٹر (45 فٹ) لمبا ہے جس میں بے بی پیانو رکھا ہوا ہے۔ اس کا فلور چار قسم کے رنگ برنگے سنگ مرمر سے بنا ہے۔ امریکن سنگر آنجہانی مائیکل جیکسن

ریلیکس ہونے کیلئے اکثر اس مہنگے سوئٹ میں قیام کیا کرتا تھا۔

ہمارے قیام کا وقت ختم ہونے کو تھا۔ فرنٹ ڈیسک سے اپنے پاسپورٹ لئے اور دو گھنٹے قبل ائرپورٹ پر پہنچ گئے۔ پتہ چلا جہاز دیر سے آئیگا کیونکہ مرمت کی ضرورت ہے۔ آخر امیریکن ائرلائنز کے جہاز میں سوار ہوگئے مگر ہماری کونیکٹنگ فلائٹ ہوسٹن سے روانہ ہو چکی تھی۔ کسٹمر سروس نے پورا تعاون کیا اور ہمارارات کی رہائش کا انتظام میری آٹ Mariotte ہوٹل میں کر دیا، شام کے کھانے کیلئے ووچرز دے دیئے۔ ٹرین لے کر ہوٹل پہنچ گئے۔ اس ٹرین کی خوبی یہ تھی کہ اس میں کوئی ڈرائیور نہیں تھا، یہ خود بخود چلتی اور سٹیشنوں پر رکتی تھی۔ ہماری لئے یہ نئ چیز تھی۔ شام کا کھانا ائرپورٹ کے شاندار ریستوران میں کھایا اور اگلی صبح ہم ہارٹ فورڈ پہنچ گئے۔

اگلی بار بہاماز گیا تو ڈالفن کروز ضرور کروں گا جو بلو لاگون آئی لینڈ Blue Lagoon Island میں کیا جاتا ہے۔

(بشکریہ ماہنامہ پیشوا، لندن نومبر 2022)

()()()

کینیڈا کے دوسرے جلسہ سالانہ جولائی 1978 کے موقع پر حضرت چوہدری ظفر اللہ خاں صاحبؓ کے ہمراہ۔ خاکسار زکریا ورک

(21) خوشبو کا سفر

مرد آنکھ ہے تو عورت بینائی، مرد پھول ہے تو عورت خوشبو (سقراط)

خوشبو اور یاد داشت کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ خوشبو کا ایک جھونکا دماغ میں بجلی کی رفتار سے بہت پرانی یا بچپن کی یادوں کے چراغ روشن کر دیتا ہے۔ سخت گرمیوں کے دن اور بارش کا پہلا قطرہ مٹی میں گر کر جو خوشبو پیدا کرتا ہے وہ چشم تصور کے سامنے ایک البیلا منظر پیدا کر دیتا ہے۔ چنبیلی کے پھول کی خوشبو تو گویا یادوں کی بارات والا منظر اجاگر کر دیتی ہے۔ ماں کی ممتا سے پوچھیں اسے اپنے بچے کی پہچان خوشبو سے کس قدر ہوتی ہے۔ کہتے ہیں کہ خوشبو والی یاد داشت دماغ میں سب سے زیادہ دیر تک جمی رہتی ہے۔

خداوند کریم نے انسان کو ایک ہزار قسم کی مختلف خوشبوئیں پہچاننے کی استعداد سے نوازا ہے۔ تجربات سے یہ بات مشاہدہ میں آئی ہے کہ بچے خوشبو سونگھنے سے یہ بتلا سکتے ہیں کہ فلاں قمیض ایک مرد نے پہنی تھی یا عورت نے۔ محسوس کرنے کیلئے چھونا اور کسی چیز کی آواز سننے کیلئے کان کا ہونا ضروری ہے جبکہ سونگھنے کیلئے صحت مند ناک کا ہونا لازم ملزوم ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ انسان کو جب زکام لاحق ہو تو ناک بند ہونے سے نہ صرف غذا بے ذائقہ محسوس ہوتی ہے بلکہ وقتی طور پر انسان سونگھنے کی اہلیت سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔

انسان کا سانس جڑواں ہوتا ہے ماسوا دو موقعوں پر جب یہ صرف ایک دفعہ آتا ہے۔ یعنی بوقت پیدائش اور بوقت مرگ۔ پیدائش کے وقت سانس اندر جاتا ہے اور موت کے وقت سانس باہر نکلتا ہے۔ ہم دن میں تئیس ہزار چالیس مرتبہ سانس لیتے ہیں۔ ایک سانس لینے کیلئے پانچ سیکنڈ کا وقت درکار ہوتا ہے۔ دو سیکنڈ اندر لے جانے کیلئے اور تین سیکنڈ باہر نکالنے کیلئے۔ سانس نکالنے اور اندر لے جانے کے عمل کے دوران ہم خوشبو سونگھ لیتے ہیں۔ خوشبو ہمارے ارد گرد فضا میں معطر رہتی ہے۔ اور بعض لوگ بدبو کو چھپانے کیلئے اپنے اوپر خوشبو لگا لیتے ہیں۔

کسی چیز کی مثال دینا اگر مشکل ہوتا تو خوشبو کی مثال الفاظ میں بیان کرنا اور بھی مشکل ہوتا ہے۔ بعض خوشبوئیں میٹھی اور بعض کھٹی ہوتی ہیں۔ خوشبوئیں اتنی قسموں کی ہیں کہ ان کی پہچان جب مشکل ہو جاتی ہے تو ہم ان کو بیان کرنے کیلئے الفاظ کا سہارا لیتے ہیں۔ جیسے Delightful, Hypnotic, Sweet, Enchanting, Disgusting, Revolting, Intoxicating, Sickening.۔ فرانس کا بادشاہ نپولین اور اس کے دل کی دھڑکن جوزفین Josephin کو جملہ پھولوں میں سے بنفشہ یعنی وائیولیٹ Violet کے بہت دلدادہ تھے۔ جوزفین دن میں کئی بار اپنے جسم پر وائیولیٹ کے پرفیوم کا سپرے کرتی تھی جو رفتہ رفتہ اس کا ٹریڈ مارک بن گیا۔ 1814ء میں جب اس کی وفات ہوئی تو نپولین نے اس کی آخری آرامگاہ پر بنفشہ

کے پھول لگائے تھے۔ جب زندگی میں آخری بار اس کو جزیرہ سینٹ ہیلینا St. Helena کے زندان میں ڈالا گیا تو اس نے جوزفین کی قبر کی آخری بار جب زیارت کی تو وہاں سے چند پھول اتار کر گلے میں ہار بنا کر ڈال لئے تھے۔ اس ہار کی متاع عزیز کو اس نے زندگی کے آخری سانس تک گلے میں زیب تن کئے رکھا۔

بنفشہ Violet کے پھولوں سے جو پرفیوم بنتا ہے وہ بہت مہنگا ہوتا ہے صرف متمول لوگ ہی اس کو خرید سکتے ہیں۔ اس کی خوشبو زیادہ دیر تک نہیں رہتی ہے۔ پرانے زمانہ میں یہ پھول ایتھنز شہر کا سرکاری نشان تھا۔ یاد رہے کہ سونگھنے کی حس انسان میں سب سے زیادہ طاقتور حس ہے۔ ہمارے ناک کے اندر ایسے receptor cells ہوتے ہیں جن کی تعداد پانچ ملین ہوتی ہے۔ یہ سیل دماغ کے اندر خوشبو کے مرکزی مقام olfactory bulb سے impulses برق رفتاری سے بھیجتے ہیں یہ خلئے صرف ناک کو ہی خاص عطا کئے گئے ہیں۔ دماغ کے اندر ایک نیوران اگر مر جائے تو اس کا احیائے ثانی نہیں ہو سکتا ہے اسی طرح اگر کان یا آنکھ کے اندر نیوران مر جائیں تو وہ دوبارہ جنم نہیں لے سکتے۔ لیکن اس کے برعکس ناک کے اندر نئے نیوران ہر تیس دن بعد جنم لیتے رہتے ہیں۔

عام طور پر دیکھنے میں آیا ہے کہ کسی شخص کا نام یاد رکھنا یا اسے پہچاننا قدرے آسان ہو جاتا ہے اس نسبت سے کہ وہ کس قسم کی وہ خوشبو لگاتا ہے۔ پاکستان اور بھارت کے ممالک میں گلاب کا عطر جو لگاتے ہیں رفتہ رفتہ وہ انکی پہچان بن جاتا ہے۔ اسی طرح امریکہ کینیڈا کے دفاتر میں جو خواتین Poison خوشبو لگاتی ہیں وہ انکی پہچان بن جاتا ہے .

پھولوں میں سے سب سے مقبول خوشبو گلاب کے پھول کی ہے۔ مشرقی ادویات میں گلاب کا عرق تو بطور دوائی کے بہت کثرت سے استعمال ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ رومن بادشاہ گلاب کے پھول کے عاشق ہوتے تھے۔ گلاب کے پھول کی پتیوں کو وہ بستر پر سجایا کرتے تھے۔ بادشاہ پر پتیاں نچھاور کرنیکا عام رواج تھا۔ گلاب کے پھولوں کے لوگ ہار بڑے اہتمام سے پہنا کرتے تھے۔ عورتوں کے بالوں میں گلاب کے پھول سجاوٹ کے طور پر لگائے جاتے تھے۔ حتٰی کہ روم میں پرانے زمانہ میں ایک سرکاری تعطیل ایسی تھی جس کا نام روزالیہ Rosalia تھا۔ ہندو پاکستان میں چنبیلی کے پھول کی خوشبو تو انسان کو مسحور کر دیتی ہے۔ اس کی خوشبو رات کے وقت میل ہا میل تک پھیل جاتی ہے

ایک مخصوص خوشبو کے ساتھ وابستہ یادداشت شارٹ ٹرم میموری کے خانہ میں مقید نہیں ہوتی ہے۔ بلکہ لانگ ٹرم میموری کا اس سے مضبوط تعلق ہے جب ہم کسی کو پرفیوم تحفہ کے طور پر دیتے ہیں تو گویا ہم اس کو liquid memory کا لازوال تحفہ دیتے ہیں۔ برطانیہ کے ایک مشہور مصنف جس نے ایک زمانہ لاہور میں ایک اخبار کے ایڈیٹر کے طور پر گزارا تھا یعنی رڈیارڈ کپلنگ Kiplingاس نے کیا خوب کہا ہے .Smells are surer than sights, and sounds to make your heart strings crack

میکسیکو ملک کے Tzotzil قوم کے باشندے اپنے دیوتاؤں کی رضا کیلئے خوشبودار موم بتیاں اور اگربتیاں جلاتے ہیں جبکہ

امریکہ میں مقامی ریڈ انڈین ڈکوٹا قوم کے باشندے "سویٹ گراس" اپنے دیوتاؤں کیلئے جلاتے ہیں۔ بھارت میں مندروں کے اندر اگربتیاں جلائی جاتی ہیں۔ ملائیشیا کے جزائر کی ایک قوم Chewong کے لوگ روحوں سے بات چیت کرنے کیلئے خوشبو استعمال کرتے ہیں۔ کولمبیا کے ملک میں Desana قوم کے لوگوں کا مذہبی لیڈر یعنی شامان اس نوجوان لڑکی پر خوشبودار تمباکو کو دھواں پھینکتا ہے جس کو حیض آنا شروع ہوتا ہے۔ عرب ممالک میں دعوت کے بعد مہمانوں کو خوشبو لگائی جاتی ہے خاص طور پر عورتوں میں خوشبو کی بوتلیں تقسیم کر دی جاتی ہیں اور وہ جسم کے مختلف حصوں پر خوشبو لگا لیتی ہیں۔ اس لئے جب کسی سے خوشبو آئے تو سوال کیا جاتا ہے تم کس سے مل کر آئے ہو؟ سوڈان کے ملک میں دولہن اور دوسری عورتوں کو تقریب کے بعد گویا خوشبو میں نہلا دیا جاتا ہے۔ نارتھ امریکہ میں خیال کیا جاتا ہے کہ Peppermint جیسی خوشبو کے استعمال سے انسان میں کام کیلئے انرجی آجاتی ہے۔ یہاں بعض آفس بلڈنگ ایسی تعمیر کی جاتی ہیں جن میں تازہ ہوا کیلئے کھڑکیاں نہیں کھول سکتے اور ہوا کو ری سائیکل کیا جاتا ہے۔ یا کارپٹ میں سے کئی قسم کے کیمیکل خارج ہوتے ہیں جس سے لوگ طرح طرح کے عوارض میں مبتلا ہو جاتے ہیں جیسے تھکاوٹ، آنکھوں کا جلنا، کانوں میں جلن وغیرہ۔ اس چیز کا نام sick building syndrom ہے۔ ایسی عمارتوں میں کام کرنیوالے لوگ خوشبو سے بہت بری طرح متاثر ہوتے اس لئے ایسی عمارتوں میں خوشبو لگانا مناسب نہیں سمجھتا جاتا ہے۔ عام طور پر یہاں لوگ musk کی خوشبو کو بہت سیکسی سمجھتے ہیں۔ جاپان میں جب صبح کے وقت ورکرز کام پر آتے ہیں تو بعض کمپنیوں میں ان کو مالٹے کی خوشبو لگائی جاتی ہے تاوہ چست ہو جائیں اور دوپہر کے وقت دفاتر میں cedar & cypress کی لکڑی جلائی جاتی تا تھکاوٹ دور ہو جائے۔

خوشبو کی اقسام

یہ سوال کہ خوشبو ہے کیا؟ یہ دراصل کیمکلز کا مکسچر ہے۔ انسان کے ناک میں دس ملین کے قریب ری سیپ ٹرز موجود ہیں جن کی وجہ سے ہم ہزاروں اقسام کی خوشبوؤں اور بوؤں کی شناخت کر لیتے ہیں۔ کتوں کے ناک میں ایسے 200 ملین ری سیپ ٹرز ہوتے ہیں۔

خوشبو کی مندرجہ ذیل اقسام ہیں: منٹی Minty، مشک Musk، کافور Camphor، بدبو جیسے گندے انڈوں کی۔ تیزابی جیسے سرکہ کی خوشبو۔ مغربی ممالک میں عورتوں کا محبوب ترین پرفیوم شنیل نمبر فائیو Chanel No 5 ہے جو 1922 میں ایجاد ہوا تھا۔ امریکہ میں ہر سال مختلف اقسام کی خوشبوؤں کی خرید پر لوگ 24 بلین ڈالر خرچ کرتے ہیں۔ جبھی تو انگلش زبان میں کہتے ہیں کہ Money does not stink ۔

سورج کی روشنی میں ایسا طاقتور بلیچ bleach ہوتا ہے کہ کپڑے دھو کر دھوپ میں رکھنے سے ان کی بدبو ختم ہو جاتی ہے بلکہ سفید رنگ کے کپڑے تو نکھر کر اور بھی جاذب نظر ہو جاتے ہیں۔ مشاہدہ میں آیا ہے کہ خلاء میں جانے والے اسٹرونٹ کی چکھنے

اور خوشبو سونگھنے کی حس کم ہو جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ گریویٹی کے باعث خوشبو کے مالی کیول ناک کے اندر اتنی دور تک نہیں پہنچ سکتے کہ دماغ کو خوشبو کا احساس ہو سکے۔ جب ہم کوئی پر لطف اور مزیدار چیز کھا رہے ہوں تو ہمارا منہ اس مزیدار غذا سے بھرا ہوا ہو تو ہم اپنا منہ بے ساختہ کھول لیتے ہیں اور ہوا کو باہر نکالتے ہیں۔ ہوا کے باہر نکالنے سے ہمارے منہ کے اندر خوشبو سونگھنے کے Receptors کے قریب سے ہوا گزرنے سے جو خوشبو کا احساس دماغ کو ہوتا ہے اس سے ہمیں غذا اور بھی زیادہ مزیدار لگنے لگتی ہے۔ دیکھنے میں آیا کہ جن لوگوں کو کرونا وائرس لگ جاتی وہ چکھنے اور سونگھنے کی حس سے محروم ہو جاتے۔

خالق کائنات نے انسان کو جو حس سے سب پہلے عطا کی تھی وہ سونگھنے ہی کی تھی اس لئے یہ کہنا مناسب ہے we think because we smell سونگھنے کی حس انسان میں اس قدر غالب ہوتی ہے کہ انسان اس کو بطور ٹیسٹ کے بھی استعمال کرتا ہے منہ میں کسی مشروب یا مضر غذا یا زہر کے جانے سے قبل انسان اس کو سونگھ کر اپنے آپ کو اس کے محفوظ کر لیتا ہے۔ فرج کے اندر سالن یا کوئی اور چیز کافی دیر پڑی رہنے سے خراب ہو جانیکا خدشہ ہو تو اس کا فیصلہ ہم بجائے چکھنے کے سونگھ کر ہی تو کرتے ہیں۔ اچھے کھانے اور خراب کھانے میں فرق کرنے میں انسانی ناک ایکسپرٹ کا رول ادا کرتا ہے۔ یوروپ اور امریکہ میں وائن ٹیسٹنگ کا فیصلہ سونگھ کر ہی کیا جاتا ہے۔

بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی باتوں سے خوشبو آتی ہے۔ اور عاشق صادق سے پوچھو کہ اس کی محبوب کی پہچان کیا ہے تو وہ خوشبو سے ہی تو اس کو پہچانتا ہے۔ بعض عاشق ایسے ہوتے ہیں کہ جب اپنے معشوق سے جدا ہونے لگتے ہیں تو اس سے رومال مانگ لیتے تا وہ اس کی خوشبو سے ہی اس کی یاد کو تازہ کرتے رہیں۔ اور جب کسی کا کوئی عزیز رشتہ دار راہی ملک عدم ہو جائے تو لوگ یاد کے طور اس کا سویٹر یا کوٹ رکھ لیتے تا اس سے آنیوالی منفرد خوشبو سے اس عزیز کی یاد تازہ ہوتی رہے۔

بدبو بطور دفاع کے

انسان کے جسم سے مختلف قسم کی بدبو خارج ہوتی ہیں۔ ایک انتھروپالوجسٹ کے مطابق ہمارے آباؤ اجداد کے جسموں سے آج سے ہزاروں سال قبل بہت زیادہ بو خارج ہؤا کرتی تھی جس کا ایک ضمنی فائدہ یہ تھا کہ جانور ہمیں درخور اعتنا نہیں جانتے تھے گویا ایک ملین سال قبل بدبو بطور دفاع کے بھی استعمال ہوتی تھی۔

جاپانی مردوں میں سے بدبو کا آنا بہت برا سمجھا جاتا ہے۔ حتکہ بعض مرد تو اس وجہ سے ملٹری میں بھرتی ہونے سے رہ جاتے ہیں۔ اس لئے جاپانیوں سے آپ کو شاذ ہی بدبو آئیگی۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ایشیا میں لوگ اپنے ارد گرد کے ماحول میں خوشبو کا ہونا اپنے جسم پر خوشبو ہونے سے زیادہ اہم جانتے ہیں اس کی ایک واضح مثال اگربتی کا استعمال ہے۔ دیکھنے میں آیا ہے کہ چربی بدبو کو اپنے اندر جذب کر لیتی ہے اگر آپ پیاز کاٹ کر فرج کے اندر مکھن کے ساتھ رکھ دیں تو مکھن پیاز کی بو کو جذب کر لے گا۔

انسانی بالوں کے اندر بھی فیٹ یعنی تیل ہوتا ہے اس لئے تکیہ کے اوپر چکنائی کے داغ پڑ جاتے ہیں۔ ہمارے بال بدبو کو اپنے اندر جلد ہی جذب کر لیتے ہیں اس کی ایک مثال یہ ہے کہ اگر آپ کسی سگریٹ نوش کے ساتھ بیٹھے رہیں تو سگریٹ کی ناخوشگوار بو بالوں میں سب سے زیادہ آتی ہے۔

انسان کے جسم سے بدبو اس کی apocrine glands سے خارج ہوتی ہے۔ ہماری نوعمری کی حالت میں یہ گلینڈ چھوٹی ہوتی ہیں اور سن بلوغت تک یہ قدرے بڑی ہو جاتی ہیں۔ یہ گلینڈ بغلوں میں، چہرے پر، چھاتی پر، اور عضو تناسل کے ارد گرد پھیلی ہوتی ہیں۔ بعض ممالک میں تو لوگ جب ایک دوسرے سے ملتے تو آپس میں ناک رگڑتے ہیں گویا وہ غیر ارادی طور پر ایک دوسرے کو سونگھتے ہیں۔ انسانی ناک میں ایک ہزار کے قریب chemical receptors ہوتے ہیں جو خوشبو کے مختلف کیمیائی خواص میں پہچان کر لیتے ہیں۔ پھر پہچان کے یہ پیغامات دماغ کے اس حصہ کو بھیجے جاتے ہیں جس کو olfactory bulb ہیں اور جو آنیوالی انفارمیشن کو پروسیس کرتا ہے۔

غذا اور خوشبو

جو لوگ گوشت خور ہوتے ان کے جسم سے جو بدبو آتی ہے وہ سبزی خوروں سے مختلف ہوتی ہے۔ بچے بڑوں کی نسبت مختلف قسم کی خوشبو کے حامل ہوتے ہیں۔ جو لوگ ہسپتال میں کام کرتے ان سے بھی خاص قسم کی بو آتی ہے۔ جسم سے بو آنے میں بہت سے عوامل کارفرما ہوتے جیسے انسان کی صحت، اس کا پیشہ، غذا جو وہ کھاتا ہے۔ دوائی کا استعمال، اور انسان کی جذباتی حالت وغیرہ۔

تازہ پکے ہوئے کھانے کی خوشبو اور بھوک کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ انسان باہر سے جب گھر آئے تو تازہ کھانے کی خوشبو سے بھوک دوبالا ہو جاتی ہے اور بعض لوگ تو ایسے ہوتے ہیں کہ جب تک پتہ نہ چل جائے کہ کیا پکا ہے یا اس کو چکھ نہ لیں تو ان کو چین نہیں آتا۔ یہی وجہ ہے کہ مشرقی کھانوں میں دوسرے مصالحوں کے علاوہ زعفران، روح کیوڑہ استعمال کیا جاتا ہے۔ زعفران دنیا کا سب سے زیادہ مہنگا مصالحہ مانا جاتا ہے۔ یا بعض دفعہ چاولوں میں مالٹوں کے چھلکیں ڈال دی جاتی ہیں تا کہ بھینی بھینی خوشبو آئے اور پیٹ بھرنے کے ساتھ ساتھ دماغ کو بھی فرحت پہنچے۔ کھانے کے مزیدار ہونیکا فیصلہ سب سے پہلے خوشبو کے ذریعہ ہی کیا جاتا ہے۔ پنجاب کے رہنے والے میتھی کی خوشبو سے خوب واقف ہیں نہ صرف اس کے کھانے کا مزہ آتا بلکہ اس کی خوشبو بھی روح اور جان کو معطر کر دیتی ہے۔

کینیڈا میں بعض ریستوران عمداً ڈبل روٹی کو جلاتے ہیں تا کہ اس کی خوشبو پورے علاقہ میں پھیل جائے۔ ہم ایک دفعہ اپنے دوست کا گھر بھول گئے جب ان کی ہائی رائز بلڈنگ میں پہنچے تو جس گھر سے ہمیں پاکستانی کھانے کی خوشبو آئی ہم جان گئے کہ یہی ہمارے دوست کا گھر ہے۔ سائینسدانوں کے مطابق خوشبو کی حس ہمارے جسم میں چکھنے کی حس کی نسبت دس ہزار گنا زیادہ ہوتی

ہے۔ امریکہ اور کینیڈا میں کسی کافی کی دکان پر جائیں وہاں آپ کو کئی اقسام کی خوشبودار کافی جیسے french vanilla, hazelnut, amaretto, irish cream پینے کو ملے گی۔ مغربی ممالک میں آئس کریم، کیک، پیسٹریاں، بسکٹ، ادویاء، کوک میں خوشبو کیلئے vanilla کا استعمال بہت کیا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ اس بات پر مکمل یقین رکھتے ہیں کہ "the way to a man-92s heart is through his stomach." اس کے ساتھ ساتھ ونیلا کو مغرب میں aphrodisiac بھی تسلیم کیا جاتا ہے۔ دنیا میں خوشبو سونگھنے کی نعمت سب سے زیادہ ایک خاتون ہیلن کیلر Helen Keller کو ودیعت کی گئی تھی وہ کہا کرتی تھی کہ مختلف اشخاص کو سونگھنے سے وہ بتلا سکتی تھی کہ ان کا پیشہ کیا ہے۔

خوشبو اور جانور

جانوروں کو مار کر خوشبو نکالنے کی رسم بہت پرانی ہے۔ جیسے ایشیا کے ہرن کے پیٹ کے اندر سرخ رنگ کا ایک مادہ ہوتا ہے جس سے مشک کی خوشبو تیار کی جاتی ہے۔ اسی طرح ایتھوپیا کے ملک میں پائے جانیوالی بلی جو گوشت خور ہوتی ہے اس کے جسم سے جو پرفیوم بنتا ہے اس کا نام Cat Civet ہے کینیڈا اور روس میں کے ممالک میں پایا جانیوالا جانور یعنی سگ آبی Beaver ہے اس کے جسم جو پرفیوم بنتا ہے اس کا نام Castoreum ہے۔

بعض پودوں میں سے اس قدر بدبو پیدا ہوتی ہے کہ چرند پرند ان سے دور رہنا ہی مناسب سمجھتے ہیں۔ جانوروں میں سے امریکہ اور کینیڈا میں پایا جانیوالا جانور Skunk ہے جو دفاع کے طور پر اپنی لمبی دم کے نیچے سے ناقابل برداشت بدبو کا سپرے کرتا جو کئی فٹ تک پہنچ جاتا ہے۔ راقم الحروف کے گیراج میں پچھلے سال رات کے وقت یہ جانور آگیا مگر باہر نکلنے میں اس کو جب دقت ہوئی تو اس نے سپرے کر دیا مگر خوش قسمتی سے میں کافی دور تھا اس لئے بچ گیا مگر گیراج میں سے بدبو جانے میں کئی ہفتے لگ گئے۔ جس کیمیکل کا یہ سپرے کرتا ہے اس سے بینائی کھونے کا احتمال ہوتا ہے۔ ایک دفعہ یہ سپرے کر دے تو ہوا کے رخ کے مطابق اس کی بدبو کافی دور تک پھیل جاتی اور نہایت دل آزار ہوتی ہے۔

کتوں میں جسمانی بو سونگھنے کی حس اس قدر پائی جاتی ہے کہ وہ اپنے مالک کی پہچان اس کو سونگھنے سے کر لیتے ہیں۔ امریکہ اور کینیڈا میں پولیس کے محکمہ نے بعض ایسے کتے پال رکھے ہیں جو افیون یا چرس چاہے وہ جہاں بھی چھپی ہو اس کو کھوج سے تلاش کر لیتے ہیں۔ ایسے کتے ائرپورٹس پر یہ کام بلا تمیز ٹھیک ٹھیک کرتے ہیں۔ چوروں یا ڈاکوؤں کو تلاش کرنے کیلئے یا اشیاء کو تلاش کرنے کیلئے بھی کتے استعمال میں لائے جاتے ہیں اور ان کے کسی چیز کو تلاش کرنے کا راز خوشبو یا بدبو میں ہے۔ پولیس اسٹیشن میں ایسے کتوں کے یونٹ کو وہ K-nine Unit کہتے ہیں۔ چمگادڑ اپنے بچے کو اس کی مخصوص جسمانی بو سے اس کو پہچانتی ہے۔ خرگوش میں سونگھنے کی اہلیت کا تجربہ تو ہم نے خود کیا۔ ہم نے اپنے گھر کے پچھلے حصہ میں موسم گرما میں گاجر کے بیج لگائے، جب گاجر نکل آئی تو کوئی خر

گوش ہر روز ہمارے بیک یارڈ میں آکر زمین میں دفن گاجر نکال کر کھاتا رہا کیونکہ اس کو اس کی خوشبو دور تک پہنچ جاتی تھی۔

آج سے تیس سال قبل سائینسدانوں کا خیال تھا کہ پرندوں میں خوشبو سونگھنے کی زیادہ اہلیت نہیں ہوتی ہے۔ مگر جدید تحقیق کے مطابق پرندوں میں سے درج ذیل پرندوں کے دماغ میں olfactory lobes اتنے ڈی ویلوپ ہو گئے ہیں کہ وہ سونگھ سکتے ہیں albatross, petrels ,the kiwi and the American turkey buzzard. ۔ دیکھنے میں آیا ہے کہ ایک پرندہ جس کا نام Starling ہے وہ اپنا گھونسلہ بنانیکا فیصلہ مختلف اقسام کی لکڑیوں سے آنیوالی خوشبو سے کرتا ہے۔ اسی طرح دیکھنے میں آیا ہے کہ کتوں اور گھوڑوں میں اپنے مالک کے خوف زدہ ہونے پر وہ اس کا اندازہ خوف سے پیدا ہونے والی بو سے کر لیتے ہیں۔ بعض لوگ جب خوف زدہ ہوتے ہیں تو ان کی بغلوں سے جو پسینہ خارج ہوتا اس سے بہت ہی نا قابل برداشت بو آتی ہے۔ گدھیں مردہ جسم کی بو میل ہا میل سے سونگھ کر اس کے مقام کا تعین کر لیتی ہیں۔ بعض سمندری پرندے تو نیوی گیشن یعنی اپنے راستہ اور سفر کا تعین ہی سونگھنے سے کرتے ہیں۔ چھپکلی اپنی زبان سے سونگھتی ہے۔ اسی طرح گلہریاں جو غذا زمین کے اندر فوڈ سٹور کرنے میں مہارت رکھتی ہیں وہ seeds and nuts جیسے مونگ پھلی مہینوں پہلے زمین کے اندر دبا دیتی ہیں مگر سردیوں میں بوقت ضرورت وہ اس کا تعین سونگھنے سے لگاتی ہیں کہ ان کو کہاں دفنایا تھا۔

شہد کی مکھی کے این ٹینا کے اندر chemo-receptors موجود ہوتے ہیں جن کی وجہ سے وہ خاص خاص پھولوں سے آنیوالی خوشبو کی وجہ سے ان پر زیادہ بیٹھتی ہے۔ دیکھنے میں آیا ہے کہ شہد کی مکھیاں اپنا چھتہ خوشبو سونگھ کر ہی تلاش کر لیتی ہیں۔ اگر کوئی شخص ان کے چھتہ کے قریب برے ارادہ سے جائے تو یہ دفاع کے طور حملہ کر کے ڈنگ مارتی ہے۔ اس رد عمل پر اس کے جسم سے خارج ہونے والی خاص قسم کی بو آتی ہے جس کو Alarm Pheromone کہتے ہیں یہ بو کیلے سے ملتی جلتی ہوتی ہے اس بو کے ہوا میں پھیلنے پر دوسری مکھیوں کو اطلاع ہو جاتی ہے کہ چھتہ خطرہ میں ہے اور وہ وہاں فوراً آجاتی ہیں۔ یہ فیرومون کپڑوں پر بھی گر جاتا ہے اس لئے اگر مکھی نے کاٹا ہو تو کپڑوں کو دھو لینا مناسب ہے۔ چھتہ کے اندر مکھیوں کی ملکہ جب سلسلہ جنبانی چلانا چاہتی ہے تو سیکس فیرومون جسم سے خارج کرتی ہے۔ چھتے کے اندر دوسری مکھیاں ملکہ کی پہچان اس سے آنیوالی منفرد خوشبو سے ہی کرتی ہیں۔

مذکر تتلیاں دور سے مؤنث تتلی کا اندازہ سونگھنے سے لگاتی ہیں اگرچہ ان میں سونگھنے کی اہلیت زیادہ نہیں ہوتی ہے۔ چوہوں میں بھی سونگھنے کی اہلیت شدید قسم کی ہوتی ہے وہ غذا اور مختلف گھروں میں موجود خفیہ راستوں کو سونگھ کر ہی تلاش کرتے ہیں۔ کینیڈا کے سب بڑے اخبار ٹورنٹو سٹار کی 20 ستمبر 2003ء کی اشاعت میں صفحہ نمبر L3 پر یہ خبر شائع ہوئی تھی کہ دار لسلام (تنزانیہ) سے 160 کیلو میٹر دور Sokoine University of Agriculture میں سائینسدان افریقن فربہ چوہوں کو اس

قسم کی ٹریننگ دے رہے ہیں کہ وہ زمین میں مدفون لینڈ مائینز کو تلاش کر سکتے ہیں۔ یہ چوہے ڈیڑھ کیلو گرام وزنی اور 76 سینٹی میٹر لمبے ہوتے ہیں۔ 300 کے قریب ایسے ہٹے کٹے چوہے یہ ٹریننگ لیبارٹری کے اندر لے رہے ہیں کہ ڈائینامائیٹ اور ٹی این ٹی کی خوشبو سے وہ لینڈ مائین کو تلاش کر لیں گے۔ ٹریننگ کے بعد ان کو مؤز نبیق کے ملک میں لے جایا جائیگا۔

پھر سالمن مچھلی Pacific salmon میں بھی سونگھنے کی حس بہت طاقتور ہوتی ہے۔ سالمن مچھلی اپنا راستہ کس طرح تلاش کرتی ہے یہ دیکھنے کیلئے کینیڈا کے ایک پروفیسر Hasler نے صوبہ برٹش کولمبیا کے پاس بحر اوقیانوس میں تین سو مچھلیوں کو پکڑ لیا پھر وہ ان کو اس جگہ پر لے گیا جہاں سے وہ آئیں تھیں ان میں سے نصف کے ناک روئی سے بند کر دیئے گئے اور ان سب کو چھوڑ دیا گیا۔ دیکھنے میں آیا کہ جن مچھلیوں کے ناک بند کئے گئے تھے وہ تو گم ہو گئیں مگر باقی اپنی منزل پر بخریت پہنچ گئیں۔ دیکھنے میں آیا ہے کہ سالمن مچھلی سمندر میں جس جگہ انڈے دیتی ہے وہ اس کی پہچان پانی کے بہاؤ کے خلاف خوشبو سونگھ کر لیتی ہے۔

الیکٹرانک نوز Electronic nose

خطرناک کیڑوں میں سے بھڑ ایسا کیڑا ہے کہ اس کو غذا کی خوشبو میلوں دور تک آجاتی ہے اور پھر وہ بھاگم بھاگ فوڈ پر حملہ آور ہو جاتا ہے۔ اس سال ستمبر میں ہم لوگ پارک میں پکنک منانے گئے جوں ہی فوڈ کے بیگ کھولے واسپ آنا شروع ہو گئے۔ گویا ان کا تو میلہ لگ گیا۔ برطانیہ کے اخبار ڈیلی گراف (16 دسمبر 2001) میں یہ رپورٹ شائع ہوئی تھی کہ ہالینڈ میں سائینسدانوں نے زمین کے اندر دفنائی ہوئی لینڈ مائینز کا کھوج لگائے کیلئے واسپ Wasp کو ٹریننگ دینا شروع کر دی ہے جو لینڈ مائینز کو ان کی خوشبو سے تلاش کر لیتے ہیں۔ واسپ کو تربیت دینے کیلئے صرف ایک گھنٹہ کی مشق کی ضرورت ہوتی ہے۔ ڈچ سائینسدانوں کا کہنا ہے کہ امریکہ کی جنوبی ریاستوں (جیسے فلوریڈا) سے لائی ہوئی ان واسپ کے اندر سونگھنے کی شدید اہلیت ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ اپنا شکار جلد تلاش کر لیتی ہیں۔ امریکہ میں بھی اس ضمن میں ریسرچ کا کام محکمہ دفاع کی ایڈوانس ریسرچ ایجنسی کے تحت واسپ پر تحقیقی کام ہو رہا ہے۔ یہ ایجنسی اب تک 30 ملین ڈالر اس خاص نوعیت کی ریسرچ پر خرچ کر چکی ہے۔ امریکی سائینسدانوں کو یقین ہے کہ واسپ کو کیمیکل اور بائیولاجیکل ویپنز) جیسے اینتھریکس (anthrax تلاش کرنے کیلئے استعمال کیا جا سکتا ہے۔

اوہائیو اسٹیٹ یونیورسٹی (کولمبس) میں سائنسدانوں نے الیکٹرانک نوز (کمپیوٹر سے بنا ہوا) ایجاد کیا ہے جو پنیر کی مختلف اقسام سے آنیوالی خوشبوؤں کو سونگھنے میں فرق کر سکتا ہے۔ ایسے بجلی کے ناک کی قیمت ایک لاکھ امریکی ڈالر ہے۔ یاد رہے کہ انسانی ناک جب دس منٹ تک خوشبوؤں کو سونگھتا رہے تو اسے چند منٹ کے وقفہ کی ضرورت ہوتی ہے مگر اس لیکٹرانک ناک میں یہ کمی نہیں پائی جاتی۔ ایک تجربہ میں جب سوس چیز کی پانچ اقسام کو سونگھنے کیلئے اسے دیا گیا تو اس نے ہر پنیر میں صحیح صحیح فرق بتلا دیا۔

پھولوں میں سے سب سے مقبول خوشبو گلاب کے پھول کی ہے۔ مشرقی ادویات میں گلاب کا عرق تو بطور دوائی کے بہت

کثرت سے استعمال ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ رومن بادشاہ گلاب کے پھول کے عاشق ہوتے تھے۔ گلاب کے پھول کی پتیوں کو وہ بستر پر سجایا کرتے تھے۔ بادشاہ پر پتیاں نچھاور کرنیکا عام رواج تھا۔ گلاب کے پھولوں کے لوگ ہار بڑے اہتمام سے پہنا کرتے تھے۔ عورتوں کے بالوں میں گلاب کے پھول سجاوٹ کے طور پر لگائے جاتے تھے۔ حتٰی کہ روم میں پرانے زمانہ میں ایک سرکاری تعطیل ایسی تھی جس کا نام روزالیہ Rosalia تھا۔ ہندو پاکستان میں چنبیلی کے پھول کی خوشبو تو انسان کو مسحور کر دیتی ہے۔ اس کی خوشبورات کے وقت میل ہا میل تک پھیل جاتی ہے۔

جوں جوں انسان عمر رسیدہ ہوتا جاتا ہے اس میں سونگھنے کی حس کمزور ہوتی جاتی ہے۔ جو لوگ ایلزہائمر کے موذی مرض میں مبتلا ہو جاتے ہیں وہ یاد داشت کھونے کے ساتھ ساتھ سونگھنے کی اہلیت سے بھی محروم ہو جاتے ہیں۔ سونگھنے کی حس مردوں کی نسبت عورتوں میں تیز ہوتی ہے۔ خاص طور پر عورتوں میں male pheromones سونگھنے کی اہلیت حیض کے ایام کے دوران تو کم ہو جاتی ہے مگر اس کے بعد تیز ہو جاتی ہے۔ ایک تجربہ میں بہت سارے مردوں اور عورتوں کو ٹی شرٹ سونگھنے کیلئے دی گئیں، دیکھا گیا کہ ہر عورت نے اپنے شوہر کی قمیض سونگھ کر پہچان لی۔ مردوں کے پسینہ میں ایک خاص قسم کی بو ہوتی ہے جسے androstenol کہتے ہیں بعض عورتوں کو یہ بہت اچھی لگتی ہے۔

ایک تجربہ میں چالیس سال کی عمر سے اوپر کے مردوں کو خاص کولون دیئے گئے تو دیکھا گیا کہ ان میں tension, depression, anger, fatigue & confusion کم ہو گئے۔ یہی تجربہ جب عورتوں پر کیا گیا تو اس کے بھی خاطر خواہ نتائج نکلے۔ مغرب میں بعض نوجوان لڑکیاں musk پرفیوم کا استعمال یہ سوچ کر کرتی ہیں کہ یہ بہت سیکسی ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ عورتوں میں اس خوشبو کو سونگھنے کی اہلیت ایک ہزار گنا زیادہ ہوتی ہے۔ مصنوعی پرفیوم 98 فی صد پانی اور الکحل ہوتا ہے۔ صرف دو فی صد تیل اور پرفیوم کے مالی کیول اس میں شامل ہوتے ہیں۔ مغرب میں بننے والے چند ایک معروف پرفیوم اپنے نام سے اپنی تعریف خود کرتے ہیں یعنی اسم با مسمٰی ہیں :

Poison, Obsession, My Sin, Opium, Tabu, Youth Dew. دیکھنے میں آیا ہے کہ بعض ڈاکٹروں میں سونگھنے کی حس بہت تیز ہوتی ہے۔ مریض سے جس قسم کی بو آرہی ہو اس سے ڈاکٹر لوگ اندازہ لگا لیتے ہیں کہ وہ کس مرض کا شکار ہے۔ سکندر اعظم کے بارہ میں کہا جاتا ہے کہ اسے بھی پرفیوم اور اگربتی کی خوشبو بہت پسند تھی۔ خاص طور پر اسے زعفران بہت ہر دلعزیز تھی۔

خوشبو سے تشخیص

پھولوں میں سے خوشبو کو نکالنے کا سہرا اسلامی دنیا کے سب سے عظیم طبیب حکیم ابن سینا کے سر باندھا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ابن سینا سونگھ کر بیماریوں کی تشخیص بھی کیا کرتے تھے جیسے مریض کے پیشاب میں سے آنیوالی بُو سے اس کے مرض کی

تشخیص کیا کرتے تھے۔

جالینوس اور بقراط کے بارہ میں بھی کہا جاتا ہے کہ وہ انفیکشن کے علاج کیلئے پرفیوم کا استعمال تجویز کرتے تھے۔ بقراط کے زمانہ میں جب ایتھنز میں پلیگ پھیلی تو اس نے اگر بتیاں جلانیکا کا مشورہ دیا تھا۔ سترھویں، اٹھارویں اور انیسویں صدیوں میں یوروپ میں خوشبو تمام نفسیاتی بیماریوں جیسے ہیسٹیریا، می لانکولیا، سر درد اور زکام کیلئے استعمال کی جاتی تھی۔ خوشبو ہر تہذیب، کلچر اور ہر سوسائٹی میں خاص مقام رکھتی ہے۔ جاپان میں ایک زمانہ میں ایسی گھڑیاں بنائی جاتی تھیں جو ہر پندرہ منٹ بعد مختلف قسم کی اگر بتی جلاتی تھیں۔

خوشبو کے فوائد

خوشبو کے استعمال کا سب سے بڑا فائدہ کشش اور جاذبیت ہے۔ انسان نے نوع بہ نوع تدابیر سے اپنی شخصیت کو پر کشش بنا نیکی ہر ممکن کوشش کرتا ہے۔ شاید پرفیوم کی ایجاد کے پیچھے یہی جذبہ کار فرما تھا۔ جو لوگ اسلام کے ازلی پیغام سے محروم ہیں وہ بھی زمانہ قدیم سے خوشبو کا استعمال کرتے آرہے ہیں۔ قیادت اور اعلیٰ صلاحیت کیلئے پر کشش شخصیت کا ہونا ضروری ہے اور پر کشش بننے کیلئے عمدہ کپڑوں کے ہمراہ خوشبو سونے پر سہاگے کا کام کرتی ہے۔ سرور کائنات، آقائے نامدار ﷺ نے خوشبو کے استعمال کیلئے واضح ارشادات فرما کر ہم سب کو پر کشش ہونیکا سنہرہ موقعہ فراہم کیا ہے۔ احادیث نبوی میں جمعہ اور عیدین کے موقعہ پر علی الخصوص خوشبو کے استعمال کو مستحسن قرار دیا ہے۔ ان مواقع پر لوگ آپس میں ملتے ہیں اور محبت و الفت کا ذریعہ بنتے ہیں لہذا ان مواقع پر خوشبو کا استعمال بہت ہی مفید ہے۔ بلاشبہ خوشبو انسان میں مقناطیسیت پیدا کرتی ہے۔ خوشبو کے استعمال سے روح اور دماغ کو فرحت و نشاط حاصل ہوتا ہے۔ جس کے نتیجہ میں پریشان خیالات اپنے مرکز فکر پر مرکوز ہو جاتے ہیں۔ نماز کی اصل روح توجہ الی اللہ ہے اس لئے عبادات اور نماز میں خوشبو کا التزام ہمیں ہمارے خالق کائینات کی جانب کامل توجہ، یک سوئی کا بہترین ذریعہ مہیا کرتا ہے۔

تمام اطباء اس بات پر متفق ہیں کہ خوشبو کا استعمال قلب و روح کیلئے مفرح ہے۔ مفرح کی تعریف یہ ہے کہ ایسی دوا جو روح قلبی کو صاف کرے اور بدن میں پھیل کر فرحت و انبساط پیدا کرے۔ اس لئے خوشبو مفرح قلب و روح ہے۔ اس ضمن میں شیخ الرئیس حکیم بو علی سینا کے چند اقوال درج کئے جاتے ہیں: خوشبو دار چیزیں قلب کو فرحت بخشتی ہیں۔ روح قلبی کو خوشبو کے ساتھ خاص مناسبت ہے۔ روح طبعی خوشبو سے قوت اور غذا حاصل کرتی ہے۔

ماہرین اطباء نے فرحت بخش دواؤں سے بہت سے مرکبات تیار کئے ہیں جو کہ نفسیاتی، قلبی، اور دماغی امراض جیسے خفقان، اختلاج قلب، ضعف قلب، فکر و تردد میں نفع بخش ثابت ہوتے ہیں۔ ایسے مرکبات میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں۔ مفرح اعظم، مفرح شیخ الرئیس، مفرح یاقوتی، خمیرہ گاؤزبان، خمیرہ آبریشم،

خوشبو کا ایک اور بہت ہی اہم فائدہ انسان کے اخلاقی صفات پر اس کی تاثیر ہے۔ اس تاثیر کو سمجھنے کیلئے عالم اسلام کے سب سے بڑے طبیب ابن سینا کی مایہ ناز تصنیف ادویہ قلبیہ کا مطالعہ از حد ضروری ہے۔ حکیم ابن سینا پہلے طبیب تھے جنہوں نے اخلاقی صفات جیسے لذت والم، نفرت ومحبت، کینہ وعداوت، بغض وعداوت، غیض وغضب، خیر وشر، یعنی تمام امراض نفسانیہ کو جسم انسانی کے اندر موجود اخلاط کی کمیت کا اثر قرار دیا ہے۔ انہوں نے ان امراض نفسانی کے ازالہ کیلئے طبی تدابیر بیان کی ہیں یعنی ازالہ اسباب اور تفریح قلب وروح۔ ان دونوں میں سے تفریح قلب وروح کیلئے انہوں نے خوشبو کو سرفہرست رکھا ہے۔ حکیم ابن سینا نے فرحت حاصل کرنے کیلئے جن دواؤں کا تذکرہ کیا ہے . ان میں بیشتر دوائیں خوشبودار ہیں مثلاً آملہ، ریحان، گل سرخ، زعفران، دار چینی، گل مختوم، مشک، سنبل الطیب، عنبر، عود، صندل، کافور، الائچی خورد وغیرہ۔ ان دواؤں کی افادیت اس وقت تک باقی رہتی ہے جب تک ان میں خوشبو قائم ودائم رہتی ہے۔

اروماتھراپی Aroma therapy کا آغاز 4500 ق م مصر میں ہؤا تھا جو کہ اس وقت ترقی یافتہ ملک تصور کیا جاتا تھا۔ اس میں خوشبودار پھولوں، پودوں، جڑیوں، بوٹیوں اور بیجوں سے بنے ہوئے روغنیات (oils) کو قلبی اور ذہنی عوارض کے علاج کیلئے استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کی ایک مثال امریکہ وکینیڈا میں مقبول عام دوا Vicks Vapor-rub ہے جو زکام کیلئے استعمال کی جاتی ہے یہ دوا کافور، مینتھول، اور یوکالپٹس درخت کے آئیل مکسچر سے تیار کی جاتی ہے۔ اس تھراپی کے ماہر کہتے ہیں کہ مذکورہ اشیاء سے بنے ہوئے تیل سے آنیوالی خوشبو سے یادداشت کو مہمیز لگتی ہے۔ مذکورہ اشیاء سے بنا ہؤا تیل کھال کے ذریعہ یا ناک کے راستہ جسم میں داخل ہوتا ہے اور پھر دماغ کو پہنچ کر یہ بیماری کو ختم کر دیتا یا پھر اس کی شدت میں کمی پیدا کر دیتا ہے۔

آئے اس خوشبودار مضمون کو اب اردو زبان کے چند دلآویز اشعار پر ختم کرتے ہیں :

تمہاری یاد کی خوشبو کا جب لمحہ مہکتا ہے — تو ایوان وفا کیا ہجر کا قریہ مہکتا ہے

ہے گلشن دل تیری ہی خوشبو سے معطر — پر پھول تیری یاد کے غنچے میں کھلا ہے

ہمیں نہیں عطر کی ضرورت کہ اس کی خوشبو ہے چند روزہ — بوئے محبت سے اسکی اپنے دماغ ودل کو بسائیں گے ہم

یہ مضمون ماہنامہ تہذیب الاخلاق علی گڑھ، مئی 2021 میں شائع ہؤا تھا۔
https://api.amu.ac.in/storage//file/10164/file_management/1616228154.pdf

()()()

(22)عہد وسطیٰ کے مسلمانوں کے جنگی ہتھیار

امیہ دور حکومت 661-750

برطانوی مصنف جان گلب John Glubbرقم طراز ہے :

"امیہ دور حکومت کی ملٹری کے بارے میں معلومات بہت کم دستیاب ہیں۔ تاریخی ذرائع سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمان فوج دفاعی جنگ لڑنا مناسب سمجھتے تھے۔ فوج کی ترتیب یوں ہوتی تھی۔ پیدل فوج میں لمبے نیزوں سے لڑنے والےpikeman ہوتے تھے جو جسموں پر شیلڈ لگا کر دفاعی دیوار بن جاتے تھے۔ اس کے بعد تلواروں والے سپاہی اور اس کے بعد آرچرز ہوتے تھے۔ اس طور پر وہ دشمن کے حملوں سے دفاع کرتے تھے۔ اس کی ایک مثال کوفہ میں شامی فوج کا خارجیوں کے خلاف اس طور پر لڑنا تھا۔ اسی طرح گھوڑ سواروں کو ہدایت کی جاتی تھی کہ وہ فل سپیڈ پر دشمن پر چارج نہیں کریں اور نہ ہی بے تحاشا دشمن کے تعاقب میں چلے جائیں۔ جب ایک دفعہ دشمن کی فارمیشن ٹوٹ جاتی تو گھوڑ سواروں کو اپنی اصل پوزیشن میں آنے کا حکم ہوتا تھا۔ ملٹری آپریشن کے دوران اس بات پر زور دیا جاتا تھا جرات اور بہادری یک لخت، ایک دم حملے میں نہیں بلکہ صبر کے ساتھ برداشت میں ہے۔"

جب گھمسان کی لڑائی ہوتی تھی تو عرب فوجیں دشمن کے انتظار میں چھپ کر انتظار کرتیں اور یک دم حملہ کر دیتی تھیں۔ رات کے اندھیرے میں فوجیوں کے دستے بھیجے جاتے تاکہ دشمن کی نقل و حرکت کا پتہ لگائیں۔ صبح کے وقت عرب فوج دشمن کے سامنے صف کر سینہ سپر ہو جاتی تھی۔ مناسب موقعہ ملنے پر فوجی دستے سامنے اور پیچھے سے حملہ کر دیتے تھے۔ اس جنگی داؤ پیچ کی خبر سب سے پہلے 640 میں ہونے والی ہیلیو پولس Heliopolis کی جنگ میں ملتی ہے جس کے سپہ سالار حضرت عمر ابن العاصؓ تھے۔

عرب فوجیں سرپرائز اٹیک کے خلاف تحفظ کیلئے ہر قدم اٹھاتیں۔ روانگی سے قبل سکاؤٹ اور جاسوس پہلے جا چکے ہوتے تھے۔ جب فوج مہم پر روانہ ہوتی تو سب سے آگے ایڈوانس گارڈ، پھر فلینک گارڈ، مین باڈی اور پھر ریئر گارڈ ہوتا تھا۔ جب یہ پتہ چل جاتا کہ دشمن اب پانچ دن کی مسافت پر ہے تو جھنڈے لہرانے شروع کر دیئے جاتے تھے۔ جھنڈے rallying pointہوتے تھے جو جنگ کا اہم جزو ہوتے تھے۔

بازنطینی فوجیوں کی نسبت عرب سپاہیوں کو زیادہ تنخواہ ملتی تھی۔ اس کو راشن بھی ملتا تھا اور جنگ کے بعد لوٹ مار سے بھی اس کو حصہ ملتا تھا۔ گرمیوں کے ایام میں بازنطینی علاقے پر حملہ اور بھی سود مند ہوتا تھا۔ بازنطینی فوجیوں کو کئی

کئی ماہ تنخواہ نہیں ملتی تھی مگر عرب فوجیوں کے ساتھ ایسا نہیں ہوتا تھا۔ ہر فوجی کی تنخواہ ہر سال 500 درہم ہوتی تھی۔ گھوڑ سواروں کو اس سے دگنی تنخواہ ملتی اگر وہ اپنے گھوڑے ساتھ لاتے تھے۔

فوجی کے ذاتی ہتھیاروں میں اسلام کے اولین ایام کے دور سے کوئی خاص تبدیلی نہیں آئی تھی۔ ہیلمٹ کے علاوہ زرہ بکتر Coat of chain mail ، گھوڑ سواروں کے ٹانگوں پر پنڈلی کی زرہ (ساق بند) ہوتی تھی۔ خلیفہ ولید عبد الملک ابن مروان (م715) کے عہد حکومت کے دوران فوجیوں کے اسلحہ میں maces & lances جو تری اور نیزا یا برچھی (لمباڈنڈا جس کا سر نوکیلا اور فولاد کا ہوتا) ہوتے تھے۔

جس قلعے کا محاصرہ مقصود ہوتا تھا اس کے لئے مہنگا ترین ساز و سامان درکار ہوتا تھا جیسے منجیق mangonels & catapults تا بھاری پتھروں کے گولے اور تیر دیواروں پر گرائے جا سکیں۔ آرٹلری کے ساتھ سٹون میسن ہوتے تھے جو پتھروں کو ضرورت کے مطابق تراشتے جو پہاڑوں سے لائے جاتے تھے۔ عرب افواج محاصرے کی جنگ siege warfare کے تمام ٹیکنیکل امور سے آگاہ ہوتے تھے۔ شہر یا قلعے کے بلند مضبوط دروازوں کو توڑنے کیلئے موٹے شہتیر سے بنی قلعہ شکن مشین battering rams استعمال کی جاتی تھی ۔ قلعے کی دیواروں کے نیچے & tunnels trenches سرنگیں اور خندقیں کھودی جاتی تھیں۔ ٹینٹ، ساز سامان، کھانے کی اشیاء، راشن اور آلات کیلئے اونٹ اور خچر استعمال کئے جاتے تھے۔

فصیلوں کی تعمیر پر بے شمار دولت خرچ کی جاتی۔ بازنطینی فرنٹ پر ٹاورس، عدانا، میساسا، مراش، ملاطیہ میں بڑی کو ہ شکن فصیلیں تھیں۔ بازنطینی کے بارڈر پر فصیلیں بنانے پر بے دریغ روپیہ خرچ کیا جاتا تھا۔ تاہم اس قسم کی فصیلیں خازرز کے خلاف، خراسان میں دفاعی عمارتیں بنائی جاتی تھیں۔ غرضیکہ عربوں نے قبائل کی جنگوں کو ترک کر کے جلد ہی جنگوں کے سائنسی طریقے اپنا لئے اور دو سو سال تک ٹیکنیکل اور پروفیشنل حساب سے دنیا کی سب سے بڑی پاور تھے۔

سمندر پر عربوں کی فوقیت شاید زمین کے لحاظ سے زیادہ تھی۔ یہ بات اس لحاظ سے عجیب ہے کہ 650 تک عرب سمندری جنگوں کے رموز سے بالکل نابلد تھے۔ پچاس سال تک یعنی AD700-650 بحری جہازوں کی نیوی گیشن دوسری قوموں کے افراد کرتے تھے جبکہ عرب ڈیک کے اوپر لڑنے مرنے کیلئے تیار ہوتے تھے۔ کیپٹن عموماً جو کہ لڑائی کا ذمہ دار ہوتا وہ عرب ہوتا تھا جبکہ رئیس جو نیوی گیشن کا ذمہ دار ہوتا تھا وہ عموماً لبنان یا مصر کا ہوتا تھا۔ 750 کے بعد تمام جہاز ران مسلمان ہوتے تھے ۔ مسلمانوں اور دوسری قوموں کے عملہ کے درمیان کسی قسم کا نسلی امتیاز نہیں ہوتا تھا۔ تمام عرب جہاز لبنان کی بندرگاہوں میں بنائے جاتے جو بازنطینی جہازوں کی نقل ہوتے تھے۔ ان بحری جہازوں

کی پروپلشن چپوؤں سے کی جاتی تھی۔ بڑے جہازوں میں دونوں ڈیک کے اوپر 100، ملاح ہوتے تھے جو 25 سیٹوں پر بیٹھے ہوتے تھے ہر سیٹ پر دو۔ بعض جہازوں میں اوپر کی ڈیک سپاہیوں سے بھری ہوتی جبکہ کشتی ران اس سے نیچے کی ڈیک پر ہوتے تھے۔ ایک دفعہ دشمن کے جہاز پر قبضہ ہو جاتا تو پھر لڑائی تلواروں سے ہوتی تھی۔ بحیرہ روم میں عربوں کی فوقیت چار سو سال تک رہی۔

نویں صدی کے وسط میں عرب بحری جہاز سیلون، انڈیا جاوا، اور سماٹرا سے ہوتے چین جاتے تھے۔ بمبئی کے قریب عرب تاجروں کی کالونی تھی جہاں ان کی فیکٹری تھی۔ عرب جہاز راں افریقہ کے ساحل سے بھی واقف تھے۔ عرب تاجر گھانا (پرانا نام گولڈ کوسٹ) سے سے سونا لاتے تھے۔

فن حرب پر کتابیں

یعقوب الکندی (م870) نے اپنی تصنیف عربی رسائل میں 25 قسم کی تلواروں کے بارے میں قیمتی معلومات مہیا کی تھیں جو اس نے خلیفہ المعتصم (م840) کی فرمائش پر بنائی تھیں۔۔ ابو ریحان البیرونی (م1048) نے اپنی کتاب الجماہر فی معرفت الجواہر میں ایک باب تلواروں پر مختص کیا ہے۔ کتاب مقامات الحریری میں جو ڈایاگرامز ہیں وہ یحییٰ بن محمود واسطی (م1237) کی بنائی ہوئی تھیں۔

بارہویں صدی سے لے کر چودھویں صدی تک مسلمان عالموں نے فن حرب اور آلات حرب پر متعدد جامع مقالہ جات سپرد قلم کئے۔ کہا جاتا ہے کہ ان مقالہ جات کے رقم کئے جانے کی وجہ صلیبیں جنگیں تھیں۔ مگر اس کے ساتھ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ مسلمان اندلس اور بازنطین کے علاقوں میں مغرب کی اقوام کے خلاف کئی سالوں سے جنگ آزمارہ چکے تھے۔ مملوک بادشاہوں کو فنون حرب سے خاص دل چسپی تھی نیز منگولوں کے عرب ممالک پر حملوں کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

فن حرب پر مقالہ جات تین قسم کے تھے۔ (1) فروسیہ یعنی گھوڑ سواری (2) تیر اندازی (3) فن حرب بشمول جنگی تنظیم اور آلات حرب پر۔ عالم اسلام کے علاوہ دنیا کی بڑی معروف یونیورسٹیوں لائبریریوں میں اس موضوع پر پچاس کے قریب تصانیف موجود ہیں۔ اس تصانیف کی اکثریت عملی کتابوں manuals کی ہے تا ان لوگوں کی رہ نمائی کی جاسکے جو سپاہیوں کو بھرتی کرنے کے ذمہ دار تھے۔

(1) علم فروسیہ (ہارس مین شپ) کے موضوع پر سب سے اہم کتاب شام کے نجم الدین الرماح (م1294) نے زیب قرطاس کی تھی۔ کتاب کا پورا نام تھا کتاب الفروسیہ والمناسب الحربیہ (گھوڑوں اور آلات حرب پر)۔ اس

کتاب کے تیرہ مسودات بشمول ڈایا گرامز کے دنیا کے مختلف ممالک میں محفوظ ہیں۔ یہ کتاب گھوڑ سواری کی مشقوں اور جنگ کے دوران سپاہیوں کی ترتیب (فارمیشن)، ٹورنامنٹ کی مشقوں، ملٹری آرگنائزیشن، ٹریننگ اور تھیوری پر تھی۔ یہ کتاب بعد میں تصنیف کی جانے والی کتابوں کیلیئے ماخذ تھی۔ اس نے نیزوں کا استعمال بتایا، بحری جنگ کا طریقہ، مواصلات کے طریقے، تیر کمان کا استعمال، محاصرے کا انجن، پائیر وٹیکنک کے نسخے۔

(2) الرماح کی دوسری کتاب کا نام نہایت الاصول ولامنیہ فی تعلم اعمال الفروسیہ ہے۔ حسن الرماح بارود بنانے میں شورے کا استعمال بنیادی بتایا۔ شورے کو صاف کرنے اور قلماؤ کے طریقے بتائے۔ کتاب میں گن پاؤڈر کے 107 کیمیائی نسخے دیئے گئے تھے۔ اور راکٹ بنانے کے 22۔ راکٹ کا نام اس نے طیار اور راکٹس کے لئے اس نے طیارات کا لفظ استعمال کیا۔

(3) محمد بن عیسیٰ الاقصرائے (م1400) نے اس ضمن میں نہایت الاصول والامنیہ کے نام سے جامع کتاب زیب قرطاس کی۔ اس کتاب کی متعدد مسودات موجود ہیں۔ فی الحقیقت اس کتاب کو مسلمانوں کی ملٹری آرگنائزیشن، تھیوری اور ٹریننگ پر سب سے عمدہ، جامع اور ٹھوس کتاب قرار دیا گیا ہے۔

(4) تیر اندازی پر کتابوں میں کمان کی مختلف اقسام، ان کے بنانے کے طریقے، ان کے استعمال کو بیان کیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ مشہور و معروف کتابوں اور ان کے فن کا ذکر کیا گیا تھا۔ تیر اندازی پر فارسی میں اول ترین کتاب آداب الحرب و الشجاع لکھی گئی تھی جس کا مصنف فخر مدبر تھا۔ اس نے یہ کتاب دہلی کے سلطان شمس الدین التمش (وفات1236) کے نام معنون کی تھی۔ تیر اندازی پر عربی میں پہلی کتاب طیبوغا بکلامیشی (Taybugha al-وفات Baklamishi 1394) نے قلم بند کی تھی۔

(5) فن حرب اور آلات حرب میں قلعوں کی تعمیر، محاصرے کی مشینیں (منجنیق)، نیزے بنانا، جاسوسی کرنا، سپاہیوں کی ترتیب، جرنیلوں کی اقسام اور ان کے خواص،
فوجیوں کیلیئے عارضی خیمے، نوکدار لکڑیوں کی باڑ، بنانا شامل ہوتا تھا۔ اس ضمن میں نہایت عمدہ کتاب تبصرات ارباب الباب فی کیفیات النجات فی الحروب تھی جو مرداب بن علی طرطوسی کے اشہب قلم سے نمودار ہوئی تھی۔ یہ تصنیف منیف 1187 میں سلطان صلاح الدین ایوبیؒ (م1187) کے لئے خاص سپرد قلم کی گئی تھی۔

(6) تذکرہ الحراویہ الحیال الحربیہ کو زیب قرطاس کرنے والا علی ابن ابی بکر الحراوی (وفات1214) تھا-al Harawi's admonition regarding war stratagems۔ الحراوی کا خاندان ہیرات (افغانستان) سے تھا جس کی وفات حمص (الیپو، شام) کے قلعہ میں ہوئی جو اس کیلیئے صلاح الدین ایوب کے بیٹے نے بنوایا تھا۔ اس نے اسلامی

دنیا کے اسفار کئے اور جہاں جاتا دیواروں پر اپنا نام لکھ دیتا تھا (graffiti)۔

گھڑ سواروں کا رسالہ:

ساتویں صدی میں بازنطینی فوج میں گھڑ سواروں کا رسالہ جنگ کے دوران سب سے اہم اور بنیادی ہوتا تھا۔ آغاز اسلام کے وقت عرب افواج کی ایرانی افواج کے ساتھ مڈھ بھیڑ ہوئی تو ایرانی افواج میں گھڑ سواروں کے متعدد بہ رسالے تھے۔ یرموک اور قادسیہ کی جنگیں دراصل پیدل فوج نے ہی جیتی تھیں۔ مگر اس کے بعد جب حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت 634-644 میں گھوڑوں کی فراوانی ہوگئی تو آپ نے تمام ممالک سے گھوڑے جمع کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ اس کے نتیجے میں کوفہ شہر میں چار ہزار گھوڑے جمع ہوگئے اور شمالی شام میں گھوڑوں کی چراگاہ کے لئے وسیع میدان کا انتخاب کیا گیا۔ حضرت عمر بن العاصؓ کی فوج جس نے مصر فتح کیا تھا وہ زیادہ تر گھڑ سواروں پر مشتمل تھی۔ ابو موسیٰ کی خوزستان کی 642 میں اساورہ کا بڑا ہاتھ تھا۔ اس سے معلوم ہوتا کہ مسلمانوں کی افواج میں غیر مسلم سپاہی نے کیا کارنامے سر انجام دیئے تھے۔ اس کے بعد خراسانیوں، بربر اور ترکش سپاہیوں کو اسلامی افواج میں شامل کرنا از بس ضروری ہو گیا۔ ان اقوام کے سپاہی اپنے ساتھ جنگ کے طریقے، داؤ پیچ اور اسلحہ ساتھ لے کر آئے تھے۔ جس سے مسلمانوں کی افواج کو بہت فائدہ ہوا۔

مملوک فوجیوں کے پاس اسلحہ میں درج ذیل ہتھیار ہوتے تھے: تلوار، نیزہ، کمان، ڈھال، pike یعنی لمبے ڈنڈے جن کی نوک میں فولاد لگا ہوتا تھا۔ یہ مذکور نکیلا ڈنڈا گھوڑے کی چمڑے سے بنی رکاب میں لگا ہوتا جبکہ نیزہ ایک ہاتھ میں دونوں ہاتھوں میں تھاما جاتا تھا۔ قاہرہ کے قلعہ کے اندر ملٹری سکول تھا جہاں طباق میں تربیت دی جاتی تھی۔

یہ تربیت بہت کڑی اور ہر طور پر مکمل ہوتی تھی۔ گھڑ سوار کی تربیت میں یہ بھی شامل تھا کہ اگر گھوڑا بیمار پڑ جائے تو اس کی نگہداشت کیسے کرنی ہے۔ مزید برآں کمان اور نیزے کے استعمال کی تربیت بنیادی قرار دی جاتی تھی۔ فارس کے لئے لازمی تھا کہ وہ نشانہ پر مختلف زاویوں سے لگائے اور پھرتی سے حملہ آوار ہو سکے۔ مملوک سپاہی کے لئے تلوار کا استعمال بنیادی تھا۔ مملوک سپاہیوں کی سخت، مشقت والی تربیت ہی تھی جس کی وجہ سے انہوں نے عیسائی، اور منگول حملہ آوروں پر فتح حاصل کی تھی۔

سپاہیوں کے ہتھیار

مسلمان سپاہیوں کا سب سے اہم ہتھیار تلوار ہوتی تھی جو پیادہ اور گھڑ سوار سپاہی دونوں استعمال کرتے تھے۔ تلواروں کے بھی نام ہوتے تھے۔ تلوار ذاتی دفاع یا ایک ایک سپاہی کی لڑائی میں استعمال ہوتی تھی۔ تلواروں کی لمبائی،

ان کا بنانا اور ان کی صورت وہیئت ہر اسلامی ملک میں مختلف ہوتی تھیں۔ عرب میں کسی قبیلہ کے پہچان اس کی تلوار کی لمبائی سے ہوتی تھی۔ مدور تلوار scimitar کا استعمال چودھویں صدی میں شروع ہؤا تھا۔ تلوار کے بلیڈ (نسل) کی ایک تیز دھار (شفرہ) ہوتی تھی جو 2 سینٹی میٹر کے قریب ہوتی تھی۔ دھار کا مدور حصہ مضراب کہلاتا تھا کیونکہ اس حصہ سے نشانے پر زد لگائی جاتی تھی۔ تلوار کا پیچھے والا حصہ (متن) مضراب کی دوسری طرف ابھرا ہوتا تھا۔ تلوار کے قبضہ (مقبد) میں دستہ (سیلان) ہوتا تھا۔ حضرت ابو بکرؓ کے دور خلافت میں جنگ یمامہ (عربیہ 632) میں اسلامی فوج کے دشمنوں مسیلمہ کذاب کی فوج کے پاس ہندوستانی تلواریں تھیں۔ یمن اور دمشق کی تلواریں اپنے طور پر مشہور تھیں۔ دمشق میں تلواریں مقامی کانوں سے نکالے گئے فولاد سے بنی ہوتی تھیں۔

نبی پاک ﷺ کی پاس بھی نو قسم کی تلواریں تھیں جن کے نام یہ تھے: السیف الماثور، السیف الرسوب، السیف البتار، السیف الحطف، السیف القلعی، السیف ذوالفقار، السیف المخزم، السیف القضب، السیف العضب۔

عہد وسطیٰ میں جو تلواریں اسلامی ممالک میں استعمال ہوتی تھیں ان کے نمونے دنیا کے عجائب گھروں (وی آنا، لندن) میں پائے جاتے ہیں۔ توپ کاپی میوزیم استنبول میں موجود چند تلواروں کی تفصیل یہ ہے: خلیفہ معاویہ کی سیدھی تلوار۔ خلیفہ عمر عبد العزیز کے نام کی تلوار۔ ایک تلوار جس کے اوپر امیہ خلیفہ ہشام عبد الملک کا نام کندہ ہے۔ ایک تلوار جس پر تین خلفا کا نام کندہ ہے معاویہ، عمر بن عبد العزیز، اور ہارون الرشید۔ عباسی خلیفہ معتصم کی تلوار جس کی حکومت منگول حملہ آوروں نے ختم کی۔

(بحوالہ عبد الرؤف نوشہروی، سائنس ٹیکنالوجی اور اسلام، صفحہ 162)

اسلامی تلواروں کی چند اقسام یہ تھیں فلیسا (Flyssa)، کسکارا (Kaskara)، کھندہ (Khanda) یہ ہندی تلوار تھی، خلیج (khalij) ترکی کا خنجر، نیمشا (Nimsha) عربی چھوٹا خنجر، پلوار (pulwar) ہندی خنجر، قما (Qama) مسلم جارجیا کی تلوار، غدارہ (Ghadara) کاکیشیا میں مستعمل ایرانی تلوار، خنجر (Sabre) سیف عربی تلوار، خمدار تلوار scimitar، شمشیر ایرانی تلوار، ششقہ کاکشیشن اقوام کی تلوار، شاٹل (Shatel) ایبی سینا کی دو دھاری تلوار، ٹکویا افریقن صحارا کی تلوار، تلوار ہندوستان میں مروج اکثر خمدار۔

(بحوالہ عبد الرؤف نوشہروی، سائنس ٹیکنالوجی اور اسلام، صفحہ 164-166)

اسلامی ممالک میں آہنی سرے والا نکیلا نیزہ بھی بطور ہتھیار کے استعمال ہوتا تھا۔ تلوار قدرے مہنگی ہوتی تھی جبکہ نیزہ سستا ہوتا تھا۔ بعض نیزے لکڑی کے بنے ہوتے جن کے کونے پر فولاد لگا ہوتا تھا۔ جو نیزے بانس سے بنے

ہوتے ان کو قنات کہا جاتا تھا۔ نیزوں کی لمبائی مختلف ہوتی تھی بعض ایک دو میٹر (سات فٹ) اور بعض ایک سات میٹر کے ہوتے تھے۔ نیزے کے تین حصے ہوتے تھے: متن) شافٹ(shaft ، سنان) سر(head، اور ثعلبہ) ساکٹ (socket جو شافٹ کے اوپر چڑھا ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ اسلامی فوج میں چھوٹا نیزہ javelin بھی ہوتا تھا جس کو دور تک پھینکا جا سکتا تھا۔ خنجر کپڑوں کے نیچے چھپا ہوتا تھا۔

تیر اور کمان

اسلامی فوج میں تیر اندازوں کو افضل مقام حاصل ہوتا تھا۔ تاریخ اسلام میں کئی ممتا ہستیوں کا ذکر آیا ہے جو تیر اندازی میں خاص مقام رکھتے تھے۔ جو لوگ تیر اور کمان بنانے کے ماہر ہوتے تھے ان کو بھی معاشرے میں عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ مغرب میں جو لکڑی کی کمان استعمال ہوتی تھی وہ عرب میں بھی استعمال میں تھیں۔ مصر میں جو کمان ہوتی تھیں ان کو کمپوزٹ کہا جاتا تھا۔ جب عربوں نے ایران فتح کیا تو اس کے بعد کمپوزٹ کمان اسلامی ہتھیاروں کا حصہ بن گئی۔ تیر لکڑی یا سرکنڈے سے بنائے جاتے تھے۔ تیر کے اوپر ہلکے ہلکے پر لگے ہوتے تھے تا ہوا میں مزاحمت کم ہو سکے۔ مسلمان تیر انداز اپنے انگوٹھے سے تیر چلاتے تھے جبکہ یورپ میں انگلی استعمال کی جاتی تھی۔ اس کے علاوہ تیر اندازوں کے ترکش (کنانہ) ہوتے اور انگوٹھے پر ڈھال یا انگوٹھی۔

میٹالرجی

میٹالرجی سائنس کی وہ برانچ ہے جس میں دھاتوں کے خواص، ان کی پروڈکشن، اور پیوری فیکشن کو بیان کیا جاتا ہے۔ اسلامی دنیا میں میٹالرجی نے اہم رول ادا کیا۔ سونا چاندی اور تانبے سے سکے بنانے کیلئے، آئرن اور سٹیل جنگی آلات، زرعی آلات اور ٹولز بنانے کے لئے، سیسا اور زنک برونز اور براس کے الائے alloys بنانے کیلئے، اور سیسہ وزن کے بٹے بنانے کیلئے استعمال ہوتا تھا۔ سونا، چاندی، سیسہ، لوہا، تانبا اور دیگر معدنیات کانوں سے نکال کر شہروں میں لائی جاتی تھیں۔ یہ پھر بڑے بڑے تندوروں میں پگھلائی جاتی تھیں۔ ذیگرو کا Zegro شہر سونا، چاندی، مرکری، بوریکس کے لئے مشہور تھا۔ چاندی، تانبا، اور سیسے کے لئے افغانستان، تانبے کے لئے قبرص، لوہے کے لئے اناطولیہ اور بلوچستان مشہور تھے۔ دھاتوں کو پگھلا کر کھانے پینے کی برتن اور ہتھیار بنائے جاتے تھے۔ دمشق کے کندے اور کھانے کی ٹریز یورپ میں مقبول عام تھیں۔ الکندی اور البیرونی نے مائننگ ٹیکنالوجی اور میٹالرجی پر رسالے رقم کئے تھے۔ البیرونی نے مغرب میں سونے کی کانوں کا ذکر کیا تھا۔ ایک مغربی مصنف اس بارے میں لکھتا ہے :

They (Muslims) invented siege machines derived from Roman technology, and made use of artillery. Their advance command of chemistry made them the first to use

gunpowder, besides the connon balls, their projectiles included incendiary bombs and vitriol devices. (Jean Mathe, Civilization of Islam, page 26)

محاصرے کی مشینیں

منجنیق Mangonel/ trebuchet کا استعمال اسلامی افواج میں بارہویں صدی میں شروع ہؤا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کی ایجاد کسی مسلمان انجنیئر نے کی تھی۔ اس کے ذریعہ دور پھینکے جانے والے میزائیل 230 کیلو گرام کے ہوتے اور یہ 300 میٹر دور تک پھینکے جاسکتے تھے۔ تیرھویں صدی میں یہ اسلامی ایجاد اس قدر عام تھی کہ کبلائی خاں نے چین میں اس کو فان چینگ کے خلاف استعمال کیا تھا۔ ملٹری انجنیئرز، منجیق اور دیگر محاصرے کے مشینوں کے انچارج ہوتے تھے۔ چرخ کمان Crossbow کا استعمال بارہویں صدی میں شروع ہو چکا تھا۔ چرخ کمان سے متعدد تیر دشمن کی طرف پھینکے جاسکتے تھے۔ یوں دشمن سمجھتا کہ قلعہ کا دفاع کئی فوجی کر رہے ہیں۔

قلعہ بندی

طلوع اسلام سے قبل عرب میں قلعہ بندی کی کوئی روایت نہیں تھی۔ صرف طائف شہر کے اطراف میں دیواریں تعمیر کی گئی تھیں۔ چنانچہ عربوں نے ہمسایہ ممالک کو فتح کیا جہاں قلعہ بندی کی جاتی تھی انہوں نے ان کی تقلید میں قلعہ بندی کے طریقوں کا استعمال اپنالیا۔ رفتہ رفتہ جب بازنطینی، مغرب اور اسلامی ممالک میں کراس فرٹی لائزیشن ہوئی تو ہر ایک نے دوسرے سے دفاع، محاصرے کی تکنیکوں کو اپنالیا تا دفاع کے طریقوں کو پہلے سے بہتر بنایا جاسکے۔ اکثر اسلامی شہروں کے گرد فصیل ہوتی تھی جس کے سامنے خندق کھودی گئی ہوتی تھی۔ فصیل پہلی لائن آف ڈی فنس ہوتی تھی۔ بعض برج (ٹاورز) بھی بنائے جاتے یا پھر قلعہ دیواریں موٹی موٹی ہوتی تھیں۔ اسلامی قلعہ بندی کی ایک مثال رباط (ملٹری ٹاؤن) ہوتا تھا جس کے ارد گرد جاں نثار فوجی تعینات ہوتے تھے۔ رباط ساحلی علاقوں اور ملکوں کی حدوں پر تعمیر کئے جاتے تھے۔

ملٹری کمیونی کیشن

اسلامی فتوحات کے اولین دور میں ملٹری کمیونی کیشن اونٹ سواروں کے ذریعہ ہوتی تھی۔ بنوامیہ کے دور حکومت میں پوسٹل سسٹم (برید) شروع ہو چکا تھا۔ یہ نظام عباسی دور حکومت میں اپنے عروج کو پہنچ گیا۔ ایران کو لے جانے والے پیغامبر خچر پر سفر کرتے جبکہ باقی ممالک کے لئے گھوڑے یا اونٹ استعمال ہوتے تھے۔ ایران میں بو وید حکمراں کبوتر بھی بطور قاصد کے استعمال کرتے تھے۔ مملوک حکمراں جب منگولوں کے خلاف شمالی سرحدوں پر نبرد آزما تھے تو خطرے کی گھنٹی دمشق، پالمیرا، نابلس، غازہ میں اونچے مقامات پر چراغ روشن کئے جاتے تھے۔ شام اور مصر میں

کبوتروں کے لئے برج (ٹاورز) تعمیر کئے گئے تھے۔

آتشیں اسلحہ اور گن پاؤڈر

اسلامی فتوحات کے آغاز میں ہی آتشیں اسلحہ کا استعمال شروع ہو گیا تھا۔ ایسا اسلحہ بازنطینی فوجوں کے خلاف استعمال کیا گیا تھا۔ عباسی افواج میں آتشیں سپاہیوں کا خاص دستہ ہوتا جس کا نام نافطون تھا۔ ایسے فوجی فائر پروف لباس زیب تن کر کے آتشیں ہتھیار پھینکا کرتے تھے۔ عربی میں نفط کا لفظ پٹرولیم کے علاوہ آتشیں مادہ کے لئے بھی استعمال ہوتا تھا۔ مائع پیٹرولیم جو ایران، عراق میں وافر مقدار میں پایا جاتا تھا چونے اور سلفر کے مکسچر کو پانی سے ملنے پر رد عمل کرتا تھا۔ یعنی چونے، سلفر اور نفط کا مکسچر۔ کشید کیا ہوا نفط آتشیں اسلحہ کے نسخہ میں بنیادی جزو ہوتا تھا۔ مگر شورہ (پوٹاشیم نائیٹریٹ) بھی بعد میں کثرت سے استعمال ہونے لگا تھا۔ آتشیں اسلحہ کو پھینکنے کے لئے مختلف طریقے تھے ایک طریقہ زراقہ تھا جس میں پیتل کے پسٹن پمپ کے ایک کونے میں سے آتشیں مادہ (شہاب) باہر خارج ہوتا تھا۔ پائپوں کے ذریعہ پیتل کا ایک بکس جو نفط سے لبریز ہوتا پمپ سے جوڑ دیا جاتا تھا۔ امریکی مصنف جان فری لی کا کہنا ہے :

Muslim armies were equipped with incendiary weapons and other methods of chemical warfare devised by alchemists, all of which are described in Islamic treatises on military technology and the art of war.
(John Freely Light from the East, New York, 2011, page 119)

گرینیڈ اور آتشیں برتن

گن پاؤڈر بنانے کی ترکیب الرماح نے دی جو سالٹ پیٹر، چارکول اور سلفر کے مکسچر سے بنتا تھا۔ گن پاؤڈر جس قسم کے برتنوں میں سٹور کیا جاتا تھا وہ بعض ایک چھوٹے اور بعض ایک بڑے ہوتے تھے۔ ان کے لئے متعدد ملٹری اصطلاحیں استعمال کی جاتی تھیں۔ ایک کا نام قرض تھا جو گلاس یا مٹی کا بنا ہوتا۔ صلیبی دور کے بہت سے گرینیڈ جو مصر، فلسطین اور شام کے جنگی علاقوں سے ملے ہیں ان کی صورت ایروڈائی نامک aerodynamic ہے۔ ان میں کسی شورہ ہوتا تھا۔ بڑی سائز کے آتش انگیز برتن کا نام قدر Qidr تھا جس کو منجیق mangonels کے ذریعہ پھینکا جاتا تھا۔

نجم الدین حسن الرماح ملٹری سائنس کا پروفیسر (الاستاذ) تھا جس نے "کتاب الفروسیہ والمناصب الحربیہ" سپرد قلم کی تھی۔ اس نے کتاب میں تارپیڈو بنانے کی ڈایاگرام دی جس کی صورت انڈے یا ناشپاتی جیسے تھی اور پانی میں تیرتے ہوئے دشمن کی بحری جہاز کو تباہ کر سکتا تھا، یہ شیٹ آئرن کا بنا ہوتا تھا۔ اس میں گن پاؤڈر اور آتش انگیز مادہ بھرا ہوتا تھا۔ اس کو نشانے تک لے جانے کیلئے دو یا تین راکٹ استعمال کئے جاتے تھے۔ اس کی کتاب جلد ہی یورپ پہنچ گئی اور سفید اقوام تارپیڈو بنانے لگیں۔

الرماحal-Rammah کی کتاب کی طرح لکھی گئی ملٹری سائنس پر دیگر کتابوں میں پورٹیبل توپ Cannon کا بھی ذکر ملتا جو منگولوں کے خلاف استعمال کی گئی تھی۔ ایسی توپ گھڑ سوار رسالہ کے خلاف استعمال کی جاتی تھی۔ سپاہی کے نیزے میں گن پاؤڈر، جبکہ سپاہی نے فائر پروف ہیلمٹ، فائر پروف لباس زیب تن کیا ہوتا تھا۔ سپاہی کے گھوڑے پر بھی فائر پروف چادر ڈالی جاتی تھی۔ صلیبی جنگوں کے واقعات سے پتہ چلتا کہ مسلمانوں نے فرنگیوں کے خلاف توپ استعمال کی تھی۔ المنصورہ میں ہونیوالی ساتویں صلیبی جنگ 1250 میں اسلامی افواج نے فرنچ بادشاہ کنگ لوئیس نہم کی افواج سے لڑائی کے دوران راکٹ استعمال کئے تھے۔

الرماح کی تصنیف کتاب الفروسیہ میں پوٹاشیم نائیٹریٹ کے قلماؤ اور ملاوٹ سے پاک کرنے کا نسخہ بھی دیا گیا تھا۔ گن پاؤڈر شورے کے بغیر نہیں بنایا جا سکتا تھا۔ کتاب میں بارود بنانے کے 70 نسخے دیئے گئے ہیں۔ بارود عام طور پر شورے، گندھک، اور کوئلہ سے بنایا جاتا تھا۔ فیوز بنانے اور اس کی اقسام بھی بتائی گئی تھیں۔

توپ اور راکٹ

شہنشاہ جلال الدین اکبر کے دور حکومت میں فنانس منسٹر اور مشہور موجد، انجنیئر فتح اللہ شیرازی (م1582) کی اہم ترین ایجادات میں دو توپیں تھیں۔ پہلی ایک نال کی توپ کی خصوصیت یہ تھی کہ یہ قلیل وقت میں ایک مقام سے دوسرے مقام تک ٹرانسپورٹ کی جا سکتی تھی۔ اس میں سے بہ یک وقت 12 راؤنڈ نکلتے تھے اور اس کے ہر حصے کو الگ الگ کر کے ضرورت کے وقت جلدی میں جوڑا جا سکتا تھا۔ دوسری توپ 17 نالوں کی تھی جس میں 17 نالوں کو ایک قطار میں جوڑ دیتے تھے تاکہ وہ دشمن کی نقل و حرکت پر تیزی سے ایک کے بعد ایک فائر کر کے دشمن کو پسپا کر دے۔ یہ توپ قلعوں کی موٹی دیواروں کو توڑنے کے کام آتی تھی۔ (زکریا وِرک مسلمانوں کے سائنسی کارنامے صفحہ 514)

نظام الدین شاہ عبدالغنی کے فرمان پر محمد بن حسن رومی نے 1585 میں ایک توپ بنائی جو 14 فٹ 13، انچ لمبی، اس کا ڈایا میٹر 5 فٹ 12، انچ، اور اس کا وزن 1120 من تھا۔ یہ توپ مختلف دھاتوں سے بنائی گئی تھی۔ اس کا نام ملک میدان تھا اور اب بھی بیجاپور میں نمائش کے لئے رکھی ہوئی ہے۔ (ورک، مسلمانوں کے کارنامے صفحہ 528)

امریکہ میں رہنے والے ایرانی مؤرخ اور کثیر کتابوں کے مصنف سید حسین نصر نے اپنی کتاب Islamic Science - an illustrated study مغرب میں شائع ہونیوالی عربی کتاب میں دو مشینوں کی ڈایاگرام دی ہیں جو توپیں بنانے کے لئے استعمال ہوتی تھیں۔ ایک مشین کی ڈایاگرام بھی دی ہے جو مغل انڈیا میں توپ بنانے کے لئے استعمال کی گئی تھی۔

آتش گیر مادے کو ٹرانسپورٹ کرنے کیلئے راکٹ استعمال کئے جاتے تھے۔ ایک قسم کے راکٹ کا نام سہم یعنی تیز ترین تھا۔ بارود کے فیوز اور گرینیڈ کو راکٹ کی لانچ سے پہلے شعلہ زن کر دیا جاتا تھا۔ ایک راکٹ جس کو سہم طولیٰ کہتے تھے اس کے ڈیزائین میں اس کے دونوں طرف پتوار تھے تا کہ اس کو گائیڈ کر سکیں۔ اس راکٹ میں 218 گرام کاغذ، 280 گرام بارود بھرا ہوتا تھا جو نصف کلو گرام وزن کے راکٹ کو نشانہ تک لے جا سکتا تھا۔ بعض صورتوں میں یہ واپس بھی آ سکتا تھا۔ ایک راکٹ کا نام طیار (اڑنے والا) تھا۔ جبکہ طیار طولیٰ (لمبے فاصلے والا) 468 گرام کاغذ، اور قدر بارود استعمال ہوتا تھا۔ اس کو مجنون بھی کہتے تھے۔ تیسری قسم کے راکٹ کا نام فتاش تھا جس کے پنکھ یا پتوار چمڑے کے ہوتے، یہ پتنگ کی طرح پرواز کرتا اور اس کے ذریعہ آتش انگیز مادہ قلعوں اور بحری جہازوں پر گرایا جاتا تھا۔

کتابیات

1. Ahmad Hassan, Islamic Technology, UNESCO, Paris, 1986

2. Donald Hill, History of Engineering in Medieval Times, London 1984

3. John Glubb, The Empire of the Arabs, London, 1963, pp 193-195

4. Michael Morgan, Lost History, National Geographic, Washington, 2007, pp 173-175

5. Islamic Science - Illustrated study, English, 1976, page 149

زکریا ورک، مسلمانوں کے سائنسی کارنامے، کتابی دنیا، گلی نواب مرزا، ترکمان گیٹ نئی دہلی، 2011

عبد الرؤف نوشہروی، سائنس ٹیکنالوجی اور اسلام، فیروز سنز لاہور، 1996

()()()

(23)مسلمانوں نے امریکہ کو کیا دیا؟

دسمبر 2015ء کے شروع میں امریکی سیاست دان ڈونلڈ ٹرمپ Donald Trump نے یہ اشتعال انگیز بیان دیا کہ امریکہ میں مسلمانوں کی آمد پر وقتی طور پر پابندی لگادی جانی چاہیئے۔ پھر نومبر 2016 میں جب مسٹر ٹرمپ صدر امریکہ بن گئے تو انہوں نے سات مسلمان ممالک شام، صومالیہ، عراق، ایران، لبیا، سوڈان، یمن، کے شہریوں کے امریکہ ہجرت کر کے آنے پر سفر کی پابندی لگادی۔ ان کے اس احمقانہ اقدام کی وجہ سان برناڈینو میں 14، افراد کے قتل کا افسوس ناک، اور دردناک واقعہ تھا جس میں دو پاکستانیوں نے اس بہیمانہ قتل عام میں حصہ لیا تھا۔ لیکن یہ ہرزہ سرائی ری پبلکن پارٹی کے صدارتی امیدواروں کی طرف سے روز اول سے جاری ہے۔ اس سے پہلے موصوف یہ بھی ارشاد فرچکے ہیں کہ وہ صدر بن کر مساجد ختم کر دیں گے جہاں نوجوانوں کو شدت پسندی کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اور یہ بھی کہہ چکے ہیں کہ امریکہ سے مسلمانوں کو بے دخل کرنے پر سنجیدگی سے غور کیا جائیگا۔ ہر مذہب، ہر کمیونٹی سے تعلق رکھنے والے زعماء نے اس بیان کی شدت سے تردید کی تھی۔ ٹورنٹو کے ایک سٹی کونسلر نے مطالبہ کیا تھا کہ ڈاؤن ٹاؤن میں واقع ٹرمپ ٹاور سے اس کا نام مٹادیا جائے۔ ایک دفعہ مسٹر ٹرمپ نے کانگریس کے چار ممبرز کو طعنہ دیا کہ وہ اپنے ملک واپس چلے جائیں حالانکہ وہ یہاں پیدا ہوئی ہیں سوائے ایک کے جس کی پیدائش صومالیہ میں ہوئی تھی۔

مگر ایسا لگتا ہے کہ موصوف کو اپنے وطن کی تاریخ میں زیادہ دل چسپی نہیں ہے۔ اگر وہ امریکی مسلمانوں کی سنہری خدمات سے آگاہ ہوتے تو ہرگز ایسا بیان نہ دیتے، جس کے دینے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اخبارات، ٹیلی ویژن میں مفت پبلسٹی حاصل کی جائے۔ آئے ذرا دیکھیں مسلمانوں نے امریکہ میں کیا خدمات سر انجام دی ہیں کہ وہ اس معاشرے کا اٹوٹ حصہ بن چکے ہیں۔

امریکہ کا قیام

امریکہ کے قیام کے روز اول سے ہی مسلمان اس کا حصہ رہے ہیں۔ برٹش گورنمنٹ کے خلاف امریکہ نے جو جنگ جارج واشنگٹن کی سرکردگی میں لڑی تھی اس میں ایک مسلمان بمپٹ محمد Bampet Muhammad بھی تھا جس نے ورجینیا لائن کیلئے 1775-83 کے دوران جنگ میں عملی طور پر حصہ لیا تھا۔ اسی طرح یوسف بن علی جو نارتھ افریقن مسلمان تھا اس نے جنگ میں شرکت کی تھی۔ بعض مؤرخین کا کہنا ہے کہ پیٹر بک منسٹر Peter Buckminster بھی مسلمان تھا جس نے وہ توپ چلائی تھی جس سے برطانوی میجر جنرل جان پٹ کئرن John

Pitcairn بنکر ہل کی لڑائی میں اس دنیا سے رخصت ہوا تھا۔ اس کے بعد پیٹر نے بیٹل آف ساراٹوگا Battle of Saratoga اور بیٹل آف سٹونی پوائنٹ میں حصہ لیا تھا۔ امریکن مسلمانوں نے امریکہ کے پہلے صدر کی قیادت میں جنگوں میں حصہ لیا اس کو اس بات پر کوئی اعتراض نہیں تھا کہ اس کی فوج میں مسلمان بھی ہیں۔ جارج واشنگٹن یہ ثابت کرنا چاہتا تھا کہ محب وطن امریکی ہونے کیلئے یا امریکی فوج میں داخل ہونے کسی کے مذہب یا کسی کی کلچرل بیک گراؤنڈ کا جاننا ضروری نہیں تھا۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ جب امریکہ نے آزادی کا اعلان کیا تو سب سے پہلے مسلمان ملک مراکش نے اس کو تسلیم کیا تھا۔ دونوں ممالک نے 1786ء میں امن اور دوستی کے معاہدے پر دستخط کئے تھے جو کہ امریکہ کی تاریخ میں سب سے طویل ترین معاہدہ ہے جس کو ایک بار بھی نہیں توڑا گیا۔ اس موضوع پر تفصیل سے کتاب Thomas Jefferson Quran میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمان انجنیئر اور ٹرمپ ٹاورز Trump Tower

ٹرمپ ٹاور امریکہ کینیڈا کے تمام بڑے شہروں میں تعمیر ہو چکے ہیں۔ شکاگو شہر میں موجود ٹرمپ ٹاور شاید وجود میں نہ آسکتا اگر بنگلہ دیشی فضل الرحمن نے سٹرکچرل انجنیئرنگ میں کمال نہ دکھایا ہوتا۔ فضل الرحمن کو Einstein of Structural Engineering کا خطاب دیا گیا ہے۔ اس نے ٹیوب فریمز کا سٹرکچرل سسٹم ایجاد کیا جس کی وجہ سے سکائی سکریپرز کی تعمیر آسان ہو گئی۔ نیز اس ایجاد کے بعد ہائی رائز بلڈنگوں کی تعمیر میں سٹیل کے استعمال کی ضرورت کم ہو گئی۔ ورلڈ ٹریڈ سینٹر کے دو ٹاور اگرچہ تباہ ہو چکے ہیں مگر ان کی تعمیر فضل الرحمن کی ایجاد سے ممکن ہوئی تھی۔ شکاگو کا سئیرز ٹاور SEAR'S اور جان ہین کاک سینٹر John Hancock Centre بھی فضل الرحمن کے مرہون منت ہیں۔ سئیرز ٹاور شکاگو کے 108 منزلیں اور 1451 فٹ اونچا ہے۔ فضل الرحمن کی وفات 1982ء میں ہوئی تھی مگر اس کی وفات کے بعد تعمیر ہونے والی سکائی سکریپرز اس کی اختراع پسندی کی یادگار ہیں۔ جیسے ملواکی کا US Bank Centre، اور منی آپلس میں ہیوبرٹ ہمفری میٹروڈوم، ائر فورس اکیڈیمی کولوراڈو۔ ان سب کی تعمیر میں فضل الرحمن نے سٹرکچرل انجنیئر کے طور پر کام کیا تھا۔

آٹو پارٹس کا ٹائی کون Tycoon

شاہد خان امیریکن ڈریم کی چلتی پھرتی تصویر ہے۔ پاکستان میں پیدا ہونے والا شاہد خان امریکی بلین ائیر اور بزنس ٹائی کون ہے جو 16 سال کی عمر میں یہاں آیا تھا تاکہ یونیورسٹی آف شکاگو میں تعلیم جاری رکھ سکے۔ شاہد خان کا کہنا ہے

امریکہ پہنچنے کے پہلے روز اس کو 1.20$ فی گھنٹہ کے حساب ڈش واشر کے طور ملازمت مل گئی جو کہ پاکستانی سٹینڈرڈ کے حساب سے بہت زیادہ تنخواہ تھی۔ یونیورسٹی میں تعلیم مکمل کرنے کے بعد اس نے آٹو پارٹس کا بزنس شروع کیا جس کا سال کا بزنس اس وقت 4.9$ billion ہے۔ مئی 2015 میں اس کی نیٹ ورتھ 5.9$billion تھی۔ برطانیہ میں اس کی شہرت اس لئے ہے کہ وہ فٹ بال کی ٹیم Fullham FC کا مالک ہے۔ اسی طرح وہ امریکی فٹ بال ٹیم Jacksonville Jaguars کا بھی مالک جو اس نے 760$million ڈالر میں خریدی تھی۔ کار پارٹس کا بزنس Flex-N-Gate کہلاتا ہے جس کی وجہ سے وہ دنیا کا 360 واں امیر ترین انسان، اور امیر ترین پاکستانی ہے۔ چند سال قبل فوربس Forbes میگزین نے اس کی تصویر اپنے سرورق پر شائع کی تھی۔ اس کے علاوہ مشہور مسلمان امریکن بزنس میں یہ ہیں: محمد الایرین (CEO PIMCO)، فؤاد الحبری (CEO Emergent Solutions)، فاروق کتھواری (CEO Ethan Allen)، عبد المالک مجاہد، پاکستانی امریکن صفی قریشی (CEO AST Research)

آئس کریم کون

آج سے 115 سال قبل 1904ء میں سینٹ لوئیس ورلڈ فیئر منعقد ہؤا تھا۔ ایک آدمی جو اس موقعہ پر آئس کریم بیچ رہا تھا اس کی ڈشز کم ہو گئیں۔ میلے میں آنیوالے افراد اب آئس کریم کیسے کھائیں گے؟ کیا وہ اپنے ہاتھوں میں آئس کریم ڈال کر ہاتھوں کا چاٹتے رہیں؟ خوش قسمتی سے آئس کریم کی دکان سے اگلی دکان میں شام سے آیا ہؤا مہاجر ارنسٹ ہموی Ernest A. Hamwi کام کر رہا تھا جو وافل کی طرح شیرینی (جلیبی کی شکل کا) زلابیا فروخت کر رہا تھا۔ اس نے وافل کو کون کی شکل میں ڈھال دیا اور اس میں آئس کریم ڈال دی۔ یوں دنیا کی پہلی آئس کریم کون دریافت ہوئی جس کو کھایا بھی جا سکتا تھا

https://www.idfa.org/news-views/media-kits/ice-cream/the-history-of-the-ice-cream-cone

مریضوں کے مسیحا

امریکہ میں دیکھا گیا ہے کہ اکثر ڈاکٹر ہندوستانی نژاد ہوتے ہیں۔ اسی طرح مسلمان ڈاکٹر بھی ہزاروں کی تعداد میں امریکہ میں پائے جاتے جن کے بغیر شاید کتنے ہی مریض موت کا نشانہ بن چکے ہوتے۔ کسی امریکی ہسپتال میں چلے جائیں وہاں آپ کو ضرور کوئی نہ کوئی پاکستانی کارڈیالوجسٹ مل جائیگا۔ ایسے ماہر اور کامیاب ڈاکٹروں میں سے ایک ڈاکٹر ایوب امیہ (1930-2008) ہے۔ میاں چنوں پاکستان میں پیدا ہونے والے اس نیورو سرجن نے 1963ء میں intraventricular catheter system ایجاد کیا جس کے ذریعہ دماغ میں سے پانی اور دیگر مائع نکالے جا سکتے یا کیمو

تھیراپی کی دوائیاں وہاں پہنچائی جاسکتیں۔امیہ ریزروائرOmmaya Reservoir کے ذریعہ برین ٹیومر کا علاج کیا جاتا۔امیہ نے سب سے پہلے ٹراؤما سکور شروع کیا جس کے ذریعہ traumatic brain injury کو کلاسی فائی کیا جاتا ہے۔کانگریس مینLehman سے اس کی دوستی کی وجہ سے نیشنل سینٹر فار پری انجری پریوینشن اینڈ کنٹرول قائم ہوا تھا۔یہ صرف ایک مسلمان ڈاکٹر کی کہانی ہے ورنہ ایسے ہزاروں اور بھی ہیں جو امریکہ میں طبی ایجادات اور دریافتیں کر چکے ہیں۔شاید کسی روز مسٹر ٹرمپ ذہنی یا جسمانی طور پر بستر علالت پر پڑ جائیں تو ان کا علاج کوئی مسلمان ہی کرے گا۔

ڈپلومیسی اور سیاست

مس فرح انور پانڈتھ،Farah Pandith(ولادت سرینگر کشمیر1968ء) پبلک سپیکر اور گلوبل ایڈوائزر ہے۔ وہ سابق امریکی صدر جارج ڈبلیو بش کی ایڈمنسٹریشن میں مڈل ایسٹ انیشا ایٹو کی ڈائریکٹر تھیں، اس کے بعد سٹیٹ ڈی پارٹمنٹ میں یورپ میں مسلمانوں سے مفاہمت کی ایڈوائزر تھیں۔ہلری کلنٹن کے دور میں وہ مسلمان ممالک کیلئے وہ انوائے تھی۔کلنٹن کے ذکر میں ہما عابدین(ولادت 1976)کا ذکر بھی ہو جائے۔مشی گن ریاست کے شہر کالامازو میں پیدا ہونیوالی46 سالہ ہما عابدین عرصہ سے ہلری کلنٹن کی سٹاف میں شامل رہی ہیں۔جب ہلری سیکرٹری آف سٹیٹ تھی تو اس وقت ہما ڈپٹی چیف آف سٹاف تھی۔ہما، ہلری کلنٹن کی2016ء کی امریکی صدر کے انتخاب کیلئے مہم کی ٹیم کی وائس چیئر مین تھی۔2012ء میں پانچ ری پبلکن کانگریس ممبرز نے شکایت کی کہ ہما عابدین کے غیر ملکی شدت پسندوں کے ساتھ روابط ہیں۔تحقیقات کے بعد اس چیز کی شدت سے تردید کی گئی تھی۔ہما عابدین کی بیوگرافی Both/And: A Life in Many Worlds, پچھلے سال2021 شائع ہوئی تھی۔امریکن کانگریس کا پہلا مسلمان Keith Ellison تھا جو بارہ سال تک ممبر رہنے 2007-2019 کے بعد سبکدوش ہو چکا ہے۔اس وقت وہ اپنی ریاست کا اٹارنی جنرل ہے۔ اور ظالمے خالدزاد عراق اور افغانستان میں امریکی سفیر رہ چکا ہے اور طالبان کے ساتھ امن مذاکرات کا امریکی لیڈر رہا ہے۔

ناانصافی کیلئے لڑائی

امریکہ میں جب غلامی ختم ہو گئی تو بہت سارے افریقن امیریکن بڑی تعداد میں بڑے شہروں کی طرف رخ کرنے لگے۔مگر شہروں میں رہائشی انتظامات اور ملازمت نہ ہونے کے باعث انہوں نے ghettos میں رہنا شروع کر دیا۔ ان حالات میں بعض افریقن امریکن دانش وروں نے یہ کہنا شروع کیا کہ ہمیں اپنے آباؤاجداد کے مذہب پر دوبارہ کاربند ہو جانا چاہئے۔پچاس اور ساٹھ کی دہائی سیاہ فام امریکیوں کو نیشن آف اسلام کے میلکم لٹل (1925-65little)نے اپنی

تقاریر سے بہت متاثر کیا جو بعد میں میلکم ایکس کے نام سے مشہور ہوا تھا۔ الحاج ملک الشہباز میلکم نے اپنا نام لٹل Littleبدل دیا کیونکہ یہ اس کا غلامی والا نام تھا۔ اس نے نسلیت پسندی کے خلاف علم بلند کیا۔ اس کے مخالف ڈاکٹر مارٹن لوتھر تھا جو سول رائیٹس کے حق میں اشتعال پسندی کے خلاف تھا۔ آج امریکہ میں سیاہ فام میلکم ایکس کے طفیل جملہ حقوق کے حقدار قرار پائے ہیں۔ یہ سب ایک مسلمان کے ذریعہ ہوا تھا جس نے ان کو سیاسی آگہی بخشی کہ امریکہ کا صدر ایک سیاہ فام باراک حسین رہ چکا ہے جس کا والد مسلمان تھا۔

سپورٹس ہیروز

امریکی صدر اوبامانے سان برناڈینو کے وحشیانہ قتل کے بعد وائٹ ہاؤس سے اپنی تقریر کے دوران کہا تھا: مسلمان ہمارے سپورٹس ہیروز ہیں۔ اس کے جواب مسٹر ٹرمپ نے کہا تھا اوباما کن ہیروز کی بات کر رہے ہیں؟ چلئے یہ جاننے کیلئے ہم مسٹر ٹرمپ کی مدد کرتے ہیں۔ اس ہیرو کو Luisville lip کہا جاتا ہے، وہ تین بار ورلڈ ہیوی ویٹ باکسنگ چمپئن رہا تھا۔ اس نے 1965 میں اپنا عیسائی نام تبدیل کر کے محمد علی رکھ لیا تھا۔ مسٹر ٹرمپ کیا آپ کو اب یاد آگیا، یہ وہی محمد علی ہے جس نے آپ کو 2007ء میں محمد علی ایوارڈ دیا تھا۔ مئی 2015ء میں آپ نے محمد علی کے ساتھ اپنی ساتھ فیس بک پر فوٹو لگائی اور کہا یہ میرا دوست تھا۔ اور اب کہتے ہیں مسٹر اوباما کس سپورٹس ہیرو کی بات کرتے ہیں؟ یہاں بات ختم نہیں ہوتی ہم یہاں باسکٹ بال کے چند مزید ہیروکا نام لئے دیتے ہیں: شکیل او نیل، کریم عبد الجبار، حکیم اللہ جان Hakeem Olajuwon، شریف عبد الرحیم، محمود عبد الروؤف، مصطفی فراخان، نذر محمد، رشید والس، امریکن فٹ بال کے مشہور کھلاڑی: عیسیٰ عبد القدوس، امیر عبد اللہ، حمزہ عبد اللہ، احمد رشاد، روشان سلام، عاقب طالب، اسامہ ینگ، عبد الحاج، افرائم سلام، ظاہر حکیم۔ اور آخر پر سب سے نوجوان باکسر مائیک ٹائی سن جس نے 20 سال کی عمر میں WBC, WBA and IBF heavyweig کے ٹائیٹل جیتے تھے۔ اس کے علاوہ مشہور امریکی باکسر: برنارڈ ہاپکن، ایڈی مصطفی محمد، میتھیو سعد محمد، ہاشم رحمن، اس ضمن یہ ذکر کر دینا بھی ضروری ہے کہ امریکہ کے سپورٹس ٹیلی ویژن ESPN کا ایک سپورسٹس اینکر ٹورنٹو میں پیدا ہونیوالا عدنان ورک تھا جو اب میجر لیگ بیس بال میں اینکر ہے۔ اس نے فروری 2022 میں NBC – Peacock streaming پر بیجنگ اولمپکس کی اینکرنگ کی تھی۔

نوبیل انعام یافتہ مسلمان سائنسدان 1946-2016

مصر میں پیدا ہونیوالے امریکی پروفیسر احمد ذویل Zewail کو 1999ء میں کیمسٹری میں نوبیل انعام دیا گیا تھا۔ اس کو فادر آف فیمٹو کیمسٹری FEMTO کا لقب دیا گیا ہے۔ زویل کال ٹیک CALTECH میں پروفیسر آف

کیمسٹری اور فزکس تھے نیز فزیکل بیالوجی سینٹر کا ڈائریکٹر۔ وہ صدر اوباما کی کونسل آف ایڈاوئزرز آن سائنس اینڈ ٹیکنالوجی کے ممبر رہے۔ سائنس اور ہیومنٹی کیلئے اس کی سنہری خدمات کے اعتراف میں اس کے اعزاز میں ڈاک ٹکٹ جاری کئے جاچکے ہیں۔

سپورٹس ہیرو

سابق امریکی صدر اوباما نے ایک دفعہ کہا تھا کہ مسلمان ہمارے سپورٹس ہیرو ہیں؟ مسٹر ٹرمپ کو اس بیان سے بہت تکلیف ہوئی تھی۔ ایسے سپورٹس ہیروز میں سے ایک محمد علی تھا جس نے تین دفعہ ہیوی ویٹ باکسنگ چمپئین شپ جیتی تھی۔

مسلمان کامیڈین

امریکہ میں کامیڈین ہونا ایک باقاعدہ پروفیشن ہے۔ جو لوگ اس پروفیشن میں کامیاب ہوچکے ہیں وہ ملین ائیر بن چکے ہیں۔ ان کے نام کا ہر طرف چرچا ہے۔ وہ دنیا کے دوروں پر جاتے تاوہاں جاکر اپنے شو کر سکیں۔ ایسے کامیاب اور ہنگامہ خیز کامیڈینز میں سے ایک دین عبید اللہ ہے جس کے والد نے فلسطین میں جنم لیا تھا۔ پیشہ کے اعتبار سے دین عبید اللہ وکیل ہے۔ 2005ء میں اس کو کامیڈی ایوارڈ ملا تھا۔ وہ اخبار The Dean Report کا ایڈیٹر اور بانی ہے۔ امریکہ کے بڑے بڑے اخباروں جیسے نیویارک ٹائمز، واشنگٹن پوسٹ، لاس اینجلس ٹائمز، نیوزویک، ٹائم میں اس کے انٹرویو شائع ہوچکے ہیں نیز امریکہ تمام بڑے ٹیلی ویژن سٹیشنوں پر وہ انٹرویو دے چکا ہے۔ اس نے ایک ڈاکومنٹری بنائی The Muslims Are Coming جس میں مذہب کی آزادی کو موضوع بنایا گیا ہے۔

ایک اور کامیڈین عزیز انصاری ہے جس کی پیدائش ساؤتھ کیرولائنا میں تامل والدین کے یہاں 1983ء میں ہوئی تھی۔ اس کے والد ڈاکٹر ہیں۔ اس کا اپنا ویب سائٹ ہے azizansari.com ۔ اور پھر ڈیو شاپیل Dave Chappelle سیاہ فام کامیڈین، ایکٹر، سکرین رائٹر اور پروڈیوسر ہے۔ وہ 1998ء میں حلقہ بگوش اسلام ہؤا تھا۔ وہ اپنے مذہب کے بارے میں زیادہ اعلان نہیں کرتا کیونکہ اس کا کہنا ہے کہ میری غلطیوں اور بے راہ رویوں کو کسی کا خوبصورت مذہب اسلام سے منسوب کرنا نازیبا بات ہے۔ اس نے ٹائم میگزین کو 2005ء کے انٹرویو میں کہا تھا Islam is beautiful if you learn it the right way. اس کے علاوہ دیگر کامیڈینز کے نام درج کئے جاتے ہیں: احمد احمد، محمد عامر، معاز جبرانی، حسن منہاج، آصف مندوی، اظہر عثمان، میسون زید۔

رائٹرز: پروفیسر رضا اسلان، مونا التہاوی، صلادین احمد، سٹیفن شوارز، مائیکل وولف، فرید زکریا) نیوز ویک

ایڈیٹر، CNNہوسٹ، مصنف اور قلمکار)

ماڈلنگ: سپر ماڈل ایمان) وائف آف(David Bowie ، ریمافقیہ (مس یو ایس اے2010ء)

ٹیلی ویژن: مہمت آز (کارڈیالوجسٹ)، رضوان مانجی، اسعیا مصطفی، کامران پاشا، اقبال تھیبا۔

معروف سائنسدان اور موجد: عاصم اورہان باروت (وفات ۱۹۹۴)، علی جوان (ستمبر ۲۰۱۶)، فضل لرحمن خاں (ستمبر ۱۹۸۲) اسماعیل اکبے (۲۰۰۳) لطفی علی عسکر زادہ (۲۰۱۷)، فاروق الباز (پیدائش ۱۹۳۸)، ڈاکٹر مجیب الرحمن ملک ناسا (پیدائش ۱۹۵۱)، تان تیک چیلک (کمپیوٹر سائنٹسٹ Mozilla) ، مس پردیس ثابتی (جینیات دان) فیروز نادری (NASA JPL)

ڈاکٹر سلطانہ نور مہر (پیدائش ڈھاکہ)، عالیہ صبور (پیدائش ۱۹۸۹، کم ترین عمر والی پروفیسر)

باکسنگ: محمد علی، مائیک ٹائی سن۔

باسکٹ بال: شکیل او نیل، کریم عبد الجبار، حکیم اللہ جوان،

سپورٹس اینکر: عدنان ورک ESPN , نبیل کریم TSN Toronto

فلم: شہرے آغداشلو، (ایرانیان ایکٹریس)، مصطفیٰ عقاد، (ڈائریکٹر، پروڈیوسر) لوئیس آرکٹ (ایکٹر، پروڈیوسر)، سید بدریا (ایکٹر)، سعید طغماوی (ایکٹر)، ایکٹر مہر شالا علی جو دو دفعہ اکیڈیمی ایوارڈ اور گولڈن گولڈ ایوارڈ جیت چکا ہے۔ ٹائم میگزین نے اس کو 2019ے 100 انفلوانشل پیپل میں شمار کیا تھا۔ وہ پہلا مسلمان ایکٹر ہے جس نے 2017 میں آسکر ایوارڈ جیتا ہے۔

پاکستانی ایکٹر: عدنان صدیقی، دلشاد وڈسار یا، کمیل نانی جانی، عیاد اختر، عثمان علی، فاران ہارون طاہر، صائمہ چوہدری۔

میوزک: احمد جمال، احمد ارتگن Ertegun ، علی شہید محمد، بگ ڈیڈی کین، ڈی جے خالد، آئس کیوب، یوسف لطیف احمدی، بوسٹن جاز میوزیشن اور ایمی ایوارڈونر۔ اس کے علاوہ درجنوں راپر، سنگر، اور گٹارسٹ جیسے زیشان زیدی۔

()()()

(24) امریکہ میں مسلمانوں کا روز افزوں اثر ورسوخ

امریکہ کی وفاقی حکومت میں جون 2021 میں ایک مسلمان زاہد قریشی کو فیڈرل جج مقرر کیا گیا ہے۔ جج زاہد کی ولادت پاکستانی والدین کے یہاں نیویارک سٹی میں ہوئی تھی۔ وہ دو دفعہ عراق میں پراسی کیوٹر کے طور پر متعین رہ چکا ہے جہاں اس کو کیپٹن کا عہدہ دیا گیا تھا۔ اسی طرح فیڈرل ٹریڈ کمیشن کا چیئر مین لیناخاں (Leena Khan) کو مقرر کیا گیا ہے۔ لیناخاں کی ولادت لندن میں پاکستانی والدین کے یہاں ہوئی تھی مگر گیارہ سال کی عمر میں وہ امریکہ ہجرت کر کے آگئی۔ اس تقرری سے قبل لیناخاں کو لمبیا یونیورسٹی لاء سکول میں قانون کی پروفیسر تھی۔ اسی طرح رابرٹ صالح (ولادت 1979) کو امریکن فٹ بال نیویارک جیٹس ٹیم کا پہلا مسلمان ہیڈ کوچ جنوری 2021 میں مقرر کیا گیا ہے۔ صالح نیشنل فٹ بال لیگ NFL کی تاریخ میں پہلا مسلمان کوچ ہے۔ صالح اور اس کی بیوی ثناء کے چھ بچے ہیں۔ اس کے آباءواجداد کا تعلق لبنان سے ہے۔

رامی یوسف (ولادت 1991) کامیڈین، ایکٹر اور رائیٹر ہے۔ اس کو اس کی فلم "رامی" پر گولڈن گلوب ایوارڈ اور پی باڈی ایوارڈ 2020 Golden Globe and a Peabody Award دیا گیا تھا۔ ماہر شالہ علی Mahershala Ali پہلا مسلمان ایکٹر ہے جس کو اکیڈیمی ایوارڈ اس کی فلموں مون لائٹ اور گرین بک میں اعلی درجہ کی بے مثال ایکٹنگ کی وجہ سے دیا گیا تھا۔

امریکہ کی کانگریس کا پہلا مسلمان کانگریس مین کیتھ ایلے سن Keith Ellison تھا جس کا انتخاب 2007 میں ہؤا تھا۔ وہ ڈیٹرائٹ میں 1963 میں اس دنیا میں قدم رنجہ ہؤا تھا۔ وہ بارہ سال تک کانگریس کا ممبر رہا اور اس وقت ریاست منی سوٹا کا اٹارنی جنرل ہے۔ اس لحاظ سے وہ ریاست کا پہلا مسلمان اٹارنی جنرل ہے۔

کانگریس کی دو ممبرز رشیدہ حبیب طالب) ولادت (Rashid Tlaib 1976 اور الحان عمر ہیں۔ رشیدہ کا انتخاب ڈیٹرائٹ کی 31st ڈسٹرکٹ سے 2019 میں ہؤا تھا۔ کانگریس کا ممبر منتخب ہونے سے قبل وہ مشی گن ایوان نمائندگان کی ممبر رہ چکی تھی۔ جس وقت رشیدہ کانگریس کی ممبر منتخب ہوئی اس وقت امریکہ کی مختلف ریاستوں کی قانون ساز اسمبلیوں میں دس مسلمان تھے۔ کسی ریاست کی اسمبلی میں سب سے پہلے ممبر جمیلہ ناشید (میسوری) تھی یوں رشیدہ طالب دوسری مسلم خاتون ممبر تھی۔ رشیدہ کا تعلق ڈیموکریٹک پارٹی سے ہے۔ چودہ بہن بھائیوں میں سے وہ سب سے بڑی ہے۔ اس کے آباء اجداد فلسطین سے امریکہ آئے تھے۔ وہ ڈانلڈ ٹرمپ کے عرصہ صدارت کے دوران اس پر کڑی تنقید کیا کرتی تھی اور برملا کہتی تھی کہ اس کو impeach کیا جائے۔ وہ اسرائیلی حکومت پر سخت تنقید کرتی ہے اور کہتی ہے کہ امریکہ کو اسرائیل کی امداد بند کر دینی چاہئے۔

جمیلہ ناشید (born Janice Willimiams b. 1972) کا انتخاب ریاست میسوری سے ہؤا، اور وہ چھ سال تک

(2007-2013) اسمبلی کی ممبر رہی تھی۔ اس نے سینٹ لوئیس شہر کے میئر کیلئے الیکشن لڑا مگر خود ہی اپنا نام واپس لے لیا۔ الحان (صحیح نام الہام ولادت 1982) عمر Ilhan Omar کا کانگریس کے لئے انتخاب 2019 میں ہؤا تھا۔ اس سے قبل وہ منی سوٹا ریاست کی ایوان نمائندگان کی تین سال تک نمائندہ رہی تھی۔ الحان پہلی صومالی افریقن عورت ہے جو کانگریس کی ممبر بنی ہے۔ وہ ہمیشہ ٹرمپ کی تنقید کا نشانہ رہی ہے۔

اندرے کارسن Andre Carson دوسرا مسلمان کانگریس مین ہے پہلا کیتھ ایلی سن تھا۔ اندرے کی ولادت 1974 میں ہوئی اور اس کا انتخاب انڈیانا ریاست سے 2008 میں ہؤا تھا۔ اس کی دادی جولیا کارسن بھی کانگریس کی ممبر رہ چکی تھی۔ کارسن صوفی شاعر جلال الدین رومی کی شاعری، اور میلکم ایکس کی سوانح عمری سے اس قدر متاثر تھا کہ وہ حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔ اس نے دسمبر 2019 میں ٹرمپ کے خلاف impeachemnt کے دونوں آرٹیکلز کے حق میں ووٹ دیا تھا۔

مسلمانوں کی تعداد

امریکہ میں مسلمان یہاں کے لینڈ سکیپ کا جزو لاینفک بنتے نظر آرہے ہیں۔ اخبارات، ریڈیو، ٹیلی ویژن، سوشل میڈیا پر چھائے ہوئے ہیں۔ ملک کی ہر ریاست میں مسلمان پبلک اداروں میں نظر آتے ہیں۔ بیس سال قبل جب 9/11 کا واقعہ رونما ہؤا تھا اس وقت کی مسلم کمیونٹی اور آج کے دور کی مسلم کمیونٹی میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ اس وقت سیاہ فام امریکن مسلمان تعداد میں زیادہ تھے مگر آج کے دور میں امیگرنٹ مسلمانوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ بیس سال قبل امریکہ میں ایک ملین مسلمان تھے مگر آج ان کی تعداد امریکہ میں چار ملین کے قریب ہے۔ اس وقت مسلمان زیادہ تر ری پبلکن پارٹی کو ووٹ دیتے تھے چنانچہ جارج بش نے 2000 میں مسلمانوں کا 72٪ ووٹ حاصل کیا تھا۔ مگر 9/11 کے سانحہ بعد 2004 میں اس کی مسلمانوں میں سپورٹ صرف 7٪ رہ گئی اور زیادہ تر مسلمانوں نے جان کیری کو ووٹ دیئے تھے۔ سیاہ فام امریکن مسلمانوں کے لئے ان کی شناخت میلکم ایکس اور محمد علی باکسر کا لبرل اسلام تھا۔

ستمبر 2001 کے سانحہ عظیم کے بعد حالات نے پلٹا کھایا اور مسلمانوں کے خلاف دشمنی اور عداوت پورے شد و مد کے ساتھ سامنے آنے لگی۔ ملک کی مختلف ریاستوں میں نفاذ شریعت کے خلاف قوانین بنائے جانے لگے۔ 2007 میں 84٪ مسلمانوں نے رائے دی کہ وہ مسلمان ہونے کی وجہ سے نشانہ ستم بنے ہیں۔ جارج بش اور اوباما کے دور حکومت میں اسلامی ممالک سے امیگریشن زیادہ ہو گئی اور چالیس ہزار مسلمان ہر سال یہاں آئے۔ رفتہ رفتہ مسلمان پبلک لائف میں زیادہ نظر آنے لگے۔ سن 2000 میں امریکہ میں مساجد کی تعداد 1200 تھی جب گھروں میں نمازیں ادا ہوتی تھیں مگر اس وقت امریکہ میں 2769 مساجد ہیں۔ یہ بات دلچسپی کا باعث ہو گی کہ امریکہ میں پہلی مسجد Ross, North Dakota میں شام اور لبنان

سے آئے ہوئے مہاجرین نے 1929 میں تعمیر کی تھی۔ مرور زمانہ سے اصل مسجد 1979 میں مسمار ہو گئی تو 2005 میں اسی مقام پر نئی مسجد باقیات سے تعمیر کی گئی۔

ٹیلی ویژن پر مسلمان

علی ویلشی b. 1969 Ali Velshi پہلا اسماعیلی مسلمان ہے جس نے کسی کیبل کمپنی MSNBC میں اینکر کے فرائض انجام دیئے ہیں۔ وہ کئی سال تک CNN کا بزنس رپورٹر رہا۔ اگرچہ اس کی پیدائش نیروبی میں ہوئی مگر اس نے پرورش ٹورنٹو میں پائی تھی۔ اس کی مادر علمی کوئینز یونیورسٹی کنگسٹن نے اس کو ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگری دی تھی۔ علی نے نیویارک میں گراؤنڈ زیرو کے قریب مسجد اور کمیونٹی سینٹر کی کھل کر حمایت کی تھی۔ وہ ٹرمپ پر بھی کڑی تنقید کیا کرتا تھا۔ وہ دو پاپولر کتابوں کا مصنف بھی ہے۔

سپورٹس ٹیلی ویژن کے ضمن ایک معروف نام عدنان وِرک ہے جس کی ولادت 1978 میں ٹورنٹو میں پاکستانی والدین کے یہاں ہوئی تھی۔ امریکہ کے مشہور سپورٹس ٹیلی ویژن ESPN میں دس سال سپورٹس اینکر کے بعد اس وقت وہ میجر لیگ بیس بال MLB میں سپورٹس اینکر ہے۔ سپورٹس کے علاوہ وہ movie critic بھی ہے جس کے لئے اس کی پاڈکاسٹ کا نام CINEPHILE with Adnan Virk ہے۔ اس کی فٹ بال کی پاڈکاسٹ کا نام The GM Schuffle ہے۔ ٹیلی ویژن انڈسٹری میں ممتاز اور نامور نام فرید ذکریا کا ہے جو کئی کتابوں کا مصنف، نیوز ویک انٹرنیشنل کا ایڈیٹر اور سی این این کے پروگرام GPS کا ہوسٹ ہے۔ وہ خود کو سیکولر اور غیر عملی مسلمان کہتا ہے۔

حسن منہاج (ولادت کیلی فورنیا 1985) کامیڈین، رائیٹر، ٹیلی ویژن ہوسٹ، اور ایکٹر ہے۔ نیٹ فلکس پر اس کی کامیڈی Homecoming King کو دنیا بھر سراہا گیا ہے۔ اس کے والدین نجمی اور سیما علی گڑھ سے امریکہ آئے تھے۔ کامیڈی کے ضمن ایک اور کامیڈین دین عبید اللہ ہے جو کہ پیشہ کے لحاظ سے اٹارنی ہے۔ مگر وکالت کو چھوڑ کر وہ فل ٹائم کامیڈین بن گیا ہے۔ اس کی ولادت لودھی، نیو جرسی میں ہوئی۔ اس کے والد فلسطینی اور والدہ اطالین ہیں۔ وہ ہر دلعزیز پروگرام نیویارک عرب امیریکن کامیڈی فیسٹی ول کا بانی ہے۔ اس کا ایک پروگرام جو امریکہ کے مختلف شہروں میں کیا جاتا Stand Up for Peace ہے جس میں امن کے قیام کیلئے مسلمان اور یہودی ایکٹرز مل کر پرفارم کرتے ہیں۔

سیاست کے میدان میں

نومبر 2121 میں مشی گن ریاست کے ڈئر بارن شہر کے میونسپل انتخابات میں شہر کا پہلا عرب مسلمان میئر چنا گیا ہے۔ 31 سالہ نئے میئر کا نام عبد اللہ حمود ہے۔ اس سے پہلے وہ ریاست کی اسمبلی کا ممبر تھا۔ اس کے والدین لبنان سے ہجرت کر

کے امریکہ آئے تھے۔اسی طرح ایک اور شہر Hamtramck کے نئے میئر کا نام عامر غالب ہے۔

ثاقب علی میری لینڈ کی ریاست کی اسمبلی میں چار سال تک 2007-2011 ممبر رہا تھا۔ثاقب کی پیدائش شکاگو میں جنوری 1975 کو ہوئی تھی۔اس کے والدین کا تعلق ہندوستان اور پاکستان سے ہے۔اس کا کہنا ہے کہ ہمارے گھر میں سیاسی موضوعات پر گرما گرم بحث ہوتی تھی مگر جب مجھے معلوم ہوا کہ میرے رشتہ داروں میں سے کسی نے کبھی ووٹ نہیں دیا تو میں نے سیاست میں آنے کا فیصلہ کر لیا۔

ڈاکٹر زہدی جاسر Zuhdi Jasser سابق صدر ٹرمپ کا حمایتی ہے۔زہدی فی نیکس (ایری زونا) میں ڈاکٹر ہے جس کو 2012 میں کمیشن آن ری لجس فریڈم کا ممبر مقرر کیا گیا تھا۔زہدی کی پیدائش 1967 میں ڈیٹن (اوہایو) میں ہوئی تھی۔زہدی کو سیاسی اور مذہبی امور پر تجزیہ نگار اور وقیع مبصر ہونے کا درجہ حاصل ہے۔وہ امریکہ کی نیوی میں لیفٹننٹ کمانڈر رہ چکا ہے۔وہ اس بات کا حامی ہے کہ سیاست اور مذہب کو الگ الگ ہونا چاہئے۔وہ امریکہ کے بڑے بڑے ٹیلی ویژن سٹیشنوں پر اظہار خیال کر چکا ہے نیز اس کے مضامین ملک کے مقتدر اخباروں کی زینت بن چکے ہیں۔

ہما محمود عابدین Huma Abedin b.1976 ہلری کلنٹن کی 25 سال تک چیف آف سٹاف، سیاسی مشیر اور قابل اعتماد ساتھی رہی ہے۔اس کے والد سید زین العابدین مرحوم ہندوستان سے تھے اور والدہ صالحہ محمود پاکستان سے ہیں۔اس نے کئی سال وائٹ ہاؤس میں گزارے اور ہلری کلنٹن کے ساتھ دنیا کے متعدد ممالک کے سفر کئے اور درجنوں وزیر اعظموں اور صدروں سے ملاقات کی۔کچھ روز قبل اس کی کتاب BOTH/AND: A Life in Many Worlds شائع ہوئی ہے۔ ہما عابدین 2016 میں ہلری کلنٹن کی صدارتی الیکشن کی مہم کی چیئر مین تھی۔2010 میں اس کی شادی کے موقعہ پر ہلری کلنٹن نے کہا تھا میری ایک بیٹی ہے اگر دوسری بیٹی ہوتی تو وہ ہما ہوتی۔

سیاست کے میدان میں صدف جعفر ایک انوکھا نام ہے جو جنوری 2019 میں نیو جرسی کی ریاست میں شہر بلکہ امریکہ میں پہلی خاتون مسلمان میئر منتخب ہوئی تھی۔صدف جس کی پیدائش شکاگو میں ہوئی تھی اس کے والدہ کا تعلق کراچی (پاکستان) اور والد کا یمن سے ہے۔بچپن میں وہ ڈپلومیٹ بننا چاہتی تھی جس کیلئے اس نے سٹیٹ ڈی پارٹمنٹ میں انٹرن بھی کیا تھا۔مگر مسلمانوں کے خلاف ابھرتی نفرت کے باعث اس نے ہارورڈ میں داخلہ لیا اور ڈاکٹریٹ مکمل کی۔2017 میں وہ پرنسٹن یونیورسٹی میں پروفیسر تھی جب ٹرمپ کا انتخاب صدر امریکہ کے لئے ہوا۔اس کے نتیجہ میں اس نے سیاست میں جانے کا فیصلہ کیا اور نیو جرسی کی منٹگمری ٹاؤن شپ (آبادی 24,000) کی کونسل کا الیکشن جیت لیا۔اس کے والدین نے اس کو کہا کیا مناسب نہیں کہ اس وقت ہم پبلک کی نظروں سے دور چھپ کر رہیں۔مگر اس نے کہا ہمیں اپنے حقوق کی جنگ ہمیں لڑنی ہے۔جون 2021 میں

اس کو نیو جرسی اسمبلی کیلئے ڈیموکریٹک پارٹی کی طرف سے نامزد کیا گیا۔

2020 کے الیکشن امریکہ کی 28 ریاستوں میں 170 مسلمان امیدواروں نے حصہ لیا تھا جس میں 62 کامیاب ہوئے تھے۔ اعداد و شمار کے مطابق دس لاکھ مسلمانوں نے پچھلے سال کے انتخابات میں ووٹ ڈالا تھا۔ ہر امیدوار کو اینٹی اسلام عداوت کا سامنا کرنا پڑا۔ اور ہر ایک کو Islamists or Jihadist کا لیبل لگایا گیا۔

مسلمان اولمپک میڈلسٹ

نیو جرسی میں رہنے والی چھتیس سالہ ابتہاج محمد Ibtihaj Muhammad امریکہ کی اولمپک میڈلسٹ ہے۔ وہ پہلی مسلمان کھلاڑی ہے جس نے حجاب پہن کر پہلی بار 2016 کی اولمپک گیمز میں Fencing کے کھیل میں برونز میڈل جیتا تھا۔ ٹائم میگزین نے اس کو 100 Most influential people کی فہرست میں شامل کیا تھا۔ امریکہ کے سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کی جانب سے وہ سپورٹس ایمبسیڈر کے طور خدمات بجالاتی ہے۔ اس کی کلودنگ کمپنی کا نام Louella ہے۔ یاد رہے کہ ابتہاج سے انسپائر ہو کر پہلی حجابی باربی ڈال بنائی گئی تھی۔ اس کی سوانح عمری کا عنوان Proud ہے۔

اس مضمون میں سیاست، کھیلوں اور ٹیلی ویژن میں اثر و رسوخ والے مسلمانوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ورنہ امریکہ میں اس وقت ہزاروں مسلمان سائنسدان، کمپیوٹر ایکسپرٹ، ڈاکٹرز، پروفیسر، بنکرز، فلم انڈسٹری میں ایکٹرز، میوزیشن، نغمہ نگار اور بزنس مین (جیسے لاہور کا بلئین ائیر اور سپورٹس ٹائیکون شاہد خاں) ہیں جو اس ملک کی ریڑھ کی ہڈی ہیں۔

()()()

(25)مسلمان برطانیہ کب آئے؟

صلیبی جنگوں(1095-1271)کے دوران برطانیہ میں کوئی مسلمان آباد نہیں تھے۔بلکہ یورپ سے جو سپاہی فلسطین لڑنے گئے ان میں سے چند ایک مسلمان ہوگئے۔جیسے(d1187) Robert of St. Albans جس نے سلطان صلاح الدین کی صلیبیوں کے خلاف اسلامی فوج کی ہتین کی جنگ، نیزیروشلم کی فتح میں قیادت کی تھی۔رابرٹ کی شادی سلطان صلاح الدین کی بھتیجی سے ہوئی تھی مگر کچھ عرصہ بعدیروشلم میں اس کی وفات ہوگئی۔

نارتھ افریقہ، مڈل ایسٹ اور سینٹرل ایشیا سے مسلمان سولہویں صدی میں لندن بطور ڈپلومیٹ، مرچنٹس، ترجمان، موسیقار، ملازم حتی کہ طوائفوں کے پیشوں سے جڑے آئے تھے۔اس کی وجہ ملکہ ایلزبیتھ (1533-1603)کی کیتھولک یورپ سے علیحدگی تھی۔پوپ پیئس پنجم Pope Pius V نے1570 میں ملکہ کا کیتھولک مذہب سے جب اخراج کا حکم جاری کر دیا تو اس نے پوپ کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے جس میں یہ کہا گیا تھا کہ کرسچین مسلمانوں سے تجارتی تعلقات قائم نہیں کریں، مراکش کی حکومت، سلطنت عثمانیہ اور ایرانی ایمپائر سے تجارتی اور سیاسی تعلقات قائم کر لئے۔

ملکہ نے اپنے ڈپلومیٹ، اور تاجر اسلامی دنیا کو روانہ کئے تو اس کے نتیجہ میں مسلمانوں نے لندن آنا شروع کیا جو اس وقت نارتھ افریقہ کے مورزMoors، انڈین، نیگروز اور ٹرکس Turks کہلاتے تھے۔ملکہ ایلزبیتھ کے دور حکومت سے قبل عیسائی ممالک کے عوام کے ذہنوں میں اسلام کی مسخ شدہ تصویر خونی صلیبی جنگوں کی وجہ سے پیدا ہو چکی تھی۔کسی عیسائی کو اسلام اور مسلم کا علم نہیں تھا۔یہ الفاظ انگلش ڈکشنری میں سترھویں صدی میں داخل ہوئے تھے۔اس وقت مسلمانوں کو Saracens کہا جاتا تھا۔خاص طور پر صلیبی جنگوں کے وقت ساراسن سے مراد کوئی عرب یا مسلمان ہوتا تھا۔اس دور کی کتابوں میں بھی مسلمانوں کے لئے ساراسن کا لفظ لکھا ہوتا تھا۔

نصرانیوں نے اسلام کو ایک ضابطہ حیات اور دین کامل کے طور پر قبول نہیں کیا تھا بلکہ وہ اس کو عیسائیت کی بگڑی ہوئی شکل یا pagan polytheism کہتے تھے۔پھر اسلامی ممالک کی کتابوں کے مطابق عیسائی ممالک کا سفر برا سمجھا جاتا تھا کیونکہ وہ ان ممالک کو دار لحرب کہتے تھے جو دار الاسلام کا مد مقابل تھا۔مگر جب ملکہ ایلزبیتھ کے ہاتھوں میں زمام اقتدار آئی تو حالات بدلنے لگے۔ملکہ ایلزبیتھ کے تاجر1562 میں ایرانی بادشاہ تہماسپ(1514-1576)Tahmasp کے دربار میں پہنچے جہاں ان کو سنی اور شیعہ مسلمانوں کے عقائد میں فرق معلوم ہوا۔واپسی پر یہ تاجر اپنے ساتھ ایک تاتار مسلم غلام لڑکی کو لیتے آئے جس کا نام عورہ سلطانہ Aura Soltana تھا۔یہ لڑکی ملکہ کی آنکھوں کا تارا بن گئی جو غرناطہ کے ریشم کے لباس زیب تن کرتی اور اسی

نے ملکہ کو اسپینش چمڑے کے جوتے پہننے کا فیشن سکھایا تھا۔

دیگر ممالک سے بھی صدیوں مسلمان لندن آن وارد ہوئے لیکن ان میں سے کسی ایک کی بھی سوانح یا پھر یادداشتیں محفوظ نہیں رہیں۔ تاھم ملکہ ایلز بیتھ کے دور کے لوگوں کی زندگیوں کی جھلک چرچ میں محفوظ رجسٹروں میں پڑھی جاسکتی ہیں۔ 1586 میں ایکس پلورر فرانسس ڈریک (d1596) Drake کو لمبیا سے جب واپس انگلستان آیا تو وہ اپنے ساتھ 100 ترکش مسلمان لایا جن کو ہسپانوی فوج نے بحیرہ روم میں حراست میں لیا تھا۔ یہ لوگ امریکہ غلام بنا کر لے جائے گئے تھے۔ ان میں سے ایک کا نام چی نانو Chinano تھا جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ پہلا مسلمان تھا جو مذہب تبدیل کر کے پروٹیسٹنٹ فرقہ کا پیروکار بن گیا۔ اس کو ٹاور آف لندن کے قریب واقع St. Katherine's Church میں بپتسمہ دیا گیا جہاں اس نے اپنا نام ولیم ہاکنز William Hawkins رکھ لیا۔ اس کا کہنا تھا کہ اگر انگلینڈ میں خدا نہیں ہے تو پھر خدا کہیں بھی نہیں ہے۔ اب اس کی شناخت انگلی کن Anglican بن چکی تھی یا پھر اس کو خوب معلوم تھا کہ اس نے انگلش ماسٹرز کو کیسے خوش رکھنا ہے۔ دیگر ترکش افراد کی طرح وہ جلد ہی لندن کے ریل پیل کی زندگی میں گم ہو گیا اور یوں اس کے عقائد بھی اس کے ساتھ گم ہو گئے۔

کیا چی نانو Chinano واقعی حلقہ بگوش عیسائیت دل سے ہو گیا تھا؟ یہ جاننا مشکل ہے.؟ کیونکہ اس کے جیسے مزدور پیشہ اور بھی ایسے اشخاص تھے جو درزی، لوہار، شراب کشید کرنے والے اور جولاہے تھے۔ چرچ کے ریکارڈوں میں ایک عورت میری فلس Mary Fillis کا ذکر ملتا ہے جس کو بپتسمہ دیا گیا، وہ مراکش کی باسکٹ میکر کی دختر تھی جو لندن میں درزن کے طور پر 13 سال تک کام کرنے کے بعد عیسائیت قبول کرنے کی خواہش مند تھی۔ اس کو Whitechapel میں 1597 میں بپتسمہ دیا گیا جہاں اس نے باقی ماندہ زندگی گزار دی۔ ایک اور شخص کا ذکر بھی ملتا ہے جو مراکش سے آیا تھا مگر اس کے کوئی رشتہ دار نہیں تھے اس لئے پادریوں کو معلوم نہ ہو سکا آیا وہ عیسائی تھا یا نہیں؟

انگلینڈ میں آنے والے افراد کا مذہب تبدیل کرنا یک طرفہ نہیں تھا بلکہ دو طرفہ تھا۔ انگریز مرد اور عورتیں صدیوں کی تعداد میں اسلامی ممالک میں ملازمت، تجارت یا دیگر پیشوں سے متعلق ہجرت کر کے گئے تھے۔ ان میں سے کئی ایک حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ بعض نے دل سے ایسا کیا اور بعض کو مجبور کیا گیا۔ مثلاً نورفولک کا ایک تاجر Samson Rowlie جس کو ترکش فوجیوں نے الجیریا کے ساحل پر 1577 میں قید کیا تھا، اس کو حراست میں رکھا گیا اور پھر وہ مسلمان ہو گیا۔ اب اس نے اپنا نام حسن آغا رکھ لیا۔ ترقی کرتے کرتے وہ الجیریا کا خازن اعلیٰ Chief Treasurer & Chief Eunuch اور خواجہ سرا بننے کے علاوہ عثمانی گورنر کا مشیر خاص بن گیا۔ زندگی بھر نہ وہ برطانیہ واپس آیا اور نہ ہی اس نے اسلام کو ترک کیا۔

ملکہ ایلز بیتھ کے سلطنت عثمانیہ، پرشیا اور مراکش کی سلطنتوں کے ساتھ تعلقات کی وجہ سے اور بھی ممتاز مسلمان لندن

آئے۔ تاریخی دستاویزوں کے مطابق عثمانی سلطنت کے سفیر 1580 کی دہائی میں لندن آئے تھے مگر وہ کہاں گئے اس کا سراغ نہیں مل سکا۔ اس عرصہ میں مراکش کے سفیر بھی لندن آئے۔ مثلاً 1589 میں مراکش کا سفیر احمد بلقاسم لندن آیا جس کے ہمراہ باربری کمپنی کے تاجر تھے۔ انہوں نے برطانیہ مراکش کے اتحاد سے سپین کے بادشاہ کے خلاف ملٹری مہم کی تجویز پیش کی۔ سپین کے خلاف مہم کی یہ تجویز کا خاطر خوانہ نتیجہ نہ نکلا۔ تاہم 1589 کے آخر میں مراکش کا سفیر اس برطانوی بحری فلیٹ میں شامل تھا جس نے مراکش کے عالم فاضل سلطان ابو العباس مولے احمد المنصور (1549-1603) کی حمایت سے لزبن (پرتگال) پر حملہ کیا تھا۔

اس کے دس سال بعد مراکش کا ایک اور سفیر محمد النوری لندن پہنچا جس کے ہمراہ کثیر تعداد میں تاجر، ترجمہ نگار، دین کے عالم اور غلام تھے۔ ان کا قیام لندن میں چھ ماہ تک ایک مکان On the Strand میں رہا جہاں برطانوی عوام ان کو نمازیں ادا کرتے ہوئے دیکھا کرتے تھے۔ ایک انگریز شہری کے مطابق-"وہ اپنے گھروں میں جانور بھیڑ بکری مرغی ذبح کرتے اور ذبح کرتے وقت اپنا منہ مشرق کی طرف رکھتے۔ وہ تسبیح کو استعمال کرتے اور اولیاء کے حضور دعائیں کرتے تھے۔ "

مراکشی سفیر محمد النوری نے لندن میں اپنی پورٹریٹ بنوائی، ملکہ ایلزبیتھ کے درشن کئے، اس کے مشیروں سے دو دفعہ ملاقات کی۔ اس نے اسلامی اور پروٹیسٹنٹ افواج کا مل کر سپین پر حملے کی تجویز سامنے رکھی، نیز امریکن کالونیز پر بحری حملہ بھی تجویز کیا۔ ملکہ ایلزبیتھ نے اس تجویز پر حیل وحجت سے کام لیا کیونکہ وہ عثمانی حکومت کو ناراض نہیں کرنا چاہتی تھی جو اس وقت مراکش کے حکمران المنصور کے خلاف تھی۔

ملکہ ایلزبیتھ کی اچانک وفات پر یہ سیاسی اتحاد ختم ہو گیا۔ نیز اس کے بعد اگلے بادشاہ جیمز اول James I نے کیتھولک سپین کے ساتھ صلح کر لی۔ لیکن برطانیہ کی تاریخ چی نانو، میری فلس، النوری، احمد بالقاسم کے نام ابھی تک روشن ہیں جو اول اول یہاں اسلام کے رہبر بن کر آئے تھے۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی کہ برطانیہ میں مسلمانوں کی تاریخ کا عرصہ لمبا ہے جو سولہویں صدی میں یہاں وارد ہوئے تھے۔ آکسفورڈ میں عربک چیئر 1636 میں قائم کی گئی تھی۔ قرآن کا انگلش میں ترجمہ 1734 میں کیا گیا۔ بی بی سی ریڈیو پر قرآن کی تلاوت پہلی بار 1935 میں نشر کی گئی تھی۔

اردو میں پہلا سفر نامہ لکھنو کے شہری یوسف خاں کمبل پوش نے لکھا اور 1847 میں دہلی سے شائع ہوا تھا۔ اس کا نام عجائبات فرنگ تھا۔ یوسف خاں نے انگلستان کے سفر کا آغاز 1837 میں کیا اور آدھی دنیا کا سفر کرتے ہوئے، پیرس کی سیر سے لطف اندوز ہوتے، مصر اور وسطی ہندوستان کے راستے لکھنو واپس 1838 میں پہنچا۔ اس سفر کے دوران پیش آنیوالے واقعات، سیاحتی مقامات کی تفصیل، جغرافیائی حالات، معاشروں کی تہذیب، طرز زندگی، رسوم وعقائد، تاریخی عمارات، پر اظہار خیال کرتے

ہوئے انہیں ضبط تحریر میں لاتا گیا۔ یوسف خاں کے مشاہدات انوکھے اور دل چسپ ہیں۔ لندن کی سیر کے دوران سینٹ پال کا گرجا گھر، برٹش میوزیم، رائیل جیولاجیکل گارڈن، مادام تساد کا ویکس میوزیم، ناجائز بچوں کا گھر، شاہی محل، واکس ہال گارڈن، گرینچ کا توپ خانہ، دریائے ٹیمز اور پاگل خانے کا تفصیل سے ذکر کرتا ہے۔ وہ انگلینڈ کی تہذیب کا پرستار اور مداح تھا۔ سر سید احمد خاں نے لندن کا سفر نامہ "مسافران لندن" کے نام سے قلم بند کیا تھا۔ سر سید بنارس سے انگلینڈ کے لئے اپریل 1869 کو روانہ ہوئے تھے۔ اس سفر نامے میں انہوں نے لندن کے عجائبات، کیمبرج یونیورسٹی، انڈیا آفس لائبریری، مدارس نسواں، ارباب کمال سے ملاقات، برٹش میوزیم، ونچسٹر کالج، توپوں کا داغنا، لندن کا لبرل ماحول، کا تفصیل سے ذکر کیا تھا۔

برطانیہ آنیوالے چند لوگوں نے اگر عیسائیت قبول کر لی تو یہاں رہنے والوں میں سے کئی ایک ایسے تھے جو مشرف بہ اسلام ہوئے۔ ملکہ وکٹوریہ کے عہد حکومت ولیم قوئے لام William Quillam نے ٹین جیر میں اکتیس سال کی عمر میں 1887 میں قبول اسلام کیا تھا۔ اس کا اسلامی نام عبداللہ تھا۔ انگلینڈ واپس آنے پر وہ داعی اسلام بن گیا۔ اس کے ہاتھ پر چھ سو افراد مسلمان ہوئے تھے۔ لیورپول میں اس نے پہلی مسجد قائم کی۔ ملکہ وکٹوریہ کے حکم پر اس کے پمفلٹ Faith of Islam کا تیرہ زبانوں میں ترجمہ کیا گیا۔ ملکہ کی رضامندی سے عثمانی سلطان نے اس کو برطانوی جزائر کا شیخ الاسلام مقرر کیا تھا۔ اس نے 1932 میں وفات پائی اور سرے Surrey میں تدفین ہوئی۔ پھر دیگر جلیل القدر افراد میں سے ایک برطانوی سکالر مارماڈیوک پکتھال تھا۔ (1875-1936) اس نے 1930 میں قرآن پاک کا انگلش میں ترجمہ کیا جو پوری دنیا میں مستند اور اعلیٰ ترین تسلیم کیا جاتا ہے۔ مگر زیادہ تعداد میں مسلمان آج سے تین سو سال قبل لندن آئے تھے۔ یہ لوگ بحری ملاح تھے جن کو ایسٹ انڈیا کمپنی ہندوستان سے لائی تھی۔ اس کے بعد جب سویز کنال کھل گئی تو 1869 میں مسلمان کثیر تعداد میں یہاں آئے جو یمن کے باشندے تھے۔

برطانیہ کے محکمہ شماریات کے مطابق 2018 میں ملک میں 3,372,966 مسلمان آباد تھے یعنی کل آبادی کا 5.2٪۔ ان میں سے انگلینڈ میں 2,660,116، سکاٹ لینڈ میں 76,737، اور ویلز میں 45,950 آباد ہیں۔ سب سے زیادہ مسلمان لندن میں ہیں جن کا تعلق سنی اسلام سے ہے۔ پندرہ اسلامی ممالک سے آئے برطانیہ میں رہنے والے مسلمانوں میں سے پاکستان سے ہجرت کر کے آنیوالے امیگرنٹ سب سے زیادہ ہیں۔

()()()

(26) امریکی صدر ٹافٹ جو کھڑے کھڑے سو جاتا تھا

امریکہ کا ستائیسواں صدر ولیم ہاورڈ ٹافٹ (William H. TAFT) جو چار سال تک 1909-1913 تک صدر کے عہدہ پر فائز رہا وہ کئی لحاظ سے منفرد شخصیت کا مالک تھا۔ مثلاً اس کا وزن 335 پاؤنڈ تھا اس لحاظ سے وہ امریکہ کا سب سے وذنی صدر تھا۔ جب اس نے زندگی کے چالیسویں زینے پر قدم رکھا اس وقت اس کا وزن 320 پاؤنڈ ہو چکا تھا۔ جب اس نے عنان حکومت سنبھالی اور وائٹ ہاؤس میں قیام کرنے لگا تو ایک روز نہانے کے بعد وہ باتھ ٹب میں اس قدر دھنس گیا کہ بہت چیخ و پکار کے بعد اس کے مدد گاروں نے اس کا بڑی مشکل سے باتھ ٹب سے نکالا۔ ایک دفعہ ایسا بھی ہؤا کہ وہ پانی سے بھرے باتھ ٹب میں داخل ہؤا، تو اس نے یہ نہیں سوچا کہ میرے اندر جانے سے پانی اوپر بہہ کر نکل جائیگا۔ چنانچہ پانی باہر نکلا اور فرش گیلا ہو گیا بلکہ چھت سے نیچے کے فلور تک چلا گیا اور ملازمین بھیگ گئے۔

اس واقعہ کے بعد وائٹ ہاؤس میں ایک بہت بڑا باتھ ٹب خاص اس کے حجم کو مد نظر رکھتے ہوئے تعمیر کیا گیا۔ وائٹ ہاؤس میں اس کے سٹاف اور کابینہ کے وزراء نے نوٹس کیا کہ صدر محترم دن یا ہو رات ہر وقت غنودگی کے عالم میں رہتے تھے۔ اتنا کہ کہ بعض دفعہ کھانا تناول کرتے ہوئے ڈائننگ ٹیبل پر وہ محو نیند ہو جاتے تھے۔ جبکہ ان ہمراہ بعض اہم افراد کھانے میں شریک ہوتے تھے۔ یا بعض دفعہ یوں ہؤا کہ وہ کانگریس کے سپیکر یا سپیریم کورٹ کے چیف جسٹس سے گفتگو کے درمیان فقرہ مکمل کئے بغیر نیند میں پورے اہتمام کے ساتھ خراٹے لینے شروع کر دیتے۔ مگر حیرت کی بات یہ ہے کہ دس منٹ بعد نیند سے بیدار ہونے پر وہ اس فقرہ کو مکمل کر لیتے اور گفتگو اسی موضوع پر جاری رکھتے تھے۔

ایک دفعہ یوں ہؤا کہ ایک مصور ان کا پورٹریٹ بنا رہا تھا اور وہ وائٹ ہاؤس میں کھڑے تھے دیکھتے دیکھتے ہی وہ کھڑے کھڑے دنیا و مافیہا سے بے خبر، پورے سکون کے ساتھ نیند کی آغوش میں چلے گئے۔ اتوار کے روز جب وہ چرچ سنڈے سروس کیلئے جاتے تو ان کے مرتبہ کے پیش نظر ان کو اگلی صف میں بیٹھنے کیلئے جگہ دی جاتی۔ مگر وہ کرسی پر براجمان ہوتے ہی محو خواب ہو جاتے اور پورے زور و شور کے ساتھ خراٹے مارنے لگ جاتے اتنا کہ ان کے ساتھ بیٹھی ان کے اہلیہ ان خراٹوں سے خود محفوظ رکھنے کیلئے کانوں میں انگلیاں ڈالنے پر مجبور ہو جاتیں۔ اسی وجہ سے وہ ان کو sleeping beauty کہہ کر بلاتی تھیں۔

امریکہ کا صدر منتخب ہونے سے پہلے وہ فلپائن کی امریکی کالونی کے گورنر تھے۔ ایک دفعہ ایسا ہؤا کہ جس جزیرہ پر وہ رہائش پذیر تھے وہاں سخت طوفان آگیا۔ اور جان و مال کا سخت نقصان ہؤا مگر اس طوفان کے دوران آپ مزے سے خرگوش کی نیند سوتے رہے۔ جس روز انہوں نے امریکہ کے 27 ویں صدر کا حلف اٹھانا تھا اس روز بھی صدر محترم کی حالت زار کچھ بہتر نہ تھی۔

تقریب کے ایک رات قبل واشنگٹن برف اور ہوا کا طوفان آنے سے سڑکوں پر سفر کرنا ناممکن ہو گیا۔ مسز ٹافٹ نے اس خاص موقعہ کیلئے جو خاص ڈریس نیویارک کے ایک درزی سے بنوانے کیلئے آرڈر دیا تھا وہ طوفان کی وجہ سے واشنگٹن نہ پہنچ سکا۔ چنانچہ مسز ٹافٹ سراسیمگی کے عالم میں کمرے کے اندر چکر لگا رہی تھیں اور صدر محترم خواب غفلت میں سو رہے تھے۔

مسز ٹافٹ Helen Herron بذات خود نہایت سمجھدار، ذہین، دانش مند سیاسی سوجھ بوجھ رکھنے والی خاتون تھیں۔ جب کابینہ کا اجلاس ہو رہا ہوتا اور اہم موضوعات زیر بحث ہوتے تھے تو اگر صدر محترم آنکھیں بند کر کے دور کسی ماوراء دنیا کے سفر پر روانہ ہو جاتے تو مسز ٹافٹ جو ان کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھی ہوتی تھیں ان کو کہنی مار کر اٹھا دیتیں تا زیادہ بدنامی نہ ہو۔ اگرچہ دیکھنے والوں کیلئے صدر محترم سو رہتے ہوتے تھے حقیقت یہ ہے کہ وہ کبھی رات بھر ایک لمحہ کیلئے نہ سوتے تھے۔ صبح کے وقت بیدار ہونے پر وہ دماغی اور جسمانی طور پر تھکے ہوتے تھے ان کا بلڈ پریشر کافی ہائی ہوتا تھا ان کا دل قریب قریب مفلوک الحال ہوتا تھا اور جسم تھکاوٹ سے چور چور ہوتا تھا۔ بعض لوگ خیال کرتے تھے کہ شاید یہ ان کی شخصیت میں کوئی نقص ہے یا وہ غبی الذھن ہیں؟

اس نامخالف صورت حال کے پیش نظر وہ 1912ء کا صدراتی الیکشن ہار گئے مگر صدارتی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہونے کے بعد ان کو سکون مل گیا۔ انہوں نے ہوش کے ناخن لئے اور وزن گرانا شروع کر دیا، ورزش شروع کر دی، بریڈ، آلو، پورک اور شراب پینا چھوڑ دی، اور دیکھتے دیکھتے ہی ان کا وزن ستر پاؤنڈ گر کر 250 پاؤنڈ تک آ گیا۔ ان کے بعد وڈرو ولسن W.Wilson صدر منتخب ہوئے انہوں نے ان کی قانونی ذکاوت اور بیک گراؤنڈ کی پیش نظر ان کو 1921 میں سپریم کورٹ کا چیف جسٹس مقرر کر دیا۔ یہ عہدہ ملنے پر وہ پھولے نہ سمائے اور کہا: I don-92t remember that I was ever president۔ اس کے معاً بعد گویا ان کی زندگی میں انقلاب آ گیا وہ 9 سال تک اس عہدہ جلیلہ پر فائز رہے اور زندگی کا ہر وہ دن جو انہوں نے عدالت میں گزارا وہ چاق و چوبند رہے۔ ان کی بہت ساری امراض ہوا میں تحلیل ہو گئیں جب 1930ء میں 72 سال کی عمر میں انہوں نے داعی اجل کو لبیک کہا وہ سپریم کورٹ کے ایک کامیاب، نہایت قابل احترام چیف جسٹس تسلیم کئے جاتے تھے۔ جس نے نہایت تاریخ ساز فیصلے جات لکھے۔

ان کی وفات کے ایک سو پچاس سال بعد اب یہ بات زیر بحث ہے کہ وہ ہر وقت سوئے کیوں رہتے تھے؟ امریکہ سے شائع ہونیوالے ایک میڈکل جرنل چیسٹ CHEST میں ڈاکٹر جان سوٹوس Dr John Sotos جو خود ایک تجربہ کار کارڈیالوجسٹ اور میڈکل ہسٹورین ہیں انہوں نے صدر ٹافٹ کی میڈکل ہسٹری کا عمیق مطالعہ کیا ہے ان کی تحقیق کے مطابق صدر ٹافٹ جس مرض میں مبتلا تھے اس کا نام Obstructive sleep apnea ہے سلیپ اپینیا فربہ جسم افراد میں عام پایا جاتا ہے اس مو

ضوع پر اخبار واشنگٹن پوسٹ کے رائیٹر ڈیوڈ براؤن نے بھی تحقیق کی ہے ان کے مطابق اس مرض میں مبتلا افراد رات کے وقت سانس لینا بند کر دیتے اور بعض دفعہ یک لخت اٹھ کر بے چین ہو کر بیٹھ جاتے اور شکایت کرتے کہ ان کو سانس نہیں آ رہا۔ اور سانس لینے کیلئے منہ کھول کر ہوا اندر داخل کرتے، دن کے وقت وہ تھکا ہؤا محسوس کرتے اور طبیعت میں اضمحال پایا جاتا ہے۔ جسم میں کمزوری اور توانائی بلکل نہیں ہوتی ہے دماغی طور پر وہ سست محسوس کرتے اور چاق و چوبند نہیں ہوتے ہیں۔

یہ مرض عورتوں کی نسبت مردوں میں زیادہ پایا جاتا ہے۔ اس مرض میں مبتلا مردوں کو فالج یا دل کا حملہ ہونیکا زیادہ احتمال ہوتا ہے۔ صدر ٹافٹ کی زندگی کا مطالعہ کرنے والے تاریخ دانوں نے ان کے عہدہ صدارت میں کئے جانے والے فیصلہ جات اور جو احکامات انہوں نے جاری کئے ان کا مطالعہ کیا ہے ان میں انہوں نے کوئی غلطی نہیں پائی ہے۔ حیرانگی کی بات یہ ہے کہ ایسے فیصلہ جات انہوں نے سلیپ اپنیا کے دوران لکھے تھے۔

صدر ٹافٹ سے قبل دنیا کے اور مشاہیر بھی مختلف عوارض میں مبتلا رہے ہیں۔ مثلاً جارج واشنگٹن میں ایک جینیٹک ڈی فیکٹ تھا جس کو Klinefelter's syndrome کہا جاتا ہے ایسے شخص کے سیکس کروموسوم میں جو نقص ہوتا اس کی وجہ سے اس شخص کا سینہ ابھرا ہوتا مگر عضو تناسل کے بال چھوٹے ہوتے۔ نپولین بوناپارٹ کی موت کس وجہ سے ہوئی؟ بعض ریسرچرز کا خیال تھا کہ سینٹ ہلینا کے جزیرہ پر قید کے دوران اس کو آرسینک کا زہر دیا گیا تھا۔ مگر اب ایک فرنچ ڈاکٹر نے تحقیق کے بعد کہا ہے کہ اس کو معدے کا سرطان تھا۔ صدر کینیڈی کو جو عارضہ لاحق تھا اس کا نام Addison's disease ہے جس میں ایڈرینا لین گلینڈ ٹھیک طور پر کام نہیں کرتے ہیں۔ بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح کے بارہ میں کہا جاتا ہے کہ ان کو ٹی بی کا عارضہ لاحق تھا۔ یا لنگ کینسر یا شاید دونوں تھے۔ جب صدر محمد ایوب خاں کو دل کا حملہ ہؤا تو کہا گیا تھا کہ ان کو نمونیا کا حملہ ہؤا ہے جب برطانوی فزیشن Dr John Goodwyn نے غلط میڈکل بلیٹن پر دستخط ثبت کرنے سے انکار کر دیا تو پھر پاکستانی عوام کو صحیح صورت حال سے مطلع کیا گیا تھا۔

صدر ریگن دس سال تک ایلزہائمر کے مرض میں مبتلا رہے۔ وہ کسی کو نہیں پہچان سکتے تھے، گویا وہ قید تنہائی میں زندگی کے آخری ایام گزارتے رہے۔ ان کے آخری صدارتی سالوں میں اس مرض کے آثار ان پر ظاہر ہونا شروع ہو گئے تھے مگر ان کی چالاک اور ہوشیار بیگم نینسی ریگن نے بڑے خوبصورت انداز میں اس مرض کو چھپائے رکھا۔

https://www.humsub.com.pk/266853/zakaria-virk-12/

()()()

ختم شد

Books authored / compiled / translated by Zakaria Virk

Urdu

1. Azeem Zindagi – Urdu translation of B. Orchard's Life Supreme 1989
2. Ramooze-Fitrat – collection of articles on Dr. Abdus Salam 1996
3. Guldastae-Khayal – Urdu translation of Orchard Guidepost 2000
4. Musalmano Ka Newton – on Dr. Abdus Salam Nobel Laureate 2003
5. Musalmano kay science karnamay, Aligarh +Lahore 2005
6. Biography of Ibn Rushd – Punjab Text Board Lahore +Aligarh AMU 2006
7. Rushdie – Bhooton kay aseeb main - Rebuttal to Rusdhdie Novel – Urdu translation London 2007
8. Biography of al-Biruni original, Dehli +Lahore 2007
9. JD Bernal science book – summary, Lahore 2008
10. Hukamae Islam – collection of my science essays, Dehli 2008
11. Dr Salam kay science karnamay, Lahore +India 2010
12. Musalmano kay science karnamay – expanded edition 500 pages 2011
13. 111 Musalman sciencedan Lahore and Varanasi India 2014
14. Salam Abdus Salam – collection of articles on Dr. Salam India 2015
15. Science aur Musalman – collection of my articles India 2020
16. Hukama'ey Islam (extracts from Sarton's book) India 2020
17. Who jab yaad aye – articles on deceased relatives 2022
18. Gulhai Ranga Rang, collection of Urdu articles, online edition 2023

English

19. History of AMJ by S. Khursheed Ahmad Urdu to Eng Trans. Print edition 2010 Toronto 2001
20. Translators and commentators of Ibn Sena Canon of Medicine by Prof Rahman, Translated into English, Aligarh, India 2012
21. Scientist of the East – published articles on Dr. Salam - online edition 2016
22. Muslim Contributions to Sciences Berlin Germany print edition 2019
23. Islamic Quiz, 510 Questions and Answers Varanasi, India 2018
24. History of Greek Medicine in Dehli, Urdu to Eng. Translation 2021
25. Biography of Hakim Ajmal Khan, Prof Rahman Urdu to Eng. 2022

Translation Print edition, November 2023 Aligarh India Oct. 26, 2023
All my English articles have been on this website for more than 12 years and read by more than 75,000 academics. Karachi.academia.edu/zakariavirk